ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ

خطباتِ ربّانی

خطیب العصر مولانا الحاج عبدالوحید ربّانی

ناشر: مکتبۂ نوریہ رضویہ گلبرگ اے فیصل آباد

خُطباتِ ربّانی

حصّہ اوّل

خطیبُ العصر مولانا الحاج عبدُ الوحید ربّانی

مکتبۂ نُوریہ رضویہ
گُلبرگ اے ۰ فیصل آباد

نام کتاب —— خطباتِ ربانی

مؤلف —— مولانا عبدالوحید ربانی

تزئین و اہتمام —— سید حمایت رسول قادری

صفحات —— ۲۰۸

اشاعت —— مارچ ۲۰۰۲ء

تعداد —— ۱۱۰۰

مطبع —— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ناشر —— مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

قیمت —— 120 روپے

ملنے کا پتہ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11 گنج بخش روڈ لاہور فون 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ اے فیصل آباد فون 626046

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
توحید خداوندی	۷	آئینہ	۲۳
کن کی کنجی	۹	سنتِ ابراہیمی	۲۴
اشرف مخلوق	۹	گھر سے نکل کر	۲۴
انسان کی تلاش	۱۰	نمرود کی بت پرستی	۲۵
حق کا دروازہ	۱۱	میلہ	۲۶
فکر ابراہیم علیہ السلام	۱۱	دربارِ نمرود میں	۲۷
خدا کی تلاش	۱۲	تاریخی فقرہ	۲۸
منزل	۱۳	اقراری مجرم	۲۹
حکم خداوندی	۱۴	کدھر جاتا ہے دل؟	۳۰
اندھیری دُنیا	۱۴	بے خطر کود پڑا	۳۱
پہلی آواز	۱۵	زمین جنبد نہ جنبد	۳۲
عزم بالجزم	۱۵	شرم کی بات	۳۳
شوروم	۱۶	شہ رگ سے قریب	۳۳
بازار میں آوازہ لگا	۱۶	باغ میں چہل قدمی	۳۵
تھیلا کھلتا ہے	۱۸	آگ سے نکلو	۳۵
سزائے موت	۱۹	مہمان	۳۶
کہاں بھاگو گے؟	۲۰	خوشخبری	۳۸
کچومر نکل گیا	۲۱	ٹھیک جا رہے ہیں	۳۹
اصل راز	۲۲	تم یہیں رہو	۴۰

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
دل سے جو بات نکلتی ہے	۴۰	ہم وحشی ہیں	۶۹
زم زم	۴۴	انسان بنو	۷۰
شانِ نبوت	۴۵	نہ سمجھو گے تو	۷۱
مذاق نہ اُڑاؤ	۴۵	کڑوی باتیں	۷۲
آواز دینے والا	۴۶	مرتدین	۷۳
ریاست کے مالک	۴۷	مرزائیت اور اس کا علاج	۷۳
قدموں کے نشان	۴۸	رسالت کی جلالت	۷۵
ابو کے ساتھ	۵۰	کلمہ خود پڑھو	۷۶
وطن کی آب و ہوا	۵۲	عقل کے ترازو میں نہ تول	۷۷
رحمٰن اور شیطان	۵۲	نبی سراپا ایمان	۷۸
قربان گاہ کی طرف	۵۳	**قرآن اور قرآن والا**	۸۱
آدابِ فرزندی	۵۴	سب کے لئے سب کچھ	۸۳
سرخروئی	۵۵	بتایا بھی سمجھایا بھی	۸۴
تجھے کاٹنا ہوگا	۵۸	فرشتوں کی محفل سماع	۸۴
یہ کیا ہوا	۵۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قرأت	۸۶
حقیقت	۵۹	آغاز	۸۷
مقامِ نبوت	۶۱	آسان کام	۸۸
نبی کون ہوتا ہے؟	۶۳	لوہار نہیں، سنار	۸۸
سبق پھر پڑھ	۶۴	خدا کا چیلنج	۹۰
بندوں کی بندگی	۶۵	الگ الگ راہیں	۹۰
تاج و تخت ختم نبوت	۶۶	ایسی کوئی بات نہیں	۹۲
قوت و شوکت کا پیغام	۶۷	سمجھتا ہوں جسے حق	۹۲
تحفظ دامن نبوت میں	۶۸	قرآن کیا ہے؟	۹۳

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
باتوں کی باتیں	۹۴	سین اور شین	۱۲۵
چلتا پھرتا قرآن	۹۵	روحِ بلالؓ	۱۲۶
آیات اور عادات	۹۵	نظروں سے نظریں ملیں	۱۲۷
وحی، یوحیٰ کی تار	۹۶	ڈھلکنے والے موتی	۱۲۹
بیان کی اہمیت	۹۷	چمکنے والا سورج	۱۲۹
قرآن وحدیث کا فرق	۹۷	جلوؤں کی برات	۱۳۰
خود بدلتے نہیں	۹۸	مغرب اور مشرق	۱۳۱
سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن	۹۹	چاند نکل آیا	۱۳۱
تحریر یا تصویر	۱۰۰	انصاف	۱۳۲
شفاعت رسول ﷺ	۱۰۲	کمال اسی کا	۱۳۳
قرآن کی شفاعت	۱۰۳	فتح کا راز	۱۳۴
فنا اور بقا	۱۰۵	**معراج النبی**	۱۳۷
جواب دو	۱۰۸	افضل الانبیاء	۱۳۹
زندگی کی روح	۱۰۹	جان پہچان	۱۴۱
والہانہ عشق	۱۱۰	اوّل و آخر	۱۴۱
جہیز	۱۱۱	محمد کا نام	۱۴۲
گہری نیند	۱۱۲	محمد کا نور	۱۴۲
ماں کی تلاوت	۱۱۳	کایا پلٹ دی	۱۴۳
میں نے کچھ چھپایا نہیں	۱۱۴	ختم نبوت کی دلیل	۱۴۴
قرآن کا اثر	۱۱۶	تصدیق پہلے	۱۴۴
کہاں سے کہاں تک	۱۱۷	دونوں جہانوں کا سردار	۱۴۵
جمالِ مصطفیٰ	۱۲۱	شانِ صدیقؓ	۱۴۶
دلِ بیتاب کی یاد	۱۲۳	تاب نظارہ نہیں	۱۴۷

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
نگاہِ مصطفیٰ	۱۴۷	التحیات کا مطلب	۱۶۳
حدود	۱۴۸	تبادلہء خیالات	۱۶۴
استقبال کی تیاریاں	۱۴۹	راز و نیاز	۱۶۵
پابند ادب	۱۵۰	حوروں کی تقسیم	۱۶۶
تجلیاں	۱۵۰	کوئی اوقات نہیں	۱۶۸
پیغام	۱۵۱	پاکستان میں تحریک نظام مصطفیٰ	۱۶۹
فرق	۱۵۱	نظام مصطفیٰ کیا ہے	۱۷۱
حضرت جبرائیل علیہ السلام	۱۵۱	پاکستان کی ضرورت	۱۷۱
براق	۱۵۳	نبی کا سہارا	۱۷۳
نور" علیٰ نور	۱۵۳	فیصلے کا اعلان	۱۷۳
زمین کا رونا	۱۵۳	ناخدا کے بغیر	۱۷۴
اعتراض کیسا؟	۱۵۵	حقیقت	۱۷۵
آسمان کی طرف	۱۵۶	پاکستان کی لذت	۱۷۵
تمکین حسن	۱۵۷	کس کی خاطر	۱۷۶
الاٹمنٹ	۱۵۷	مولائے کل	۱۷۶
فرشتوں کا طواف	۱۵۸	نبی کے صدقے	۱۷۸
آگے وہ جائے	۱۵۹	پاک پاکستان	۱۷۸
اُدھار چکا دیا	۱۵۹	اتحاد	۱۷۹
حسین امتزاج	۱۶۰	خون کی قسطیں	۱۸۰
عرش کی شان	۱۶۰	سروں کی قیمت	۱۸۰
اُمت کی رہائی	۱۶۱		
جو تیرے پاس نہیں	۱۶۱		
عنوان بنا دو	۱۶۲		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد
ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد

توحیدِ خداوندی

حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی نظر میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کُن کی کُنجی

حضرات! ہم سب مسلمان ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ یہ زمین، یہ فصلیں، یہ میدان، یہ پہاڑ، یہ آبشار، یہ بادل، یہ بجلی، یہ دریا، یہ سمندر، یہ بلندی اور پستی، یہ گہرائی اور چڑھائی، یہ خلف اور سلف، یہ زمین و زمان، یہ مکین و مکان یہ شجر و حجر، یہ شمس و قمر، یہ فلک و ملک، یہ حیوانات و جمادات، یہ مخفیات و تجلیات، یہ معدومات و موجودات، بلکہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کائنات کو بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کسی مستری کی خدمات حاصل نہیں کیں۔ کسی مزدور کو مزدوری کے لئے نہیں بلایا اس کے لئے کوئی میٹریل پہلے سے اکٹھا نہیں کیا۔ اس جہان کو بنانے کے لئے اُسے کسی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں پڑی۔ اُس نے اس کے لئے کوئی پلاننگ نہیں کی۔ اس کائنات کا کوئی پہلے سے نقشہ یا ماڈل تیار نہیں کیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اتنی بڑی زمین اور اتنے بڑے آسمان اور ان کے درمیان ستاروں اور سیاروں کے اتنے بڑے وسیع نظام کو بنانے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی عرصہ یا مدت خرچ نہیں کی، بلکہ کہا "کُن" ہوجا، بس "فیکون" وہ ہوگئی۔ خدا نے جیسا اس دُنیا کو چاہا یہ ویسے ہوگئی۔ اس تمام دُنیا کا نظام اس کی کُن کی کُنجی کے ساتھ چل رہا ہے۔

اشرف مخلوق

خُدا نے اس دُنیا میں بہت سی مخلوقات پیدا کیں، کچھ مخلوقات فضاؤں میں رہتی ہیں۔ کچھ زمین پر اور کچھ سمندر میں۔ مخلوقات کی ان لاکھوں قسموں میں ایک قسم ایسی بنائی کہ جسے تمام مخلوقات سے ممتاز اور افضل بنایا۔ اس مخلوق کو ہم سب اشرف المخلوقات کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ حضرت انسان جسے ہم اشرف المخلوقات کہتے ہیں، آج بھی اس دُنیا

میں موجود ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دُنیا کے سب انسان اشرف المخلوقات میں شامل ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایک شخص اگر اتنا بے غیرت ہو جائے کہ وُہ اپنی ماں بہن کی عزت کو چند ٹکوں کے عوض بیچتا پھرے تو ایسے انسان اور جنگل کے بے غیرت سور میں کیا فرق ہوگا؟ ایک انسان اگر اپنے مفاد کے لئے ہر ایک کو کاٹنے کو دوڑے اور بے تحاشہ اور بیہودہ گالیاں دے تو پھر ایسے انسان اور کتے میں کیا فرق ہوگا؟ ایک ایسا شخص جو بغیر کسی معذوری کے کھڑے ہو کر پیشاب کرتا ہے۔ اس انسان اور بیل میں کیا فرق ہوگا؟ ایک ایسا شخص جو ہر وقت کھاتا رہے، جسے روزے کی اہمیت کا پتہ نہ ہو جس کے کھانے کے کوئی اوقات نہ ہوں، جس کے کھانے کی مقدار نہ ہو ایسے انسان اور کھیت میں چرنے والی بکری میں کیا فرق ہوگا؟ ایک ایسا شخص جسے حرام اور حلال کی تمیز نہ ہو، جائز ناجائز کی پہچان نہ ہو، آخر اِس انسان اور مُردار کھانے والے گِدھ میں کیا فرق ہوگا؟ ایسے انسان کو اگر آپ اشرف المخلوقات کہیں گے تو یہ اشرف المخلوقات کے لفظ کی بھی توہین ہوگی اشرف المخلوقات ہر انسان کو نہیں کہتے۔ اشرف المخلوقات صرف اُس انسان کو کہتے ہیں جو انسان، انسان ہو،

انسان کی تلاش

شکل وصورت سے نظر آنے والا ہر انسان، انسان نہیں ہوتا، اگر شکل سے نظر آنے والا ہر انسان، انسان ہوتا تو پھر احمدِ مجتبیٰ محمد مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور عام انسان میں کیا فرق ہوتا؟ معلوم ہوُا انسان صرف انسانی ہاتھ، پاؤں، ناک اور کان وغیرہ رکھنے سے ہی انسان نہیں بن جاتا۔ انسان بننے کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی ہے، وہ چیز کیا ہے؟ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مَیں نے ایک دفعہ دن کے وقت ایک شخص کو دیکھا کہ وہ لالٹین جلائے پھرتا ہے۔ مَیں نے پوچھا! یہ دن کے وقت چراغ کی کیا ضرورت ہے، کہنے لگا میں کچھ ڈھونڈنے نکلا ہوں۔

”کیا چیز ڈھونڈنا چاہتے ہو۔ کیا گم ہوُا ہے؟

”گم تو کچھ نہیں ہوُا، بس تلاش کر رہا ہوں۔

”کیا چیز تلاش کر رہے ہو؟

”اس دُنیا میں انسان تلاش کر رہا ہوں۔

مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، مَیں نے کہا ایسی چیز آپ کو نہیں ملے گی، مَیں نے بھی بہتیری کوشش کی کہ کہیں کوئی انسان نظر آئے لیکن مجھے تو یہاں کوئی بھی انسان نظر نہیں آیا۔

حق کا دروازہ

دوستو اور بزرگو!

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو کس قسم کے انسان کی ضرورت تھی انہیں ایسے انسان کی ضرورت تھی جو صاحبِ کردار ہو۔ جس کی گفتار میں وقار ہو۔ جس کے اخلاق میں احسان ہو، جس کے دماغ میں جذبۂ اخوت ہو، جس کے دل میں محبت اور ہمدردی ہو۔ جو اپنی حقیقت کو جانتا ہو۔ جس کے غور و فکر نے اُسے خدا کی ربوبیت کے آگے جھکا دیا ہو۔ جس میں انانیت نام کو نہ ہو۔ جو اپنی عقل اپنی مرضی اور منشا سے خُدا کی اطاعت کرتا ہو۔ ایسا انسان صحیح معنوں میں انسان یا دوسرے لفظوں میں اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار ہے۔ گویا اشرف المخلوقات کی یہ صفت ہے کہ وُہ اللہ کی بخشی ہوئی عقل و دانش کو حق کی تلاش میں صرف کرتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام خُدا کی طرف سے مخلوق کے لئے حق کے نمائندے ہوتے ہیں۔ اب جب انسان کو حق تلاش کرنا ہو وُہ نبیؐ کی ذات اور نبیؐ کی عادات سے اخذ کر سکتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے عام انسان تو حق کی خاطر نبوت کے دروازے پر آتا ہے۔ اور نبی خود حق کہاں سے اور کیسے حاصل کرتا ہے؟

فکرِ ابراہیم علیہ السلام

بعض اوقات نبی اس دُنیا میں آکر دُنیا کو دیکھتا ہے۔ اس پر سوچتا اور غور کرتا ہے اِس مخلوق کے خالق کو پانے کی تگ و دو کرتا ہے۔ اور اس طرح اللہ سے اپنا ظاہری اور باطنی تعلق مضبوط کر لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ اس دُنیا میں آنکھ کھولی، دیکھا۔ کوئی بتوں کی پوجا کر رہا ہے، کوئی سانپ کے آگے جُھکا ہوُا ہے۔ کوئی آگ کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھا ہے۔ کوئی اپنی خواہشات

کو خُدا بنائے ہوئے ہے۔ کسی نے بارش کو خدا بنالیا ہے۔ کسی نے کھیتی اور درختوں کو خدا بنالیا ہے۔ کسی نے اپنے اسلاف کو خُدا بنالیا ہے اور کوئی زیادہ ہی سرپھرا ہے تو اس نے اپنے آپ کو خُدا بنالیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ خُدا کی ذات وہ ہوسکتی ہے جو سب سے زیادہ طاقتور ہو، جو سب پر غالب ہو اور کوئی اُس پر غالب نہ ہوسکے، جو سب کو مٹاسکے؟ اُسے کوئی نہ مٹاسکے، سب اُس کے محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔

خدا کی تلاش یہ سوچا اور خُدا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ دریا کے کنارے پہنچے۔ دیکھا کہ پانی کی موجیں پورے جوبن پر ہیں۔ دریا کی روانگی کا زور اپنی طاقت کے کرشمے دکھا رہا ہے۔ سوچا شاید یہ پانی بہت ہی طاقت ور چیز ہے جو کچھ اس دریا کے سامنے آئیگا بہہ جائیگا اور پھر یہ پانی ہماری زندگی کے لئے بھی تو نہایت ضروری ہے۔ ہر مخلوق اِسی کے سہارے زندہ ہے۔ فصلیں اور کھیتیاں اسی کے دم سے سرسبز و شاداب نظر آتی ہیں۔ سوچا کہیں یہ دریا خُدا نہ ہو، لیکن فوراً خیال آیا کہ یہ دریا سوکھ بھی جاتا ہے، سورج کی کرنیں اس کے پانی کو اُڑا لے جاتی ہیں اور یہ دریا ان معمولی کرنوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر بارشیں نہ ہوں، پہاڑوں سے برف پگھل کر ریلے کی صورت میں میدان میں نہ آئے تو اس دریا کا وجود تک نہ ہو۔ خیال آیا کہ جو اپنے وجود کے لئے بھی محتاج ہے، وُہ خُدا کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اوپر آسمان پر دیکھا۔ سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ سوچا یہ سورج اپنی کرنوں سے دریاؤں اور سمندروں کے پانی تک کو اُڑا سکتا ہے۔ اس کی حدت سے فصلیں اور پھل پکتے ہیں۔ اس سے لوگ روشنی اور دھوپ حاصل کرتے ہیں۔ یہ روشنی کا زبردست منبع ہے، کہ دیکھیں تو آنکھیں تاب نہ لاسکیں۔ خیال آیا کہیں یہ سورج خُدا نہ ہو؟ لیکن جب رات ہوئی سورج ڈوبنے لگا، سوچا یہ کیسا خُدا ہے جو خُود ڈوب رہا ہے۔ اِس اندھیرے میں کس کی حکمرانی ہے؟ چاند اور ستارے روشنی سے اپنا رنگ جمائے ہوئے ہیں۔ یہ چاند

پھلوں میں رس بھرتا ہے، ستارے ٹمٹماتے ہیں تو لوگوں کے دلوں میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ خیال آیا کہیں یہ چاند اور ستارے خُدا نہ ہوں؟ صبح ہونے کو آئی تو چاند اور ستارے غائب ہونے لگے۔ صبح کا اجالا غالب آنے لگا۔ فوراً خیال آیا، غائب ہونے والا کبھی خُدا نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس آنے لگے۔ راستے میں کہیں آگ جل رہی تھی۔ دیکھا۔ آگ کی تپش بہت ہی زبردست ہے۔ جو شے اس کے قریب آئے یہ جلا کر راکھ کر ڈالے جوش اور غضب میں آئے تو سب کو جلا دے۔ اور لوگ اس آگ سے فائدہ بھی تو حاصل کرتے ہیں۔ اِسی سے کھانا پکاتے ہیں۔ سردیوں میں اسی سے جان بچاتے ہیں۔ اور یہ آگ سردی ہو یا گرمی، ہر موسم میں ہر جگہ موجود ہوسکتی ہے۔ ابھی یہ خیال کر ہی رہے تھے کہ کہیں یہ خُدا نہ ہو، کہ بارانِ رحمت کے چند چھینٹے برسے، پانی کا گرنا تھا کہ آگ بُجھ گئی، فوراً سمجھ گئے کہ یہ آگ ہرگز خُدا نہیں ہوسکتی، کیونکہ خُدا وہ ہوگا جو ہر چیز کو ختم کرسکے لیکن اُسے کوئی چیز ختم نہ کرسکے۔ وُہ ہر چیز پر قادر ہو، لیکن اس کی مرضی اور منشا کے سامنے کسی کا زور نہ چلے۔ سوچا خُدا وہی ہوسکتا ہے کہ ہر چیز اس کی نیاز مند ہو لیکن وُہ خود بے نیاز ہو، وہ ہر ایک کو دیتا ہو لیکن کسی سے کچھ لیتا نہ ہو۔ وہ کسی کے حُکم کا پابند نہ ہو، لیکن ہر ایک پر اُس کا حکم چلتا ہو۔

منزل: اِس سوچ اور فکر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں تک پہنچا دیا، جہاں اُن کی منزل تھی۔ اِس کوشش نے انہیں اُس سے ملا دیا جس سے ملنے کی انہیں خواہش تھی۔ اس تفکر نے انہیں وہ کچھ سمجھا دیا جو کچھ آج ساری دُنیا کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اچھی طرح سمجھ گئے کہ اِس سورج کے طلوع و غروب کرنے والی ہستی ہی میری پروردگار ہے۔ اِس چاند اور ستاروں کے نظام کو چلانے والا ہی میرا خالق ہے۔ اِس آگ میں جلانے اور بُجھ جانے کی تاثیر رکھنے والا ہی میرا مالک ہے۔ فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

گردن آسمان کی طرف اُٹھائی اَور پکار کر کہا اے میرے پروردگار! اے ربِ لم یزل، اے ساری کائنات کے خالق و مالک! تو ہی میرا خُدا ہے۔ مَیں نے تجھے پہچان لیا۔ آواز آئی "اے ابراہیم (علیہ السلام) تو نے اگر مجھے پہچان لیا تو مَیں نے بھی تجھے نبوّت کے لئے منتخب کرلیا۔ جو ہمیں بُلاتا ہے ہم بھی اُسے جواب دیتے ہیں۔ جو ہمیں پُکارتا ہے، ہم بھی اسی کو بلواتے ہیں۔ جو ہمیں یاد کرتا ہے ہم بھی اُسے یاد کرتے ہیں۔ جو ہماری جستجو کرتا ہے، ہم بھی اُسی سے گفتگو کرتے ہیں۔

حُکمِ خداوندی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوّت مِل گئی، حُکم ہوا۔ اے ابراہیم (علیہ السلام) جس خُدا کو تم نے پہچانا ہے اُسی رب کی توحید کے ڈنکے دُنیا میں بجاؤ۔ اُسی کی وحدانیت کو دُنیا سے تسلیم کراؤ۔ اُسی کی عبادت و فرمانبرداری کا حُکم سناؤ، لوگوں کو اُسی رب کی بات سناؤ، اُسی کا پیغام پہنچاؤ، اُسی کا نام بتاؤ، اُسی کی توحید کے جام پلاؤ، سب کو اُسی کا غلام بناؤ۔

اندھیری دُنیا

اُس وقت پوری دُنیا میں اندھیرا تھا۔ ہر طرف بُت پرستی نے لوگوں کو اپنا پرستار بنا رکھا تھا۔ لوگ بتوں کے آگے سجدے کرتے، انہیں کے آگے سیس نواتے، انہیں اپنا ملجا و ماویٰ سمجھتے، انہیں سے رزق مانگتے۔ انہیں کے آگے قربانیاں کرتے، انہیں کے نام پر اپنے نام رکھتے، انہیں کا طواف، انہیں کا حج، انہیں کے سجدے۔ انہیں کی تعظیم، انہیں کی عزّت، انہیں کی تکریم اور انہیں کا تقدس کرتے۔ کوئی منچلے اگر زیادہ ہی آتش بندی دکھاتے تو آگ، دریا، سورج، سمندر اور سانپ بچھو وغیرہ کی پوجا پاٹ شروع کر دیتے۔ غرضیکہ ہر طرف ظلمت ہی ظلمت، تاریکی ہی تاریکی اور اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا پوری خُدا کی خُدائی میں خُدا کو ایک ماننے والا کوئی نہ تھا۔

پہلی آواز

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذمہ جو کام لگایا گیا تھا وُہ اُس کام کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے اپنے چچا آزر کو تبلیغ کی، کیونکہ آزر بُت بنا کر بیچتے اور اس طرح اپنا پیٹ پالتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا! اے چچا جان آپ ایسا کام کیوں کرتے ہیں جس سے خُدا ناراض ہو، آزر چونک اُٹھے، کون خُدا؟

"وہی خُدا جو ہم سب کے پالنے والا اور ہم سب کو رزق دینے والا ہے، جو ساری کائنات کا خالق ہے۔ جس کی چاند، ستارے، سورج، زمین اور آسمان سب اطاعت کرتے ہیں جو ہمیں زندگی اور موت دینے والا ہے، وہ خدا ایک ہے۔ اور اس کا کوئی شریک نہیں۔"

اے چچا جان!

"یہ بُت آخر ہمیں کیا فائدہ دے سکیں گے، جو اپنی پیدائش کے لئے ہماری کاریگری کے محتاج ہیں۔ جن کی اپنی کوئی مرضی اپنی خواہش اور اپنا کوئی اختیار نہیں۔ جن کی خوبصورتی ہماری مرہونِ منت ہے جن کی تراش خراش کے ہم خود مالک ہیں۔ ہم جس بُت کی چاہیں جیسے شکل بنا دیں یہ ہمیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

عزم بالجزم

آزر یہ ساری تقریر سُن کر بولے!

بیٹا! تمہیں بتوں کی مخالفت نہیں کرنی چاہیئے، جب کہ انہیں بتوں کی وجہ سے میرا کاروبار چلتا ہے۔ کی فروخت پر ہماری گزر اوقات ہوتی ہے۔ آزر یہ سوچ کر کہ کہیں بھتیجا ہاتھ سے نہ نکل جائے، کہنے لگے، بیٹا! اب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے بدن میں طاقت نہیں رہی۔ اَب تم جوان ہو گئے ہو۔ باپ کی مدد کیا کرو، کہا چچا جان، مَیں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟

کہا! مَیں اَب گھر میں بیٹھ کر بُت بناؤں گا تم بازار میں جا کر انہیں بیچ آنا حضرت

ابراہیم علیہ السلام تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے، سوچنے لگے کہ خدا کہتا ہے بُت شکنی کرو والد کہتا ہے بُت فروشی کرو۔ کیا کیا جائے؟ آخر ایک تدبیر سوجھی، سر اُٹھایا۔ کہا ابا جان! آپ مجھ سے بُت بکواتے ہیں۔ میں بھی ابراہیم (علیہ السلام) ہوں، اگر ان بتوں کو بیچتے بیچتے اِن بتوں کی خدائی کا بیڑا غرق نہ کر دوں تو ابراہیم نہ کہنا۔

شو روم

باپ نے سوچا، بیٹا جوان ہے، جوان جذباتی ہوتے ہیں۔ جذبات میں آکر ابراہیم سب کچھ کہہ گیا۔ چلو! اچھا ہے۔ بُت بیچنے سے انکار تو نہیں کیا۔ یہ سوچ کر آزر نے دوسرے دن کچھ خوبصورت بُت ایک چمڑے کے تھیلے میں ڈال کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے دیئے کہ جاؤ بیٹا انہیں فروخت کر آؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے مُسکرائے، پھر بتوں کا تھیلا اُٹھا کر بازار کی طرف چل دیئے۔ چلتے چلتے بازار کے بڑے چوک میں آئے۔ یہاں ہر طرف دکانیں ہی دکانیں ہیں۔ شہر کے مختلف علاقوں سے لوگ یہاں آکر لین دین کرتے تھے، دُکانوں میں مال بھرا ہوا ہے۔ لوگوں کی جیبوں میں اس وقت کے سکے اور اشرفیاں ہیں۔ لوگ دُکانوں میں جا جا کر چیزیں دیکھ رہے ہیں، کچھ لوگ چوک میں کھڑے ہو کر بیچنے والوں کے گرد کھڑے ہیں۔ کسی جگہ سنیاسی اپنے گرد ہجوم اکٹھا کئے ہوئے ہے۔ عین اس چوک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُکان سجائی۔ اپنے سامنے دائیں بائیں دو لکڑیاں کھڑی کر دیں۔ ان لکڑیوں کے ساتھ ایک دھاگہ باندھ دیا۔ اِس دھاگے کے پیچھے خود کھڑے ہو گئے تھیلا اپنے پاؤں کے ساتھ رکھ دیا۔

بازار میں آوازہ لگا

اور لوگوں کو بلانا شروع کیا، لوگو! آؤ میری طرف۔ میں ایسی چیز بیچتا ہوں جو تم نے کبھی نہ سُنی ہوگی۔ بیوپار پُرانا ہے، بیوپاری نیا ہے۔ شے پُرانی ہے بات نئی ہے۔ مال پُرانا ہے، مثال نئی ہے قیمت پُرانی ہے مال نیا ہے مال پُرانا ہے، مال نیا ہے۔

لوگو! آؤ جسے کامیابی و کامرانی چاہیئے، میرے پاس آئے۔ جسے فلاح و رضا چاہیئے میرے پاس آئے۔ میرے پاس وہ چیز ہے جو کسی کے پاس نہیں۔ آج میں وہ چیز بیچنے آیا ہوں جو ہر کوئی نہیں بیچا کرتا۔ اور میری چیز وہ خریدے گا جو ہر چیز نہیں خریدا کرتا۔ میں وہ بات بتاؤنگا جو کسی نے نہیں بتائی۔ میں کمائی کا وہ راز بتاؤں گا جو تمہیں پورے بازار میں کوئی نہیں بتا سکے گا۔ میں وہ راز بتاؤں گا جو تمہیں کوئی سنیاسی، کوئی جادوگر، کوئی حاکم، اور کوئی نجومی نہ بتائے گا۔ لوگ دھڑا دھڑ اکٹھے ہونا شروع ہو گئے۔ پورے بازار میں تہلکا مچ گیا، کہ آج اس بازار میں ایک نیا بیوپاری اور نیا شخص آیا ہے۔ خبر نہیں کیا چیز بیچنا چاہتا ہے۔ سب لوگ اکٹھے ہیں۔ دکانوں میں موجود لوگوں نے چوک میں دیکھا کہ بہت سے آدمی ایک شخص کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ سب بھاگے آئے۔ تمام بازار کے لوگ ارد گرد کھڑے ہیں۔ کچھ لوگ آگے بیٹھ گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے۔

لوگو! میری طرف دیکھو!

"میں جو چیز بیچنا چاہتا ہوں۔ پہلے اس کی تعریف سنو، پسند آئے خرید کر لے جاؤ، پسند نہ آئے، واپس چلے جاؤ۔

لوگو! اور تاجروں کا سودا نہ بکے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں اور چیز بک جائے تو خوش ہو جاتے ہیں۔ میرے پاس ایسی چیز ہے جو اگر تم خرید کر لے جاؤ گے، تو مجھے تمہارے حال پر ہنسی آئے گی، اور اگر نہیں خریدو گے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

لوگو! تم بہت زیادہ تعداد میں میرے گرد جمع ہو چکے ہو۔ میں تمہارا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ کہ وقت مقرر ہے، عمر تھوڑی ہے۔ اگر اس عمر کو ضائع کیا، تو پچھتاؤ گے۔ اگر اس عمر کو لہو و لعب میں گزارا تو آخر کار شرماؤ گے اگر اس عمر

میں میری باتیں سنیں تو فلاح پاؤ گے ۔ اگر میری باتوں پر عمل کر لیا تو نجات پاؤ گے ۔

لوگو ! تمہیں اکٹھا کرنے کا میرا ایک مقصد ہے ۔ مقصد وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو مقصد وُہ ہے جو میں سمجھ رہا ہوں ۔ تم بے شک میرے مجمع میں خالی جیب کھڑے رہو ۔ میرے پاس جو چیز ہے اُسے وہ بھی خرید سکتا ہے جس کی جیب میں پیسہ ہے اور وہ بھی خرید سکتا ہے جس کی جیب میں پیسہ نہیں ۔ اس لئے تم بے دھڑک کھڑے رہو ، جب تک میری بات ختم نہ ہو جائے ۔ مَیں آج وُہ بات کروں گا جس سے ساری بات بن جائے گی ۔ مَیں آج وہ راز بتاؤں گا کہ جس راز کے بعد کوئی راز ، راز نہیں رہیگا ۔ میں آج وہ بھید بتاؤں گا جس سے سارے بھید کُھل جائیں گے ۔ مَیں آج وُہ نسخہ بتاؤں گا جس سے سب شفا پائیں گے ۔"

تھیلا کُھلتا ہے

: لوگو !

"میرے اِس تھیلے کو دیکھو ، غور سے دیکھو ۔ اس میں کوئی جِن نہیں ، کوئی بھُوت ، نہیں ، پری نہیں ، جادو نہیں ، کرتب نہیں ۔ اس تھیلے میں . . . .
اِس میں تمہارے . . . . اِس میں تمہارے خدا ہیں ۔ مختلف خدا ، جُدا جُدا خُدا ۔ الگ الگ خُدا ، ہر شعبے کا خُدا ، ہر محکمے کا خُدا ، ہر بات کا خُدا ۔ لیکن یہ سب تمہارے خُدا ہیں ۔ میرا ان میں کوئی خُدا نہیں ۔ میرا خُدا وہ ہے ، جو تمہارے خداؤں کا بھی خُدا ہے ۔"

لوگو ! تمہیں قسم ہے میری بات ختم ہونے سے پہلے مَت جانا ، کہ میری آواز میں میری بات ہے ۔ لیکن میری بات میں میرے خُدا کی بات ہے ۔"

لوگو ! میں زیادہ دیر تک تمہیں انتظار نہیں کراؤں گا ، یہ لو میں تھیلا کھولنے

لگا ہوں ۔ خریدار ہوشیار ہو جائیں ۔ آج یا آر ہو جائیں یا پار ہو جائیں ۔

سزائے موت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تھیلے میں سے ایک بُت نکالا اور پھر اس کا تعارف شروع ہُوا ۔

لوگو ! یہ بُت ہے ، اِسے تم میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو ۔ یہ بت بڑا اُداس ہے ، بڑا غمگین ہے ، بڑا رنجیدہ ہے ۔ بڑی مشکل میں ہے ، بڑی قید میں ہے ، تم اس پر احسان کرو ، اسے خرید لو ۔"

لوگو ! ہنسو نہیں ، یہ ہنسنے کا مقام نہیں ، یہ رونے کا مقام ہے ۔ تمہیں معلوم ہے یہ تمہارا خُدا ہے ۔ یہ کوئی معمولی خُدا نہیں ۔ یہ بیٹا دینے والا خُدا ہے ۔ لیکن یہ تمہارے نزدیک بیٹا دے گا ۔ میرے لئے یہ کچھ نہیں ۔ بیٹے اور بیٹیاں دینے والا میرا اللہ ہے ۔"

لوگو ! تم اِس کو خرید کر لے جاؤ ۔ مجھے میرے خُدا پر بھروسہ ہے وہ خُدا جو وحدہٗ لاشریک ہے ۔ جو سب کو سب کچھ دیتا ہے ، لیکن کسی سے کچھ نہیں لیتا ۔
لوگو ! اس بُت کو تم یہ سمجھ کر لے جاؤ گے کہ یہ تمہیں بیٹا دے گا ، لیکن نہیں ہرگز نہیں ، انشاءاللہ جو بھی اسے خرید کر لے جائے گا ۔ اُس کے ہاں بیٹا نہیں بیٹی پیدا ہو گی ۔ تب اُسے غصہ آئیگا اور وہ اس نام نہاد خُدا کو زمین پر پٹخ دے گا ۔ پھر اُس گھر میں نہ بیٹا ہو گا ، نہ بیٹے کا یہ خدا ہو گا ۔"

لوگو ! بتاؤ کون اِس کو خریدنا چاہتا ہے ؟ سب خاموش ہیں ۔ بھلا ایسے خُدا کو کون خریدے ، جو فائدے کی جگہ اُلٹا نقصان دے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس بُت کے گلے میں رسّی ڈال دی اور اسے اپنے سامنے والے دھاگے کے ساتھ لٹکا کے باندھ دیا ۔ بالکل اِس طرح جیسے اِس بُت نے بڑا جُرم کیا ہو ،

اور اس کی پاداش میں اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہو۔

کہاں بھاگو گے؟

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تھیلے سے ایک اور بُت نکالا یہ بُت جسامت میں بہت چھوٹا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سب کو دکھایا اور پھر اس کی یہ تعریف ہونے لگی۔

"لوگو! اسے دیکھو، یہ چھوٹا سا بُت ہے۔ یہ بھی تمہارا خدا ہے۔ اسے غور سے دیکھو۔ اسے ضرور دیکھو، کیوں کہ تم اس کو دیکھ سکتے ہو لیکن یہ ایسا اندھا ہے کہ تمہیں نہیں دیکھ سکتا۔ تمہارا حال اسے پتہ نہیں، تمہاری مشکلات یہ جان سکتا نہیں۔ لیکن پھر بھی تمہارا خدا ہے۔ اسے دیکھو! یہ اگرچہ جسامت میں چھوٹا ہے لیکن کثافت میں موٹا ہے۔ یہ تمہارے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بارش کا خدا ہے، اسے تم عملِ کائنات کا بادشاہ سمجھتے ہو لیکن اس کی بادشاہی کا یہ حال ہے کہ اگر اسے ایک پاؤ بھر پانی میں ڈال دیا جائے تو یہ بارش کا خدا اسی چلّو بھر پانی میں ڈوب مرے گا۔ تمہیں پھر اس نام نہاد خدا کی لاش بھی نہ ملے گی۔ یہ اسی پانی میں گھل گھل کر ختم ہو جائے گا۔

لوگو! بتاؤ اب کون ہے جو اسے خریدنا چاہتا ہے؟"

کوئی ایک آدمی بھی اس بُت کو خریدنے پر آمادہ نظر نہیں آتا بلکہ سب لوگ کھڑے یہ سوچ رہے ہیں کہ بھلا جو خدا خود پانی کی دستبرد سے محفوظ نہیں وہ دوسروں کو پانی سے کیسے سیراب کریگا؟ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی اُن لوگوں کے دماغ میں آنے لگی کہ بارش کے سارے انتظام پر جس طاقت کا کنٹرول ہے، وہی طاقت ہی خدا ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بُت کی ٹانگ میں دھاگہ ڈال کر سامنے والی رسی پر الٹا لٹکا دیا کہ جیسے یہ بُت کوئی شرارت کر کے بھاگ رہا تھا کہ اسے ٹانگ سے پکڑ کر باندھ دیا۔

کچومر نکل گیا

اسکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور بُت لوگوں کو دکھایا اور کہا۔ لوگو! سنو

"تم بارش کا خدا اگر نہیں خریدنا چاہتے تو نہ خریدو۔ میں ایک اور بُت تمہیں دکھاتا ہوں۔ تم سے اُمید ہے اسے ضرور پسند کرو گے۔ دیکھو! میرے ہاتھ میں یہ بُت ہے۔ اسے میرے چچا نے خاص تمہارے لئے بنایا ہے۔ اسے میرے چچا نے بڑے ڈھنگ سے بنایا ہے۔ اس میں خوبصورت رنگ بھرے ہیں۔ اس کی ناک پر بڑی محنت کی ہے۔ خوبصورتی میں اس بُت کا جواب نہیں۔ یہ ایسا لاجواب خدا ہے کہ ان شاء اللہ قیامت تک تمہیں جواب نہیں دے گا۔ سُنا ہے یہ بیماری کا خدا ہے۔ لیکن لوگو! یاد رکھو! وبا اور شفا دونوں میرے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جسے چاہے شفا دے، جسے چاہے آزمائش میں رکھے۔ یہ میرے ہاتھ میں مُردہ بُت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا، کوئی صحت نہیں دے سکتا، کوئی شفا نہیں دے سکتا۔ لیکن میرے چچا نے اس کا نام بیماری کا خدا رکھا ہوا ہے۔ لوگو! جس گھر میں بیمار ہو اسے خرید کر لے جائے، ان شاء اللہ جو اس بُت کو اپنے گھر لے جائے گا۔ اس کے گھر میں پڑا ہوا بیمار مر جائے گا، پھر اس بُت کے خریدار کو ہوش آئے گی، وہ اس بُت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر پھینک دے گا۔ اس طرح اُس گھر میں نہ بیمار رہے گا اور نہ یہ بیماری کا خدا رہے گا۔ لوگو خرید لو۔ کون اسے خریدنا چاہتا ہے"؟

تمام کے تمام خاموشی سے اس تقریر کو سُن رہے ہیں اور محظوظ ہو رہے ہیں۔ وہ تقدس اور احترام جو ان بتوں کے لئے اُن لوگوں کے دلوں میں موجود تھا، سب نکل رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقریر جاری ہے۔ کہا کہ لوگو!

"تم اِس بُت کے خلاف سوچ رہے ہو، کہ یہ تمہارے بیماروں کو مار ڈالے گا نہیں، یہ نہیں مار سکتا۔ پہلے اس کے کہ یہ کسی کو مارے، میں خُود اس کا کچومر نکال دیتا ہوں"

یہ کہہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس بُت کو مروڑا اور پھر دھاگہ باندھ کر اسے بھی دوسرے بتوں کے ساتھ اُلٹا لٹکا دیا۔ اور کہا!

"لوگو! تم نے اِن سب خداؤں کو رد کر دیا ہے۔ شاید تم اس لئے انہیں نہیں چاہتے کہ یہ خُدا تمہیں رزق نہیں دیتے۔ آؤ! میرے چچا نے ایک اور خُدا اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ یہ صرف اس لئے بنایا گیا ہے کہ تمہیں رزق دے۔ لیکن یہ تمہیں بالکل رزق نہیں دے سکتا۔ یہ تو خُود رزق کا محتاج ہے۔ تم اگر اسے خریدو گے تو یہ خُدائی کا اہل بنے گا ورنہ نہیں۔ لوگو! سوچو، یہ بُت میرے پاس ہے لیکن مجھے رزق نہیں دے سکتا، پھر یہ تمہیں کیسے رزق دے گا؟"

لوگو! "تم میں سے جو اِسے خریدنا چاہے بے شک خرید لے، جو بھی اس بُت کو خرید کر گھر لے جائے گا، وہ گھر میں اسے سجا کر رکھے گا۔ اسے سونے چاندی کے کپڑے پہنائے گا۔ اِس طرح یہ بُت تم سے سب کچھ لے کر بھی تمہیں کچھ نہیں دے گا۔"

اصل راز اَور لوگو! خوب غور سے سُن لو! کہ میرا اللہ ساری کائنات کو سب کچھ دیتا ہے لیکن کسی سے کچھ نہیں لیتا، وہ سب کا رازق ہے، سب کا مالک ہے۔ سب کا خالق ہے، سب کا رب ہے۔ وہی سب کو پالتا ہے۔ اُس کی مرضی کے خلاف کائنات میں کوئی پتا تک نہیں ہل سکتا۔ اُس نے ہمیں انسان بنایا۔ اُس نے ہمیں اشرف المخلوقات اسی لئے کہا کہ ہم انسان بن کر رہیں۔ عقل سے کام لیں۔ دیکھا دیکھی میں بتوں کی پوجا پاٹ نہ کریں۔ بلکہ ایک خُدا کی اطاعت

کریں۔ لوگو! یہی ہدایت ہے، یہی بات اصل بات ہے۔ یہی راز اصل راز ہے۔ یہی بھید اصل بھید ہے۔ اِسی بات میں تم سب کی نجات ہے۔"

آئینہ میرے محترم سامعین!

یہ تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ۔ آپ خود اندازہ کریں۔ کفر کی بستی میں جہاں خُدا کا نام لیوا کوئی نہ تھا۔ جہاں بتوں کی حکمرانی تھی۔ جہاں شرک چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ جہاں ایک خُدا کی بات کرنا محال تھا۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب کا پیغام کس طرح پہنچایا! بات کرنے کے لئے ماحول کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کفر کے گڑھ میں وحدانیت کی تبلیغ کا اِس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی لئے تبلیغ کا یہ طریقہ اپنایا۔

کیوں بھئی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ٹھیک کیا یا غلط؟ (آوازیں ٹھیک ٹھیک) ٹھیک بالکل ٹھیک۔ آپ ٹھیک ہی کہیں گے، کیونکہ آپ لوگوں کا مزاج بھی اُن لوگوں سے کچھ کم نہیں۔ آپ بھی اُن لوگوں سے کوئی کم ضدی نہیں۔ آپ کی تماش بینی بھی کچھ کم نہیں۔ آپ دیکھتے نہیں! آپ ہی میں سے کچھ لوگ ہیں، بلکہ بہت سے لوگ ہیں۔ آپ کی اِس تعداد سے بھی زیادہ لوگ ہیں جو دھکے کھا کر ٹکٹوں کے پیسے لگا کر سینماؤں کے ہاؤس فُل کرتے ہیں، لیکن دین کے جلسے میں کبھی ہول دریاں اکثر مسلمانوں کا منہ تکتی رہتی ہیں۔ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں آپ میں سے کتنے لوگ ہیں جو عقیدت سے خُدا اور رسولؐ کی پیروی اور اطاعت کرنے کے لئے خُدا کا کلام اور رسولؐ کی حدیث سننے کے لئے آتے ہیں اور کتنے ہیں جو صرف جلسے کی رونق دیکھنے کے لئے آئے ہیں۔ مَیں نے تو جہاں دیکھا ہے یہی دیکھا ہے کہ اگر بات بنا کر بات کریں تو بات سُنی جاتی ہے۔ اگر بات سجا کر بات کریں تو بات پر توجہ دی جاتی ہے اگر بات ٹکا کر بات کریں تو بات اثر کرتی ہے لیکن اگر بات کو صرف بات کے انداز میں کریں تو کوئی بات بھی بات بنتی نہیں۔ مَیں اچھی طرح

سے جانتا ہوں، یہاں میں اگر گلچھرّے اڑاتا رہوں، نرم گرم باتیں کرتا رہوں، اِدھر اُدھر کی گپیں ہانکتا رہوں، چٹکلے سُناتا رہوں، آپ لوگ خوشی خوشی مطمئن ہو کر بیٹھے رہیں گے۔ لیکن اگر میں صرف قرآن اور اس کا آسان ترجمہ صرف حدیث اور اُس کا سیدھا سادھا ترجمہ بیان کرنا شروع کر دوں تو اِس اسٹیج پر آپ لوگ مجھے اس طرح تنہا چھوڑ جائیں گے، جس طرح کربلا میں کوفی حسین (رضی اللہ عنہ) کو چھوڑ گئے تھے۔

سنّتِ ابراہیمیؑ

لیکن میں آپ کو نہیں جانے دوں گا، کیوں کہ ہم نے جو کچھ سیکھا ہے وہ یہی ہے کہ نہ سننے والوں کو سنواؤ۔ دُور جانے والوں کے قریب جاؤ، نفرت کرنے والوں سے محبت کرو۔ گالی دینے والوں کو دعائیں دو۔ زیادتی کرنے والوں سے گلے ملو۔ نہ سمجھنے والوں کو بار بار سمجھاؤ، سمجھانے کے طریقے بدل بدل کر سمجھاؤ۔ تقریر سے سمجھاؤ، تحریر سے سمجھاؤ، تدبیر سے سمجھاؤ، ہر ایک کو اس کی سمجھ کے مطابق سمجھاؤ۔ کوئی جیسے سمجھے ویسے سمجھاؤ۔ کوئی سمجھے، تب بھی سمجھاؤ، کوئی نہ سمجھے، تب بھی سمجھاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی اصول اپنایا۔ نہ سمجھنے والوں کو ایسا سمجھایا کہ اُن کی سمجھ خُود انہیں ملامت کرنے لگی۔

گھر سے نکل کر

حضرت ابراہیم علیہ السلام روزانہ اِسی طرح سے بازار کے مختلف حصّوں میں اپنی دُکان سجاتے اور بتوں کی موجودگی میں توحید کا سودا لُٹاتے۔ اِدھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا حیران ہیں کہ کئی دنوں سے میرا بھتیجا روزانہ باقاعدگی سے صبح سے شام تک بازاروں میں گھومتا ہے۔ لیکن کوئی ایک بُت بھی فروخت نہیں ہوتا۔ اِدھر پورے شہر میں اک غوغا مچ گیا۔ ایک غلغلہ برپا ہو گیا۔ ہر طرف حضرت ابراہیمؑ کے تذکرے ہونے لگے۔ بات چلتے چلتے آزر تک جا پہنچی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلایا۔ کہا بیٹا جس طرح سے تم تجارت کر رہے ہو اس طرح سے تو تم ساری عمر میں ایک پیسے کی بھی سیل نہ کر سکو گے، تمہیں چاہیئے تم ان بُتوں کو خُدا بنا کر ان کے ذریعہ لوگوں سے پیسے بٹورو۔ کہا،

چچا جان میں اِن بتوں کو خدا بنا کر اِن کے ذریعے پیسے بٹورنا نہیں چاہتا۔ میں اِن بتوں کو بُت بنا کر ان کی خدائی کا بھرم توڑنا چاہتا ہوں۔ کہا بیٹا اس طرح تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔ کہا ابا جان میں خُدا کو ایک مان کر بھوکا تو مر سکتا ہوں، لیکن ایک خُدا کا انکار کر کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ کہا اِس طرح تو بیٹا ہمارا تمہارا گزارہ مشکل ہے۔ کہا مشکل ہوتا رہے، میرا آخری فیصلہ یہی ہے۔ اس پر آزر کو غصّہ آیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیمؑ بغیر کسی خوف اور ہچکچاہٹ کے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ بھلا جس کے دِل میں خُدا گھر کر چکا ہو اُسے مٹی اور گارے کے گھر کی کیا فکر ہوگی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام باہر نکلے اور گلیوں اور کوچوں میں قصبوں اور محلّوں میں بستیوں اور دیہاتوں میں، بازاروں اور ویرانوں میں، کھیتوں اور صحراؤں میں، ہر شہر میں، ہر علاقے میں اور ہر جگہ خُدا کی توحید کے ڈنکے بجا دیئے۔ اس زمانے میں جب کہ ریڈیو، ٹی وی، پریس، لاؤڈ سپیکر، اخبار، رسالے، ڈاک، فون، تار، بس، ریل، کار، جہاز غرض کہ کوئی ذرائعِ ابلاغ کا تصور نہ تھا۔ اُس زمانے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خُدا کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔

نمرود کی بُت پرستی

جب یہ پیغام عام ہوا، جب خُدا کا نام زبان زدِ خاص و عام ہوا تو یہ بات وقت کے بادشاہ نمرود تک جا پہنچی۔ یہ نمرود زبردست بُت پرست تھا۔ اس نے عالیشان مندر بنا رکھا تھا جس میں قیمتی قیمتی بُت تھے۔ چھوٹے بڑے بے شمار بتوں نے مندر آباد کر رکھا تھا۔ مندر کے بالکل وسط میں ایک بڑا بُت تھا۔ باقی ارد گرد چھوٹے بُت تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ بڑا گرو ہے۔ اور چھوٹے بُت اس کے چیلے چانٹے ہیں۔ کوئی بُت پتھر سے بنا ہوا تھا، کوئی شیشے سے، کوئی چاندی سے، کوئی سونے سے۔ کسی بُت میں بیش قیمت موتی جڑے ہوئے تھے۔ کچھ ان میں مَرد بُت تھے، کچھ ان میں عورتیں بُت تھیں یعنی کچھ ان میں بُت تھے۔ کچھ انمیں مورتیاں

تھیں، لیکن ان میں سے کچھ بتوں نے زنانہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ کچھ مورتیوں نے مردانہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ شاید جدید فیشن تھا۔ یہ بُت خانہ نمرود کے دارالخلافہ میں بنایا گیا تھا۔ شہزادے، وزیر، سفیر اور مشیر سب یہاں آکر اِن بتوں کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔ شہر کے دوسرے لوگوں کو بھی اس میں آنے کی اجازت تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں آئے۔ لوگوں کو اِن بتوں کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ توحیدِ خداوندی سے روشناس کرایا۔ لیکن یہ لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ انہیں سمجھانے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جاتا؟ ایک تو مندر کا جاہ و جلال سامنے، دوسرے بادشاہ کا اپنا شہر۔ لوگوں کا بادشاہ کے رعب سے نکلنا محال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بغیر سمجھائے واپس جانا محال۔ سوچا نمرود کے پاس جاکر اُسے تبلیغ کی جائے۔ شاید اُس کی سمجھ میں بات آجائے۔ جب وُہ مان جائیگا تو باقی وزیر سفیر اور رعایا سب مان جائیں گے۔ لیکن بادشاہ بادشاہ ہوتا ہے۔ اور بادشاہوں کے درباروں میں درویشوں کی رسائی مشکل ہوا کرتی ہے۔ اگر بادشاہی کے شاہی آداب نرالے ہُوا کرتے ہیں تو درویشوں کے انداز بھی نرالے ہُوا کرتے ہیں۔

میلہ ادھر ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے دربار میں جانے کا سوچا اُدھر رب نے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی متعین کردیا۔ اُن دنوں وہاں شہر سے باہر کھلے میدانوں میں ایک بہت بڑا میلہ لگا کرتا تھا۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ شہر کا ہر چھوٹا بڑا شخص اس میلے میں شریک ہوکر میلے کی رونق کو دوبالا کرے۔ کیونکہ یہ بہت بڑا میلہ ہوا کرتا تھا۔ اس میں کُشتیاں، جانوروں کی لڑائیاں، جوئے، کھیل، تماشے، خرافات، لغویات، طوطیاں۔ بین۔ بینڈ۔ باجے، جو کچھ تمہارے ہاں ہوتا ہے، سب کچھ وہاں ہوتا تھا۔ سب لوگ وہاں چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کیا کریں؟ کس سے بات کریں؟ کس کو سمجھائیں؟ پورا شہر خالی ہے۔ سوچا ہم بھی میلے میں چلے جائیں، لیکن پھر خیال آیا کیا ضرورت ہے دُور جانے کی،

اِسی مندر اور بُت خانے میں جاکر میلہ کیوں نہ منالیں کہ تبلیغ کی تبلیغ ہو جائے، ثواب کا ثواب اور شغل کا شغل۔ کہیں سے ایک کلہاڑا اُٹھایا، سیدھے بُت خانے میں جا پہنچے۔ کسی بُت کے پاؤں پر کلہاڑا مارا کسی کے ٹخنے توڑے، کسی کی پنڈلی توڑی، کسی کے گھٹنے توڑے، کسی کی ٹانگیں توڑیں، کسی کا پیٹ پھاڑا کسی کا سینہ چاک کیا، کسی کی گردن مروڑی، کسی کے ہونٹ چیرے، کسی کے جبڑے توڑے، کسی کا سر پھوڑا۔ کسی کے کان کاٹے، کسی کی ناک کاٹی، اس طرح تمام چھوٹے بتوں کی توڑ پھوڑ کرنے کے بعد کلہاڑا بڑے بُت کے کندھے پر رکھ دیا۔ بُت خانہ ایسا نظر آتا تھا جیسے اس بڑے خُدا کو چھوٹے خداؤں پر غصّہ آگیا تھا۔ اور اُس نے سب کو اس کلہاڑے سے قتل کر دیا تھا، شام کو تمام لوگ واپس آئے، جب بُت خانے میں قدم رکھا دیکھ کر ششدر رہ گئے، کہ صبح جن بتوں کو صحیح سلامت چھوڑ گئے تھے شام کو ان کی ایسی تیسی ہوئی پڑی ہے۔ صبح جب گئے تھے تو جن خداؤں کی قسمیں کھا گئے تھے شام کو آکر انہی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ تیار کرنا پڑی۔

دربارِ نمرود میں یہ خبر جب نمرود کے دربار میں پہنچی۔ پورا دربار جوش اور غیض و غضب سے بھڑک اُٹھا۔ تفتیش ہوئی، تحقیقات میں ثابت ہوگیا کہ سب لوگ میلے میں تھے، صرف ایک ابراہیمؑ وہاں نہ تھا۔ اور عادات و اطوار سے بھی تو حضرت ابراہیمؑ ان کے نزدیک مشکوک تھے۔ نمرود کا کوتوال آیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو ساتھ لے گیا۔

نمرود کا دربار شاہی تمکنت کے ساتھ لگا ہُوا تھا۔ دیواروں پر کمخواب کے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ پردوں پر مختلف تصویریں بنائی گئی تھیں۔ بہت بڑے ہال میں ریشمی چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ چھت پر عجیب و غریب قسم کی نقش کاری کی ہوئی تھی، جواہرات اور یاقوت سے بھری ہوئی تھالیاں بادشاہ کے تخت کے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔ پورا دربار وزیروں اور سفیروں سے بھرا ہُوا تھا۔ نمرود تاجِ شاہی سر پر رکھے، پہلو میں تکیے سے سہارا لئے بیٹھا تھا، حضرت ابراہیمؑ

کو دیکھ کر تکیہ چھوڑ دیا۔ ماتھے پر بل آئے۔ چہرہ لال سُرخ ہوگیا۔ بادشاہ کو غصّے میں آگ بگولہ ہوتے دیکھ کر تخت کے دونوں طرف کھڑے ہوئے جلّاد ہوشیار ہوگئے۔ زہر میں بجھی ہوئی تلواریں نیام سے باہر آگئیں، کہ ابھی قتل کا حکم صادر ہوگا۔ پورے دربار میں سنّاٹا چھا گیا۔ نمرود کوتوال سے پوچھنے لگا، کیا یہی ہے وہ شخص جس نے ہمارے خداؤں کی توہین کی ہے؟ کوتوال نے آدابِ شاہی کے تحت سر جُھکایا اور کہا "جناب کی شاہی سلامت رہے بالکل یہی ہے وُہ شخص جس نے آپ کے ہوتے ہوئے ایسا کرنے کی جرأت کی۔ نمرود حضرت ابراہیمؑ کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا، کیوں آخر تمہیں ایسا کرنے کی جرأت کیونکر ہوئی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام مُسکرائے، گویا نمرود کا تمام رعب اور دبدبہ اُن کے سامنے ہیچ ہے۔ اور کہا! اے نمرود تو اپنے اس بڑے بُت سے کیوں نہیں پوچھ لیتا، جس نے کلہاڑا ابھی اُٹھا رکھا ہے۔ کہا ہمارے بُت ہمیں جواب نہیں دیا کرتے۔

"تو پھر تم نے انہیں خُدا کیوں بنا رکھا ہے؟

"یہ ہمیں مختلف فائدے پہنچاتے ہیں۔

"کیا فائدے؟ کیا یہ کوئی حرکت کر سکتے ہیں۔ کسی بات کا جواب دے سکتے ہیں؟ بول سکتے ہیں! سُن سکتے ہیں؟

نہیں! یہ ہمارے خُدا ہیں، ہم ان کے خلاف کوئی بات سُننا نہیں چاہتے۔

"اے نمرود! تجھے خُدا نے بادشاہی بخشی ہے۔ کچھ عقل سے کام لے۔ بھلا جو بُت اپنے ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کو نہ اُڑا سکیں وُہ تمہیں کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ اور پھر تم اِن بتوں کو اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو اور خُود ان کی پوجا کرتے ہو۔"

"سب ٹھیک ہے، مگر تم بتاؤ تم نے ہمارے ان بتوں کو توڑا کیوں؟

تاریخی فقرہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ نمرود کسی طرح سے بھی عقل سے کام

لینے پر آمادہ نہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک تاریخی فقرہ کہا جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قرآن میں محفوظ رہے گا،

"اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ"

اے نمرود! اگر ایسا ہے تو تم پر بھی افسوس ہے اور ساتھ ان پر بھی جن کی تم عبادت کرتے ہو، انہیں اپنے ہاتھ سے بناتے ہو اور اپنے ہاتھ سے ان کے سامنے بندگی کے لئے ہاتھ باندھتے ہو، خود بناتے ہو، خود پوجتے ہو۔ خود بناتے ہو، خُود سجدے کرتے ہو۔ خود بناتے ہو خود چومتے ہو۔ خود بناتے ہو، خود سجاتے ہو۔ خود بناتے ہو، خود اُٹھاتے ہو۔ خود بناتے ہو، خود توڑتے ہو۔ خود بناتے ہو، خود جوڑتے ہو۔ خود بناتے ہو، خُود سمندر میں بہاتے ہو۔ خود بناتے ہو خود دفناتے ہو۔ خُود بناتے ہو اور خود اسے معبود سمجھتے ہو۔ "اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ" افسوس ہے تم پر اور ساتھ تمہاری اس عبادت پر۔

مسلمانو! خُود سوچو، جو بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آج سے پانچ ہزار برس پہلے کہی تھی میں آج وہی بات کہنے میں کہاں تک سچا ہوں۔ آج ہاتھ سے بنائی ہوئی چیز پر تو اعتماد ہے لیکن جس خُدا نے ہمیں بنایا ہے اس کی ذات پر اعتماد نہیں۔ اگر خُدا کے سوا اپنی بنائی ہوئی کسی چیز کی پوجا کو عبادت سمجھو گے، چاہے یہ چیز بُت کی شکل میں ہو، چاہے تصویر کی شکل میں ہو، چاہے چارپائی کی شکل میں ہو۔ چاہے مینارے کی شکل میں ہو، چاہے کشتی کی شکل میں، جس شکل میں بھی ہو، اپنی بنائی ہوئی چیز کی پوجا پاٹ اور چڑھا چاٹ کو عبادت کہو گے تو میرے ابراہیم علیہ السلام کے بقول "اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ"۔ پھر ہم تمہاری عقلوں پر سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔

اقراری مجرم حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی ہو کر دربارِ نمرود میں حق کی آواز بلند کر رہے ہیں حق والوں کے لئے حق کی بات کرنا اُس وقت بھی جُرم تھا اور حق کہنے

والوں کے لیے سچ کی بات کرنا آج بھی جرم ہے۔ پابندیاں ہیں، نظر بندیاں ہیں۔ زبان بندیاں ہیں۔ دفعے ہیں، رولز ہیں۔ سزائیں ہیں، دھمکیاں ہیں۔

لیکن میرے محترم سامعین!

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حق کہنے والے اپنی بات کہنے سے کبھی باز نہیں آتے، حق کہنے والوں کی جان تو چلی جایا کرتی ہے لیکن اُن کی حق کہنے کی عادت نہیں جایا کرتی ہے۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی ۔ حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نمرود زیادہ دیر تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ کو برداشت نہ کر سکا۔ بادشاہی نخوت اور غرور میں بھرپور دماغ نکتہ توحید کو سمجھنے کے باوجود بھی نہ سمجھ سکا۔ نمرود نے گرج کر پوچھا، کیا یہ بُت تم نے توڑے ہیں! اس گرج سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کیا اثر ہونا تھا؟ فوراً کہا! ہاں میں پیغمبر برحق ہوں۔ یہ بُت میں نے توڑے ہیں۔ پیغمبر کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتا۔"

نمرود نے اپنے مشاہیر سے اس اقراری مجرم کی سزا کے بارے میں مشورہ کیا۔ کسی نے کہا اسے سولی چڑھا دو، کسی نے کہا چوک میں سرِ عام قتل کر دو۔ کسی نے کہا ابھی جلاد کو کہو کہ سر قلم کر دے۔ ایک کمبخت بولا نہیں آگ میں جلاؤ۔ نمرود کو یہ مشورہ بہت پسند آیا۔ بہت بڑی آگ جلانے کا حکم دیا۔ ملک کے جنگل کٹوا کر ایک میدان میں اکٹھے کیے۔ چھوٹی بڑی سب لکڑیاں جمع کیں۔ انہیں آگ لگا کر ایک آگ کا بہت بڑا الاؤ تیار کیا۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ چنگاریاں اُچھل اُچھل کر اوپر تیرنے لگیں، انگارے دہکنے لگے۔ فضا آگ سے گرم ہو گئی۔ شہر کے تمام لوگ اس کو دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باندھ کر لایا گیا۔

کدھر جاتا ہے دِل؟ آگ سے دُور بادشاہی دربار کے سفیر بھی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کوتوال کو بُلایا کہ مجرم کو ان کے پاس لاؤ۔ سفیروں نے حضرت

ابراہیم علیہ السلام سے گفتگو کی۔ کہنے لگے اے ابراہیم (علیہ السلام) دیکھ تیرے لئے یہ آگ جلائی گئی۔ اس آگ کے بچنے سے تیرا بچنا اب مشکل ہے۔ ہاں ایک صُورت ہے کہ تو ہمارے بتوں کی تعریف کر۔ اپنے اس جُرم کی معافی مانگ، اگر تو ایسا کرلے گا تو ہم نمرود سے نہ صرف تجھے اس سزا سے چھڑا دیں گے بلکہ جس دانائی اور حکمت سے تو نے نمرود کے دربار میں گفتگو کی ہے۔ اُس کی بنا پر تجھے نمرود کے دربار میں سفیر بھی بنوا دیں گے۔ پھر اے ابراہیم (علیہ السلام) تو بھی ہماری طرح عیش کریگا۔ اسی طرح رعب و دبدبہ ہوگا۔ اسی طرح سے انعام و اکرام ملے گا۔ ہماری طرح سے ٹھاٹھ باٹھ ہوں گے۔ بہترین سے بہترین شراب ہوگی۔ عیش و عشرت کی ہر نعمت میسر ہوگی۔ اور اگر تو نے معافی نہ مانگی تو پھر تیرا اب وہی حشر ہوگا جو دیکھ رہا ہے

اِک طرفِ جام و سبو ہیں اِک طرف دار و رسن
ہے کڑا یہ امتحاں دیکھیں کدھر جاتا ہے دِل

بے خطر کود پڑا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سفیروں کی پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کوتوال کے ساتھ آگ کی طرف چل پڑے۔ سفیر بڑے حیران ہوئے، ان میں کچھ منہ میں انگلیاں دبائے بیٹھے تھے کہ یہ کیسا انسان ہے! جو اپنی موت سے بھی نہیں ڈرتا ہے

مصلحت اندیش دانش رہتی ہے حیرت زدہ
ہنستے ہنستے سیلِ آتش میں اُتر جاتا ہے دِل

نمرود کے کارندے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ کی طرف لے کر گئے۔ جب آگ کے قریب گئے تو آگ کی شدت اور غضب کی گرمی و حرارت سے خود جھلسنے لگے۔ اب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں کیسے پھینکیں؟ انہیں پھینکنے کے لئے آگ کے قریب جاتے ہیں۔ تو خود بھی ساتھ جلتے ہیں اب اُن لوگوں نے دو بڑی کھجوریں زمین میں ترچھی گاڑ دیں۔ ان لمبی کھجوروں کے ساتھ رسی

کی ایک چرخی لگائی ۔ اسی کے ساتھ ایک ہنگوڑا باندھ دیا کہ آہستہ آہستہ رسی کو کھینچتے جائیں گے ، چرخی چلتی جائے گی ۔ ہنگوڑے میں ابراہیم علیہ السلام ہوگا ۔ جب ابراہیمؑ اوپر پہنچے گا ۔ نیچے سے رسی کاٹ دیں گے ۔ نعوذ باللہ ، ابراہیم علیہ السلام آگ میں گر کر جل جائے گا یہ ہنگوڑا جب تیار ہوگیا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا ، اُس وقت حضرت کے قبیلے کے چند سردار آئے ۔ کہنے لگے ، اے ابراہیمؑ ! اَب بھی وقت ہے اگر معافی مانگ لو تو ہم تمہیں اس مصیبت سے بچالیں گے ۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِن کی بات کی کوئی پرواہ نہ کی ، اور مسکراتے ہوئے ہنگوڑے میں بیٹھ گئے ۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

سردارانِ قبیلہ چیخے ، ابراہیمؑ ! دیکھو ہوش کرو ۔ موت کے منہ میں جا رہے ہو ، عقل سے کام لو ؎

عقل بولی بڑی شے جان ہے

عشق بولا جان تو یار پہ قربان ہے

زمین جنبد نہ جنبد

لوگوں نے اَب رسّیاں کھینچنا شروع کیں ۔ مگر ہنگوڑا ہلنے کا نام نہیں لیتا ۔ انہوں نے سمجھا شاید ابراہیمؑ وزنی بہت ہیں اس لئے رسّیاں نہیں کھینچی جا رہیں ۔ اور آدمی آئے تاکہ زیادہ زور لگائیں ۔ ان آدمیوں میں حضرت ابراہیمؑ کے چچا آزر بھی تھے ۔ حضرت نے اپنے چچا کو دیکھا ۔ نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی ۔

" واہ اے میرے پروردگار تیرا نام لینا دُنیا میں کتنا مشکل ہوگیا ہے ۔ دُنیا کے چچا بھتیجوں سے پیار کرتے ہیں لیکن میرا چچا مجھے آگ میں ڈالنے کے لئے رسّی ہاتھ میں پکڑے کھڑا ہے ۔ رسّی کھینچنے والے برابر رسّی کو کھینچ رہے ہیں لیکن چرخی ہے کہ جیسے جام ہو رہی ہے ۔ سب نے مل کر زور لگایا لیکن زمین جنبد نہ جنبد گل محمد ۔ رسّی نے ہلنے کا نام نہ لیا ۔ سوچا شاید چرخی میں کوئی

خرابی ہے ۔ رسّیاں کھول کر پھر باندھیں ۔ چرخی کو پھر سے سیٹ کیا ۔ لیکن بے شمار آدمیوں کے کھینچنے پر بھی ہنگوڑا زمین سے نہ اٹھا ۔

شرم کی بات

شیطان سب کچھ دیکھ رہا تھا ۔ اس نے سوچا یہ تو سارا کھیل خراب ہو جائیگا شیطان اچھی طرح جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے نبیوں کی جان حرام کردی ہے ۔ زمین پر کوئی ایسا کام نہ ہوگا جس سے نبی کو تکلیف پہنچے ۔ یہ اور بات ہے کہ رب اگر آزمائش میں ڈالنا چاہے تو اپنے نبی سے بھی امتحان لے لے ۔ زمین نے حضرت ابراہیمؑ کے ہنگوڑے کو پکڑ لیا ۔ یہ دیکھ کر شیطان فوراً ایک بزرگ کی صورت بن کر آیا ۔ اور کہا لوگو ! یہ ابراہیمؑ نعوذ باللہ جادوگر ہے اس نے جادو کر رکھا ہے ۔ آؤ میں تمہیں اس جادو کا توڑ بتاؤں ۔ وہ لوگ گوش بر آواز ہوئے ۔ شیطان نے کہا ، اگر تم چالیس مرد اور چالیس عورتیں یہیں بدکاری کرو تو اس ابراہیمؑ کا جادو ٹوٹ سکتا ہے ۔ چنانچہ اُن لوگوں میں سے چالیس مرد اور چالیس عورتیں سب کے سامنے برہنہ ہوئے اور انہوں نے بر سرِ عام وہ کام کیا ، جسے مجھے بتاتے ہوئے اور تمہیں سنتے ہوئے شرم آئے گی ۔ جس زمین پر حرام کاری ہو ، حدیث میں ہے کہ اُس زمین کا ٹکڑا اجل جاتا ہے ۔ جب یہ فعل بد وہاں ہوا تو زمین کی وہ طنابیں جنہوں نے ابراہیمؑ کے ہنگوڑے کو پکڑ رکھا تھا جل گئیں ۔ زمین ابراہیم علیہ السلام کی حفاظت سے معذور ہوگئی ۔

شہ رگ سے قریب

اُن لوگوں نے رسّیاں کھینچنا شروع کیں ۔ ہنگوڑا زمین سے اُٹھا ۔ جوں جوں رسّیاں کھینچے گئے توں توں ہنگوڑا لمبی کھجوروں کے سہارے آگے آسمان کی طرف بڑھتا گیا ۔ ہنگوڑا آخری کنارے تک پہنچ گیا ۔ اب نیچے آگ تھی ۔ آسمان کا جبرائیل فرشتہ پیغمبر سے یہ سلوک دیکھ کر برداشت نہ کرسکا ۔ فوراً حاضرِ خدمت ہوا ۔ کہا اے اللہ کے خلیل اگر حکم ہو تو ابھی اپنے نورانی پروں سے اس آگ کو ان لوگوں کے گھروں میں بکھیر دوں ۔ " کہا ، نہیں ۔ کہا " حضرت آگ نزدیک ہے ۔" کہا

"دور نہیں رب نزدیک ہے"

مسلمانو! غور کرو، ابراہیمؑ بالکل آگ کے قریب پہنچ چکے ہیں، ساری دنیا آگ میں پھینکنے پر تلی کھڑی ہے۔ پنگوڑا آگ کے شعلوں کے ساتھ ہے۔ قریب ہے، کہ رسیاں کاٹ دی جائیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں گر پڑیں۔ جبرائیل علیہ السلام بچانے کے لئے حاضر خدمت ہے لیکن یہاں ابراہیم علیہ السلام کو نہ لوگوں کا خوف ہے نہ جبرائیل پر بھروسہ۔ پھر بھی کہہ رہے ہیں کہ میرا رب میرے نزدیک ہے۔ رب ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ یہی ایمان حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ ہمارے ایمان کا حال یہ ہے کہ ہمیں اگر کوئی گھونسہ دکھا کر کہے رب نزدیک ہے کہ گھونسہ؟ ہم کہیں گے گھونسہ۔ وہ ابراہیم علیہ السلام تھے کہ رب کی قربت کا اتنا یقین تھا، کہ آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں لیکن جبرائیلؑ کی مدد کو ٹھکرا رہے ہیں۔ حضرت جبرائیل نے جب دیکھا کہ ابراہیمؑ کو ان پر بھروسہ نہیں، خدا کی ذات پر کامل ایمان ہے۔ تو کہنے لگے۔ حضرت! میں خدا کا مقرب ترین فرشتہ ہوں اگر رب کے نام کوئی پیغام ہو تو بتلائیے کہ میں وہاں جا سکتا ہوں جہاں کوئی نہیں جا سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش رہے۔ جبرائیل واپس چلا گیا۔ آسمانی مخلوق آسمان پر بے چین تھی کہ زمین پر خدا کے پیغمبر کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ جبرائیلؑ کی آمد پر سب نے پوچھا، جبرائیل کیا کر آئے ہو؟ کہا کچھ نہیں کہا، پھر جاؤ۔ ادھر لوگوں نے رسیاں کاٹنے کے لئے چھری چلائی، آخری رسی کٹنا باقی تھی۔ یہ رسی کٹ جاتی اور ابراہیم علیہ السلام گر جاتے کہ جبرائیلؑ پھر حاضر ہوا۔ ہاتھ باندھ کر کہا۔ حضرت! آسمانی مخلوق تڑپ رہی ہے، جو حکم ہو غلام حاضر ہے۔ کہا "اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا" جبرائیل علیہ السلام تیری کوئی ضرورت نہیں ہے

جانتا ہے وہ میرا رب جلیل
کہ آگ میں پڑا ہے اس کا خلیل

باغ میں چہل قدمی

رب خبیر بصیر ہے۔ آخر وہ اپنے خلیل سے کیسے بے خبر رہ سکتا تھا۔ لوگوں نے آخری کاروائی کی۔ اُدھر ابراہیم علیہ السلام گرے، اِدھر آگ کو رب نے حکم دیا: "یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰہِیْمَ" "اے آگ میرے ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا" پھر کیا تھا؟ اس آگ میں جتنی بڑی لکڑیاں تھیں سب اپنے اپنے درختوں کے تنے بننے لگیں۔ آم کی لکڑی آم کا تنا، امرود کی لکڑی امرود کا تنا۔ کھجور کی لکڑی کھجور کا تنا، سیب کی لکڑی سیب کا تنا، ان تنوں پر شاخیں آنے لگیں۔ شاخوں پر پتے آنے لگے، پتوں پر ہریالی آنے لگی، میدان میں سبزہ آنے لگا۔ لکڑیوں میں شامل چھوٹے چھوٹے تنکے کیاریاں بننے لگیں، کیاریوں سے پودے بننے لگے، پودوں سے شگوفے اُبھرنے لگے۔ شگوفوں سے کلیاں چٹکنے لگیں، کلیوں سے پھول کھلنے لگے، پھولوں کے رنگ نکھرنے لگے۔ رنگوں سے خوشبوئیں فضا میں بکھرنے لگیں۔ فضا میں بادِ بہار کے جھونکے چلنے لگے۔ جھونکوں سے درخت جھومنے لگے، درختوں میں پرندے چہکنے لگے۔ آن کی آن میں بہار نے ایک تماشا برپا کر دیا، اور اس گلستانِ واہ واہ میں میرے ابراہیم علیہ السلام آ کر چہل قدمی کرنے لگے۔

آگ سے نکلو

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں نے جلتی آگ میں پھینکا کہ ابراہیمؑ نعوذ باللہ جل جائے گا اور رب نے آتی دُنیا کو دکھا دیا کہ لوگو! جس نے مجھ پر بھروسہ کیا، اگر لوگ اُسے آگ میں ڈالیں تو میں اُسے گل و گلزار میں پہنچا دیتا ہوں۔

مسلمانو! ہمارا خدا پر جتنا بھروسہ اور یقین ہے وہ ہم سب جانتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج نمرود کا جلایا ہوا کوئی چخہ نہیں، لیکن کیا ہم لوگ آگ میں نہیں پھینکے جا رہے؟ ہم آگ میں پھینکے ہی نہیں بلکہ جل رہے ہیں۔ تعصب کی آگ میں، نسلی امتیاز کی آگ میں، ناانصافی کی آگ میں، ظلم کی آگ میں جل رہے ہیں۔ اور یہ آگ ہے کہ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس آگ سے نکلنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم سب خدا کی کبریائی اور اسکی حاکمیت پر کٹنے

ہو جائیں۔ اگر ہمارے دِل خدا کی حاکمیت اُور اقتدار کے تابع ہو جائیں ہم آج بھی سیاسی جہنم سے نکل سکتے ہیں۔ ؎

ہو اگر آج بھی ابراہیمؑ کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستان پیدا

یاد رکھو! خُدا کی محبت۔ ہمارے نسلی تعصبات کو باہمی محبت میں بدل سکتی ہے۔ خدا کا خوف پورے مُلک سے خوف و ہراس کی فضا کو ختم کر سکتا ہے۔ اگر ہم خُدا پر بھروسہ کرنا شروع کر دیں۔ تو یہ بھیک جو ہم امیر ملکوں سے ہر سال مانگتے ہیں۔ اس کے مانگنے کی ضرورت نہ رہے۔ اگر ہم خُدا پر توکّل کرنا شروع کر دیں تو ہمیں اپنی محنت میں برکت نظر آنے لگے اگر ہم خُدا کو دِل سے رازق مان لیں تو پھر اس ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹ، ملاوٹ اور لوٹ مار کا نام و نشان نہ رہے۔

خُدا ہمارے ہر وقت قریب ہے لیکن اگر ہم خُدا کے قریب ہو جائیں، پھر ہمیں کسی کی قربت حاصل کرنے کسی سے شناسائی پیدا کرنے، کسی تک رسائی حاصل کرنے اور کسی کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

اگر ہم خدا کی اطاعت کریں پھر ہمیں کسی کی غلامی کرنے کی ضرورت نہ پڑے اگر ہم خدا کی خوشنودی چاہیں تو کسی کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اگر ہم خدا کی تابعداری کریں، پھر ہمیں کسی کی اتباع کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اگر ہم خدا کی مرضی پہ راضی ہو جاویں تو پھر ؎

خُدا بندے سے خُود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مہمان

حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کی رضا پر راضی تھے۔ خُدا کی عطا پر شاکر تھے۔ خدا کی آزمائش پر صابر تھے۔ خُدا کے کام کے لئے ہر وقت حاضر تھے۔ انہوں نے خُدا کی محبت میں اپنی محبت قربان کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ آخری عمر

میں اولاد ہوئی اور اولاد بھی کس طرح آئی؟ کہ اس اولاد کے آنے سے پہلے آسمان سے اس کی خوش خبری آئی۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضرت! آپ کی عظمت اور خُدا کے نزدیک خلیل ہونے کا راز کیا ہے۔ فرمایا تین باتوں کی وجہ سے میں رب کے نزدیک پیارا ہوں۔

ایک تو جب دین اور دُنیا کے کام ایک وقت میں میرے سامنے آئیں میں دُنیا کا کام بعد میں اور دین کا کام پہلے کرتا ہوں۔

دوسرے جب میرے پاس شام کا رزق موجود ہو تو میں صبح کی فکر نہیں کرتا اور جب صبح کا کھانا موجود ہو تو شام کی فکر نہیں کرتا۔

اور تیسرے جب تک میرے پاس کوئی مہمان نہ آئے میں کھانا نہیں کھاتا۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس کئی دن تک کوئی مہمان نہ آیا۔ آپ نے کھانا نہ کھایا۔ آپ کی پہلی بیوی حضرت سارا تھیں۔ کہا میرے سرتاج! اگر مہمان نہ آیا تو کیا آپ یونہی بھوکے رہیں گے؟ فرمایا کیا کروں، عادت ہی کچھ ایسی ہے۔ بیوی کا دِل محبت سے بھر آیا۔ دُعا کی مولا! کہیں سے مہمان بھیج! کہ میرا خاوند کسی طرح کھانا کھائے۔ کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی، حضرت ابراہیمؑ باہر آئے۔

”تم کون ہو؟

”ہم آپ کے مہمان ہیں کئی دن سے بھوکے ہیں۔ سُنا ہے آپ مہمانوں کے بڑے قدردان ہیں۔“

”ہاں بالکل، مجھے بھی مہمانوں کی زبردست ضرورت تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گھر کے اندر کمرے میں پردہ لٹکایا، زمین پر بیٹھنے کے لئے مصلے بچھائے۔ حضرت سارا کو کھانا پکانے کے لئے کہا۔ ان مصلّوں پر دسترخوان لگایا۔ کھانا

تیار ہوگیا۔ آکر مہمانوں کے سامنے رکھا۔ خود بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانا شروع کیا۔ حضرت ابراہیمؑ گردن جھکائے کھانا کھا رہے ہیں۔ مہمانوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھائے، وہ ابھی خاموش بیٹھے ہیں۔ حضرت سارا یہ سب کچھ پردے کے پیچھے کھڑی دیکھ رہی ہیں۔ بڑی حیران ہیں۔ سوچا ابھی مہمان شروع کریں گے لیکن وہ بدستور چُپ بیٹھے تھے۔ حضرت سارا سے رہا نہ گیا۔ پردے سے آواز دی، اے میرے سرتاج! آپ دیکھتے نہیں آپ کے مہمان تو کھانے کو ہاتھ نہیں لگا رہے اور آپ خود اکیلے کھا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے گردن جو اُٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گئے۔ کہ کسی مہمان نے ایک لقمہ تک نہیں کھایا۔ کہا بھائی! تم کھاتے کیوں نہیں؟ کہا ہم کھانے سے پاک ہیں۔

(۱) "ارے تم فرشتے ہو!

(۲) "ہاں ہم فرشتے ہیں" "تم کس لئے آئے ہو؟

"ہم آئے نہیں ہمیں بھیجا گیا ہے،

نہیں کس لئے بھیجا گیا ہے

"اس لئے کہ تمہیں خوشخبری سنائیں،

خوشخبری بوڑھی سارا پردے کے ساتھ کھڑی سب باتیں سُن رہی ہیں۔ جب خوشخبری کی بات آئی مسکرا اُٹھیں۔ فرشتوں نے خبر دی کہ اے ابراہیمؑ! اللہ تعالیٰ نے آپکو ایک لڑکے کی خوشخبری دی ہے، نام اُس کا اسحاق ہوگا۔ اس اسحاق کا بیٹا یعقوب ہوگا۔ یہ آپ کا بیٹا اور پوتا دونوں پیغمبر ہوں گے۔ حضرت سارا حیران رہ گئیں۔ خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پردے کے پیچھے سے بول اٹھیں!

بھائیو! کتنا پیارا یہ سماں ہوگا۔ خوشی کی کیسی عجیب لہر ہوگی؟ حضرت ابراہیمؑ کی کیا حالت ہوگی؟ حضرت سارا کے ارمانوں کا کیا رنگ ہوگا؟ خوشخبری کے کیا الفاظ ہوں گے؟ فرشتوں

کے کیا انداز ہوں گے؟ سارا کی کیا آواز ہوگی؟ فرشتوں کا کیا جواب ہوگا؟ اِن ساری باتوں کا جو نقشہ قرآنِ حکیم نے کھینچا ہے اس سے بہتر ہمارے لئے بیان کرنا ممکن نہیں۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۝

"اور بی بی سارا پردے کے پیچھے کھڑی مسکرا رہی تھیں فرشتوں نے انہیں اسحاقؑ کی خوشخبری دی اور اسحاقؑ کے بعد یعقوبؑ کی خوشخبری دی۔ اس پر بی بی حیران ہو کر کہہ اُٹھیں ہائے کیا میں بچہ جنوں گی؟ حالانکہ میں بانجھ ہوں اور میرا یہ خاوند ابراہیمؑ بوڑھا ہو چکا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے بی بی! تو اللہ کے کاموں پر حیران ہو رہی ہے جبکہ اللہ نے تجھ پر اور تیرے سب گھر والوں پر رحمت اور برکت کے خزانے کھول دیئے ہیں۔"

ٹھیک جا رہے ہیں محترم سامعین! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی میں آپ ابراہیم علیہ السلام کے لئے رب کی طرف سے یا آسائش دیکھیں گے یا آزمائش دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر ایک بیوی کی طرف سے آسائش مہیا کی تو دوسری بیوی کی طرف سے آزمائش میں ڈالا۔ دوسری بیوی حضرت ہاجرہ تھیں۔ یہ اسماعیلؑ کی والدہ تھیں۔ حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ بڑے خوبصورت تھے ایسے جیسے تازہ گلاب کھل اُٹھا ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کی خوشیوں کے چمن میں بہار آگئی۔ لیکن اللہ پاک کی طرف سے حکم ہوا، اے ابراہیمؑ! اس بچہ اور زچہ دونوں کو فلاں صحرا میں چھوڑ آؤ، خدا کا حکم تھا۔ بغیر کسی چون و چرا کے، بغیر کسی

سوال وجواب کے حضرت ہاجرہ رضہ کو ساتھ لیا، بچے کو گود میں اٹھایا۔ اُس مقام کی طرف چل دیئے جہاں کا حکم تھا۔ راستے میں حضرت ہاجرہؓ کہنے لگیں آقا! ہم کہاں جا رہے ہیں فرمایا ہم جہاں جا رہے ہیں، ٹھیک جا رہے ہیں۔

تم یہیں رہو

دونوں چلتے چلتے دُور نکل گئے۔ شہر سے باہر چلے گئے۔ شہر کے باہر والے جنگل سے بھی آگے نکل گئے۔ کبھی ہموار زمین آجاتی۔ کبھی پہاڑیاں آجاتیں، آخر ایک چٹیل میدان آگیا۔ یہ لق و دق صحرا تھا۔ یہاں کوئی درخت اور سبزہ نہ تھا۔ کوئی کھجور نہ تھی، کوئی سایہ نہ تھا۔ اس صحرا میں چلتے رہے آخر دو چھوٹی سی پہاڑیاں (خشک) آئیں جنہیں ہم آج صفا و مروہ کی پہاڑیاں کہتے ہیں۔ یہ اُس زمانہ میں پتھروں اور چٹانوں کے ڈھیر ہوا کرتے تھے ان پہاڑیوں کے ساتھ زمین پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی ہاجرہ کو بٹھایا۔ اسمٰعیلؑ کو ہاجرہؓ کی گود میں لٹا دیا کہا تم یہیں رہو۔

دل سے جو بات نکلتی ہے

حضرت ہاجرہؓ بھی کوئی ہماری تمہاری عورتوں کی طرح نہ تھیں۔ کہ ذرا خاوند چند دن کے لئے باہر گیا اور گھر میں طوفان کھڑا کر دیا۔ تھوڑی سی معاشی حالت ڈانواں ڈول ہوئی تو گزارہ خراب ہوگیا۔ روکھی سوکھی کھانے کو کہا تو بھوکے ننگے ہونے کے طعنے ملنے لگے۔ اگر معمولی کپڑا پہننے کو ملا تو میکے جانے کی دھمکی ملنے لگی اگر رات کو گھر دیر سے آئے تو شکوک و شبہات کا اظہار ہونے لگا۔ اگر مجبوری بتائی تو شادی کیوں کرنے کا استفسار ہونے لگا۔ وُہ حضرت ہاجرہ تھیں، شاکرہ تھیں۔ وُہ سمجھ گئیں کہ اس کام میں ضرور کوئی مصلحت ہے۔ پوچھا ہمیں اکیلا چھوڑے جا رہے ہو۔ کہا، ہاں! اکیلا چھوڑے جا رہا ہوں۔ کہا کیا اللہ کا یہی حکم ہے؟ فرمایا ہاں یہی حکم ہے۔ خاموش ہو رہیں۔ حضرت ابراہیمؑ واپس جانے کے لئے مُڑے۔ ایک نظر ماحول پر ڈالی۔ آسمان سفید تھا، دھوپ تیز تھی۔ ایک طرف خشک پتھر کی سلیں تھیں، دوسری طرف وسیع و عریض میدان تھا۔ ریت کے ٹیلے تھے۔ سبزے

کا نام و نشان نہ تھا، پانی کی کہیں بوند نہ تھی۔ تا حدِ نظر چٹیل صحرا تھا۔ زمین پر چلنے والا چرند تو کیا حشرات الارض میں کوئی کیڑا مکوڑا تک نہ تھا۔ فضا میں کوئی اُڑنے والا پرند تو کیا کوئی مکھی مچھر تک نہ تھا۔ زندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دل بھر آیا۔ وہاں دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے ۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

دُعا کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ دیکھو! لب و لہجے اور آواز کو دیکھو اور رب کی طرف سے اس دُعا کی قبولیت کے انداز کو دیکھو۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ؕ

اے ساری کائنات کے پالنے والے! میں نے اپنے اہل و عیال کو سکونت پذیر کر دیا ہے۔ تیری اس مقرر کردہ وادی میں کہ جس وادی میں زراعت کی ایک سبز پتی بھی نہیں۔ اے پروردگار انہیں نمازی بنا (یہ تنہا ہیں) تو لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب پھیر دے اور اس چٹیل صحرا میں انہیں پھلوں کا رزق عطا کر تاکہ یہ تیرے، شکر گزار ہوں۔"

گویا ابراہیم علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ میں اپنے اہل و عیال کو تیرے حکم پر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایسا چھوڑے جا رہا ہوں کہ واپس لیجانے کا کوئی خیال ہی نہیں۔ "اَسْکَنْتُ" کا لفظ ہے کہ میں نے انہیں سکونت پذیر کر دیا ہے۔ اَب ان کی مستقل رہائش بھی یہیں ہوگی۔ اس دُعا کی قبولیت کا اندازہ اس بات سے لگا لو کہ وہ جگہ جہاں حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑا گیا تھا اُس جگہ کو ہم آج حرم مکہ کہتے ہیں۔ یہاں ہر سال عرب کے ریگزاروں سے عجم کے

کے گلستانوں سے، قراقرم کے پہاڑوں سے، ایشیا کے میدانوں سے، انڈونیشیاء ملائشیا بلکہ امریکہ تک کے جزیروں سے، یورپ کے مرغزاروں سے، افریقہ کے صحراؤں سے، مشرق و مغرب سے، چہار طرف عالم سے مسلمان حج کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ہوائی جہازوں سے، کچھ سمندری جہازوں سے، کچھ کشتیوں سے، کچھ لانچوں سے، کچھ ٹرکوں سے، کچھ موٹروں سے، کچھ بسوں سے، کچھ ویگنوں سے، کچھ سواریوں سے، کچھ پیدل، جس جس کا جیسے جیسے بس چلتا ہے اِس طرف بھاگا چلا آتا ہے۔ کیا یہاں ان لوگوں کے رشتہ دار رہتے ہیں کہ ملنے آئے ہیں ؟ کیا یہاں ان کا کوئی کاروبار ہے ؟ دیکھ بھال کرنے آئے ہیں ؟ نہیں کچھ نہیں، یہاں تو جس کے تن پہ دیکھو عاشقانہ لباس ہے۔ یہاں تو ہر طرف لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی آوازیں ہیں۔ یہاں تو اللہ اکبر کے نعرے ہیں۔ لوگ غلاف کعبہ کو لپٹ رہے ہیں۔ یہاں تو نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ یہاں تو زم زم پیا جا رہا ہے۔ یہاں تو حجرِ اسود کو بوسے دیئے جا رہے ہیں۔ کعبہ کی دیواروں کو چوما جا رہا ہے، یہ تو سب لوگ محبتِ خداوندی سے سرشار نظر آتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ ساری محبت کہاں سے آگئی اس پر بھی غور کرو۔ اور پھر اس دُعا پر بھی غور کرو، جب حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا:۔

وَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ — مولا! تو لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب پھیر دے۔"

یہ دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں مانگی جہاں زراعت کی ایک پتی نہ تھی۔ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ یہاں کاشت کاری کا کوئی امکان نہیں۔ پانی کی ایک بوند نہیں۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام رزق کے لئے اُس بے نیاز رب سے کس بے نیازی کے ساتھ پھلوں کا رزق مانگ رہے ہیں! اُرْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کے الفاظ ہیں۔ ثمر واحد ہے ایک پھل۔ ثمرات جمع ہے تمام پھل۔ اس دُعا کی قبولیت کا میں عینی شاہد ہوں۔ میں تین سال تک مکے میں رہا

ہوں۔ دُنیا کا کوئی ایسا پھل نہیں جو میں نے مکہ کے بازاروں میں نہ دیکھا ہو۔ آپ لوگ ناز کرتے ہیں کہ آم صرف ہمارے ہندوستان اور پاکستان کا پھل ہے۔ یہ آم میں نے وہاں بھی کھائے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی اور یہاں سے واپس چلے گئے۔ اب یہاں صاف میدان ہے۔ ایک ماں اور اس کی گود میں بچہ ہے۔ بچہ اسماعیلؑ ہے۔ سینہ سے لپٹا ہوا ہے۔ ماں اکیلی اپنے لاڈلے کو جنگل میں لئے بیٹھی ہے۔ بچے نے اِدھر رونا شروع کیا، تو ماں نے فرطِ محبت سے دودھ پلانا شروع کیا۔ ایک دن، دو دن حد تین دن گزرے ہوں گے۔ بھوک سے طبیعت مضمحل ہونے لگی۔ سینے میں دودھ خشک ہو گیا، بچہ بے تحاشہ رونے لگا۔ حضرتِ ہاجرہ حیلے کو وسیلہ بنا کر اٹھیں کہ دیکھیں کہیں کوئی زندگی کے آثار نظر آئیں۔ ساتھ صفا و مروہ کی پہاڑیاں تھیں۔ ان پر چڑھیں کہ آسمان پر کوئی پرندہ اگر نظر آئے تو وہاں چلے جائیں۔ شاید پانی مِل جائے۔ حضرت ہاجرہؓ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو زمین پر لٹا یا۔ حالت یہ تھی کہ دیکھتی تھیں بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف چڑھتی تھیں پہاڑی پر۔ کبھی نظر آسمان کی طرف جاتی تھی۔ کبھی وسیع و عریض صحرا کی طرف اور کبھی ننھے اسماعیل علیہ السلام کی طرف۔ جب چٹانوں کی اوٹ میں اسمٰعیلؑ چھپ جاتے، حضرت ہاجرہؓ تیز دوڑتیں کہ بچہ پر نگاہ رہے۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ نظر آنے لگتے آہستہ آہستہ چلتیں تاکہ بچہ زیادہ دیر تک نگاہوں کے سامنے رہے۔

حضرت ہاجرہ رضؓ کا یہ صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر دوڑنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ قیامت تک کے آنے والے حاجیوں کے لئے فرض کر دیا، کہ حاجیو! ساری دعائیں پڑھتے رہو، سارے ارکان پورے کرتے رہو، احرام باندھ کر لاکھوں دفعہ "اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ" کے نعرے لگاتے رہو، لیکن جب تک میری ہاجرہؓ کی طرح کبھی آہستہ اور کبھی تیز انہیں صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان مجھے دوڑ کر نہیں دکھاؤ گے، تمہارا حج قبول ہی نہیں کروں گا۔ آج جتنے حاجی جاتے ہیں۔ اُن سے پوچھ لو، کہ صفا و مروہ کے درمیان دو نشانوں کے درمیان

دوڑتے ہوپانہیں ۔ یہ پہاڑیاں اَب موجود نہیں ہیں لیکن ان کی جگہ سعودی حکومت نے نشان لگا دیئے ہیں ۔ اِن نشانوں سے معلوم ہوجاتا ہے ۔ اور معلمین یہاں دوڑنے کا انداز اور طریقہ بتلاتے ہیں صفا و مروہ کو شعائر اللہ کہا گیا ہے ۔ اور انہیں یہ شرف حضرت ہاجرہؓ کے دوڑنے کی وجہ سے ملا ہے ۔ حضرت ہاجرہؓ نے اِن دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات دفعہ چکر لگائے چنانچہ آج حاجی بھی سات ہی چکر لگاتے ہیں ۔

زم زم سات چکروں کے بعد حضرت ہاجرہؓ کی نگاہ جب ننھے اسمٰعیلؑ پر پڑی ۔ دیکھا بچہ رو رہا ہے ۔ رونے کے ساتھ ساتھ زمین پر ایڑیاں بھی مار رہا ہے ۔ دوڑی آئیں جب اسمٰعیلؑ کے نزدیک پہنچیں ، دیکھا جیسے جیسے ننھا اسمٰعیلؑ ایڑیاں زمین پر مارتا جاتا ہے ویسے ویسے پانی زمین سے اُبلتا آتا ہے ۔ پانی کو دیکھ کر حضرت ہاجرہؓ کی طبیعت خوش ہوئی ۔ یہاں کوئی بات کرنے والا بھی نہ تھا ۔ ہاجرہؓ تھی یا اسمٰعیلؑ تھا ۔ اَب پانی جو زمین سے نکل کر اُبلنے لگا تو حضرت ہاجرہؓ نے اپنے ہاتھوں سے زمین کی مٹی پانی کے آگے رکھنا شروع کی ۔ پانی آگے نکلنے لگا تو آپ کہتیں "زم زم" یعنی اے پانی رُک جا رُک جا ۔

اِس موقع پر میں اُن لوگوں سے ایک بات پوچھتا ہوں جو کہتے ہیں غیر اللہ سے توقع رکھنا ، غیر اللہ کو پکارنا شرک اور حرام ہے ۔ مجھے بتلایئے کیا اسمٰعیلؑ کی ایڑیوں سے نکلنے والا پانی ، غیر اللہ نہیں ؟ اس پانی کا نکلنا بھی اللہ کے اختیار میں ، اس کا بہنا بھی اللہ کے اختیار میں ، اس کا روکنا بھی اللہ کے اختیار میں ۔ ہاجرہؓ زم زم کا حکم دے کر روکنے والی کون تھیں ؟ کیا آپ زم زم کے الفاظ کو مشرکانہ الفاظ کہیں گے ؟ دنیا جانتی ہے کہ حضرت ہاجرہؓ کے ان الفاظ اور اس حکم پر پانی رُک گیا ۔

ایسا کیوں ہُوا ؟ حضرت ہاجرہؓ رب کی رضا پر راضی تھیں ۔ معلوم ہُوا کبھی کبھار اللہ والوں کی مرضی ، اور حکم بھی اللہ کا حکم بن جاتا ہے ۔ حضرت ہاجرہؓ کے زم زم کہنے سے پانی رُک گیا ، اور

ہاجرہؓ کا زم زم کا حکم دینا خود خدا کو ایسا پسند آیا کہ اس پانی کے لئے کوئی اور نام ہی تجویز نہ کیا ۔ آج تک اس پانی کو ہم زمزم کہتے ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ۔ " اگر میری دادی ہاجرہؓ زمزم کے پانی کو نہ روکتی تو یہ پانی پوری دُنیا میں پھیل جاتا " ۔

شانِ نبوّت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑیوں سے جو پانی نکلا ، اس پانی سے دُنیا آج بھی سیراب ہو رہی ہے ۔ اُس پیغمبر کے اس معجزے کی آج بھی ہم تعریف کر رہے ہیں ۔ یہ پیغمبر اُس وقت نومولود تھا ۔ بچہ تھا اُس وقت اسمٰعیلؑ نے اپنی نبوت کا اعلان نہ کیا تھا لیکن نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے ۔ اللہ اپنی مخلوق کو نبی کے صرف ہاتھوں سے ہی نہیں بلکہ پاؤں سے بھی معجزے رونما کرواتا ہے ۔ نبی اپنے بچپن میں ، لڑکپن میں ، جوانی میں ، بڑھاپے میں ، سفر میں ، قیام میں ، نیند میں ، جاگتے میں ، اٹھتے اور بیٹھتے میں ، چلتے اور پھرتے میں ، غرض کہ عمر کے ہر حصے میں ہر حال میں ہر جگہ اور ہر مقام پر نبی ، نبی ہوتا ہے ۔ نبی کی نبوت ۔ نبی کی خلقت کے ساتھ ہی اس کے مقدر میں ہوتی ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ رب کی طرف سے اس نبوت کا دُنیا کے سامنے اعلان نہیں ہوتا اور جب دُنیا کے سامنے نبوت ظاہر ہوتی ہے ، پھر اس نبوت کے انکار کرنے والوں کو رب معاف نہیں کرتا ۔

مذاق نہ اڑاؤ تاریخ گواہ ہے کہ نبوت کی اتباع نہ کرنیوالی قوموں کا حشر کیا ہوا ؟ کسی قوم کی شکل بدلی اور بندروں جیسی ہوگئی ۔ کوئی قوم پتھروں کی بارش میں ہلاک ہوگئی کسی قوم پر آگ برسائی گئی اور کوئی قوم طوفان میں ڈبوئی گئی ۔ آج بھی ہم مسلمانوں میں سے کچھ لوگ نبیؐ کی گستاخیاں کرتے ہیں ۔ ان کی نبوت اور ان کے علم کو اپنی عقل کے ترازو میں تولتے ہیں ۔ ان کی شان کی حدود و قیود متعین کرتے ہیں ۔ ان کے خیالات کی رحمانی اور شیطانی تقسیم کرتے ہیں ۔ ان کے اعمال کو اپنے کرتوتوں سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ ان کے اقوال کو استدلال کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ یہ سب باتیں نبوت پر ایمان لانے کے سراسر

خلاف ہیں۔ گویا ہم بھی انکاری ہیں اور اللہ تعالیٰ ہماری ان حرکتوں پر ہمیں سیلاب، طوفان، زلزلوں، بارشوں اور بیماریوں کے ہلکے پھلکے تھپڑ لگا کر تنبیہ کر رہا ہے کہ مسلمانو! اگر تم بھی میرے نبیؐ کی نبوت کا مذاق کراؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ وہ مذاق کرونگا کہ قیامت تک تم ایک مذاق بن کر رہ جاؤ گے۔ خدا ہمیں اس وقت سے بچائے جب ہمارا شمار بھی عاد و ثمود جیسی قوموں میں ہونے لگے۔ (آمین)۔

آواز دینے والا میرے قابلِ احترام بزرگو!

حضرت ابراہیم علیہ السلام جبرائیل علیہ السلام کی راہنمائی میں بابل اور نینوا کے شہروں سے اس وادیٔ "غیر ذی زرع" میں پہنچے اور اپنی پُرسوز دعاؤں کے ساتھ اپنی بیوی اور بچے کو خُدا کے حکم کے مطابق چھوڑ کر واپس شام چلے گئے۔ خُدا کی قدرت سے چشمۂ زمزم اُبلا۔ حضرت ہاجرہؓ نے اپنی پیاس بھی بُجھائی اور بچے کے حلق میں بھی چُلو سے پانی ڈالا۔ اتفاق سے انہی دنوں ایک خانہ بدوش قبیلہ بنو جرہم قافلے کی صورت میں وہاں سے گزرا۔ یہ لوگ جہاں پانی اور سبزہ دیکھتے وہیں کچھ دن قیام کر لیتے۔ جب وہاں سبزہ ختم ہو جاتا، یہ اپنے جانوروں کو لے کر کسی اور جگہ کی تلاش میں نکل جاتے۔ قافلے والوں میں سے کسی ایک کی نظر حضرت ہاجرہؓ اور گود میں لئے ہوئے بچے پر پڑی۔ اس تمام قافلے نے اس بی بی کی طرف رُخ کیا۔ اس قبیلہ کے اہلِ دانش نے سمجھا کہ کوئی لونڈی ہے جو راستہ بھول گئی ہے۔ چلو اسے پکڑ و۔ اسے بھی فروخت کریں گے اور اس کے بچے کو بھی غلام بنا لیں گے۔ یہ سب اس پاک بی بی کی طرف دوڑے کہ یک لخت ایک آواز آئی۔ اے بنی جرہم والو! اس بی بی کو لونڈی اور اس بچہ کو غلام نہ سمجھو، یہ سب حیران ہو گئے مڑ کر دیکھا کہ کون کہہ رہا ہے؟ لیکن یہ ہاتف کی آواز تھی۔ ہاتف اسے کہتے ہیں جس کی آواز تو آئے لیکن کہنے والا نظر نہ آئے۔ ہاتف کہہ رہا تھا۔ اے قبیلہ بنی جرہم والو! انہیں مسافر نہ سمجھو، ابن السبیل نہ سمجھو، غریب و راہ گیر نہ سمجھو، یہ ٹھیک ہے کہ یہ مفلوک الحال بھی ہیں، تنہا بھی

ہیں۔ یہ بے چارے اور بے سہارے بھی ہیں۔ مگر یہ اللہ کے پیارے بھی ہیں۔ آواز دینے والے کی آواز جاری تھی۔ اے بنی جرہم! یہ ٹھیک ہے کہ ان پاس کوئی اڑوس پڑوس بھی نہیں۔ ان کے پاس کوئی قبیلے اور عزیز و اقربا بھی نہیں اِن کے پاس کوئی ممدو معاون بھی نہیں۔ ان کا یہاں کوئی حمایتی اور وارث بھی نہیں۔ ان کا کوئی ہم نشین و ہمسر بھی نہیں۔ اِن کا کوئی بیلی و غمخوار بھی نہیں۔ یہاں تک کہ ان کے پاس مال و اسباب بھی نہیں، ساز و سامان بھی نہیں۔ کوئی توشہ اور زادِ راہ بھی نہیں۔ یہاں تک کہ ان کے پاس سواری تک نہیں، رہائش تک کا خیمہ بھی نہیں۔ سونے تک کا بستر و بوریا بھی نہیں۔ کھانے تک کی غذا بھی نہیں۔ لیکن اے بنی جرہم والو! تم اس چٹیل میدان میں کھلے آسمان کے نیچے بیٹھنے والی اس عورت اور سونے والے بچے کو باندی و غلام نہ سمجھو

یہ عورت جو بیٹھی ہے، یہ بچہ جو لیٹا ہے!
اِک پیغمبر کی بیوی ہے۔ اک پیغمبر کا بیٹا ہے

ریاست کے مالک ہاتف کی یہ آواز سُن کر قبیلہ بنی جرہم کے تمام قافلے والے وہیں اُتر پڑے۔ حضرت ہاجرہؓ نے اسماعیلؑ کے پاؤں سے نکلنے والے چشمے کا معجزہ بتایا۔ اُن سب نے اپنا وہیں پڑاؤ ڈال لیا۔ اِس زم زم کے پانی سے وہاں سبزہ اُگنے لگا اِس سبزے میں اُن کے جانور چرنے لگے۔ وہ اپنے اِن جانوروں کو پالتے۔ انہیں کی کھالوں اور گوشت پر گزارہ ہوتا۔ کچھ ہی دنوں میں وہاں چہل پہل ہو گئی۔ زندگی لوٹ آئی۔

جنگل میں منگل حضرت اسماعیلؑ اور بی بی ہاجرہؓ اس چھوٹی سی ریاست کے مالک بن گئے۔ اِدھر جب حضرت ابراہیمؑ کو اپنی بیوی اور بیٹے کی یاد نے ستایا تو اس ارادے سے کہ جا کر دیکھ تو آؤں، کیا ہوا؟ اپنی پہلی بیوی حضرت سارہؓ کو اپنا ارادہ بتایا تو وہ بولیں، اے میرے سرتاج "وہاں آپ کیا کرنے جاؤ گے؟ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب تو وہاں آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر جاؤ گے تو رو دھو کے واپس آ جاؤ گے اس خبر گیری کا کیا فائدہ؟ جس سے

دِل ملول ہو ؟

"نہیں میں ضرور جاؤں گا، میرے دل کو چین نہیں آ رہا۔

" اگر وہاں جانا ہی ہے تو پھر وہاں ٹھہریئے گا نہیں۔ بس جاکر دیکھئے اور واپس پلٹ آیئے

"کیا مطلب ؟

"شاید آپ وہاں زیادہ دیر تک ٹھہرنے سے زیادہ اُداس ہو جائیں۔

" ٹھیک ہے میں جیسے ہی سواری پر جاؤں گا ویسا ہی سوار واپس آ جاؤں گا۔

" وعدہ

" ہاں وعدہ

یہ وعدہ کرکے حضرت ابراہیم علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس بیت المحرم کی طرف چل دیئے۔ جہاں کوئی انسان تو کیا جانور اور پرندے تک نہ تھے۔ جو وادی "غیر ذی زرع" تھی، جہاں نہ کوئی درخت تھا نہ سایہ۔ نہ غذا نہ پانی۔ نہ رہائش تھی نہ مسکن۔ یا بیابان صحرا تھا یا صفا و مروہ کی چٹانیں۔ کھلا آسمان تھا، یا چٹیل میدان، یہاں حضرت ابراہیمؑ پہنچے، آکر دیکھا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کہ وہ جنگل جو پہلے جنگل نظر آتا تھا اب اس جنگل میں منگل نظر آتا ہے۔ جہاں سبزے کا نام و نشان نہ تھا، اب وہ پوری وادی ہرا بھرا گلشن نظر آتا ہے۔ جہاں پانی کی ایک بوند نہ تھی، وہاں اب ٹھنڈے اور صاف و شفاف پانی کا چشمہ اُبل رہا ہے۔ جہاں زندگی کے آثار نہ تھے وہاں اب ہر طرف چرتے ہوئے چوپائے نظر آتے ہیں۔ جہاں انسان کا نام و نشان نہ تھا، وہاں پورے کا پورا قبیلہ نظر آتا ہے۔

قدموں کے نشان حضرت ابراہیم علیہ السلام بی بی ہاجرہؓ کی چاردیواری کے پاس پہنچے، آپ گھوڑے پر سوار ہیں۔ بی بی صاحبہ استقبال کو اُٹھ کر دوڑی آئیں ننھا اسماعیلؑ بھی اب پاؤں چلنے لگا تھا، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بچے کو اُٹھا کر ابّو سے

ملایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حیران ہو کر پوچھا؟

"اے ہاجرہؓ! یہ سب کیا ہوا؟

کہا بس ہم نے خُدا کے حکم پر تھوڑی سی مدت اس ویرانے میں گزار دی۔ خدا نے ہمیشہ کے لئے ہماری زندگی سنوار دی۔ حضرت ہاجرہ بولیں۔

"میرے آقا آیئے سواری سے اُتر کر ہمارے ساتھ چل کر بیٹھئے۔

"نہیں میں اپنی سواری سے نہیں اُتروں گا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟

"مَیں نے ابھی واپس جانا ہے۔

"واپسی بھی ہو جائے گی لیکن اُتر کر کچھ دیر ٹھہریئے۔

"نہیں مَیں نے اپنی سواری سے اُترنے کا وعدہ کیا ہُوا ہے، بس میں نے صرف دیکھنا تھا، اب مَیں جا رہا ہوں۔"

"اچھا اگر اتنی جلدی ہے تو ٹھہریئے میں آپکو اس چشمہ کا پانی تو پلا دوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہیں۔ ایک پاؤں سے ایک بڑے پتھر کا سہارا لیا ہُوا ہے۔ دوسرا پاؤں رکاب میں ہے۔ بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا دوڑی ہوئی آبِ زم زم کے دو (۲) برتن لائیں۔ ایک برتن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پینے کے لئے دیا۔ دوسرے برتن سے اپنے خاوند کے پاؤں دھونے لگیں کہ کچھ تھکاوٹ دُور ہو جائے۔ پہلے رکاب والے پاؤں کو پھر دوسرے پاؤں کو دھویا۔ جس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ نے پاؤں رکھا ہُوا تھا۔ یہ پتھر اب بھی مکے میں موجود ہے۔ اسے مقامِ مصلےٰ کہتے ہیں۔ یہاں حاجی شکرانے کے ۲ دو رکعت نفل بھی ادا کرتے ہیں۔

مسلمانو! یہ خُدا کے پیاروں کی شان ہے، کہ جس جگہ اپنا قدم رکھ دیں وہ جگہ بھی شان

والی ہو جاتی ہے۔ جب حضرت نوحؑ کے قدم لگتے ہیں تو جودی پہاڑ بن جاتا ہے، موسیٰ علیہ السلام کے قدم لگتے ہیں تو کوہِ طور بن جاتا ہے۔ جب بی بی ہاجرہؓ کے قدم لگتے ہیں تو صفا و مروہ بن جاتا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم لگتے ہیں تو خلاق کائنات کا مصلّےٰ بن جاتا ہے اور جب میرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم لگتے ہیں تو عرش معلّیٰ بن جاتا ہے۔

ابّو کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس شام آگئے۔ یہاں زندگی اطمینان و سکون سے گزرنے لگی۔ بی بی ہاجرہ رضہ اور بیٹے اسماعیلؑ کی طرف سے کوئی فکر نہ تھی

ابھی چند ہی سال گزرے ہوں گے، کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اپنے ہاتھوں ذبح ہوتے ہوئے دیکھا، پہلی رات نظر انداز کیا اور استغفار و عبادات میں اضافہ کرلیا، لیکن دوسری رات پھر وہی خواب آیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ پاک مجھ سے میرے بیٹے اسماعیلؑ کی قربانی چاہتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ لڑکپن کی عمر تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا "آج میرے بیٹے اسماعیل (علیہ السلام) کو نہلا دو، اِسے نئے کپڑے پہنا دو۔ اِسے سُرمہ لگا دو۔

"کیوں؟ کہیں ساتھ لیجانا ہے؟"

"ہاں! آج ہی لے جانا ہے۔"

حضرت ہاجرہؓ بھی خوش ہوگئیں کہ آج میرا خاوند میرے بچے کو کسی خوشی کی تقریب میں ساتھ لیجانا چاہتے ہیں۔ فوراً اسماعیل علیہ السلام کو بُلایا، نہلایا دُھلایا، نئے کپڑے پہنائے اور ابّو کے ساتھ بھیج دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک چُھری کپڑے میں لپیٹ کر اپنے ساتھ رکھ لی اور اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے ساتھ دُور جنگل کی طرف روانہ ہوگئے۔ اَب باپ بیٹا خوشی خوشی جا رہے ہیں۔ شیطان سے یہ دیکھا نہ گیا۔ فوراً ایک آدمی کی شکل میں حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ آکھڑا ہوا، کہا اے اسماعیلؑ کیا

تجھے پتہ ہے؟ تیرا باپ تجھے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہا ہے۔

"ارے! کبھی باپ بھی بیٹے کو ذبح کیا کرتے ہیں؟

"لیکن تمہارا باپ آج تمہیں ضرور ذبح کریگا۔

"کیا میرے باپ کو اس کے رب نے یہی کہا ہے؟

"ہاں! یہی کہا ہے، اِسی لئے تو تمہیں لئے جا رہا ہے۔

"اے شخص! اگر میرا والد مجھے رب کی مرضی پر لئے جا رہا ہے تو پھر تُو روکنے والا مجھے شیطان نظر آتا ہے!"

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ کہا اور ساتھ ہی پڑی ہوئی کنکریاں اُٹھا کر اس پر دے ماریں شیطان تھوڑی دُور چل کر پھر ورغلانے آیا، حضرت اسماعیلؑ نے پہلے اس کے کہ وُہ کوئی بات کرتا، پھر کنکریاں ماریں۔ رَب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور رب کے حُکم کی اطاعت کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے شیطان کو جس طرح سے ٹھکرایا،

اُسی طرح سے اِس شیطان کو ٹھکرانے کا ہمارے لئے بھی حُکم آیا ہے۔ یہ پتھر اور کنکریاں مارنے والی اَدا رب کو اتنی پسند آئی کہ قیامت تک کے حاجیوں کے لئے حکم دے دیا۔ اے حاجیو! جیسے میرے اسماعیلؑ نے کنکریاں اُٹھائی تھیں، جہاں سے اٹھائی تھیں، جتنی تعداد میں اٹھائی تھیں۔ جتنی دفعہ اُٹھائی تھیں جس جس جگہ ماری تھیں، جتنے زور سے ماری تھیں۔ جب تک مجھے ویسے کنکریاں مار کر نہیں دکھاؤ گے، تمہارا حج قبول نہیں کرونگا۔ آج جتنے حاجی جاتے ہیں اُن سے پوچھ لو کہ ویسے کنکریاں مارتے ہیں یا نہیں۔ وہ اعمال جو صرف خُدا کی رضا کے لئے کئے جائیں، خُدا کو اتنے پسند آتے ہیں، کہ وہ انہیں عبادت میں شامل کر لیتا ہے۔ اب یہ کنکریاں مارنا ایک عام سا کام ہے۔ لیکن وہاں حضرت اسماعیلؑ کی سنّت سمجھ کر کرنے سے عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

خدا واسطے کا بَیر: جس جس جگہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ چھوٹے چھوٹے پتھر مارے

تھے ۔اُس جگہ نشانی کے طور پر سعودی حکومت نے اینٹوں کے نشانات بنا دیئے ہیں۔ تاکہ حاجی بالکل وہیں وہیں کنکریاں مار سکے، جہاں جہاں شیطان ظاہر ہوا تھا۔ لیکن ہمارے پاکستانی بھائیوں کو خصوصًا شیطان سے کوئی خُدا واسطے کا بیر ہے ۔ وہاں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے یہ پاکستانی صرف حج پڑھنے ہی نہیں آئے بلکہ اس شیطان کی تلاش میں آئے ہیں کہ یہ ملے تو اس کی گنجی کبوتری کریں ۔ ہمارے حاجی ان اینٹوں کے کھڑے ہوئے نشانات کو دیکھ کر ایسے مشتعل ہو جاتے ہیں ۔ جیسے یہ شیطان کھڑا انہیں گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔ اور پھر بڑی بڑی اینٹیں، بڑے پتھر، روڑے، جوتے، جو ہاتھ آتا ہے اُٹھا اُٹھا کر پورے زور سے مارتے ہیں ۔

وطن کی آب و ہوا ایک دفعہ بڑا عجیب واقعہ پیش آیا ۔ دیکھا کہ ایک پٹھان چھوٹا سا پستول لئے ان نشانوں پر فائر کر رہا ہے ، اور کہہ رہا ہے ، فلانے دھمکانے ۔ شرم نہیں آتی ، ہمارے کو خرابی بتاتا ہے ۔میں نے جب یہ ٹوٹی ٹوٹی سی اُردو سُنی اور اور خانصاحب کے چہرے پر جلال کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ اپنے وطن کی آب و ہوا کا اثر ہے میں قریب گیا اور آرام سے خانصاحب کو سمجھایا "کہ خانصاحب اس پستول کو اگر تمہارے ہاتھ میں حکومت کے سپاہیوں نے دیکھ لیا تو تمہیں پستول سمیت اُٹھا کر لے جائیں گے۔ میری بات کو شکر ہے خانصاحب نے سمجھ لیا ۔ اور پستول کو اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا ۔

رحمان اور شیطان

حالاں کہ اس شیطان پر اتنا غصہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور غصہ تو خُود شیطانی کام ہے ۔ شریعت میں صرف ایک ایسی چیز ہے ۔ جس کا پی جانا بہتر ہے اور وہ غصہ ہے ۔ غصہ حرام ہے لیکن غصے کو پی جانا نیک کام ہے ۔ غصہ عقل کو کھا جاتا ہے ۔ جو آدمی غصہ کر رہا ہو سمجھو یہ عقل سے عاری ہے ۔ حضرت اسماعیلؑ نے غصہ تھوڑی کیا تھا ! انہوں نے تو صبر و تحمل سے شیطان کی چال کو سمجھا تھا اور جب سمجھ آ گئی تو اُس سے نفرت کا اظہار کرنے کے

لئے اُسے کنکریاں ماری تھیں ۔

رحمان سے مُحبّت اور شیطان سے نفرت یہ ہے اصل عقیدتِ الٰہی ۔ جس کے دِل میں خُدا کی محبت اور اس کے احکام کی پیروی کا جذبہ نہیں وہ لاکھوں فائر کھول دے شیطان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ۔ دُنیا میں صرف دو ہی طاقتیں ہیں ایک شیطانی طاقت اور ایک رحمانی طاقت ۔ ایک طاقت کو مغلوب کرنے کے لئے دوسری طاقت کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ خُدائی قوانین و احکام کی نافرمانی کرنے کے لئے شیطان کا کہنا ماننا پڑتا ہے اور شیطان کی چالوں کو ناکام و نامراد کرنے کے لئے دِل میں عشقِ الٰہی کو جگہ دینی پڑتی ہے ۔

قربان گاہ کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام آگے آگے ہیں ۔ بیٹا اسماعیل علیہ السلام پیچھے پیچھے ہے ۔ دونوں رُواں دواں ہیں ۔ کسی میلے کی طرف نہیں ، کسی بازار کی طرف نہیں ، کسی تقریب کی طرف نہیں ، کسی شادی و بیاہ کی طرف نہیں ، بلکہ قربان گاہ کی طرف ، رب کی رضا کی طرف ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب حقیقت بنانے کی ٹھان لی بیٹے نے رب کی مرضی پورا کرنے کی ٹھان لی ۔ آسمان کے فرشتے اس باپ بیٹے کو کن نظروں سے دیکھتے ہوں گے ؟ کس طرح حیران ہوتے ہوں گے ، آپس میں کیسی کیسی باتیں کرتے ہوں گے ، کہ آسمانوں پر رہ کر تسبیح و تہلیل کرنا تو آسمان کی شان کو بڑھا دیتا ہے ۔ لیکن زمین پر پیارے بیٹے کو قربان گاہ کی طرف لیجانا زمین کو آسمان سے ملا دیتا ہے ۔ وہ زمین فخر سے اکڑنے کا حق رکھتی ہے ۔ جس پر باپ بیٹا چلے جا رہے ہیں ۔

شیطان پوری طرح حضرت اسماعیلؑ سے مایوس ہو گیا ۔ دیکھا کہ یہاں تو بس نہیں چلتا ۔ بھاگا بھاگا حضرت ہاجرہؓ کے پاس آیا ۔ بزرگ صورت بن کر نظر آیا ۔ کہا اے ہاجرہؓ کیا تجھے پتہ ہے ؟ تیرے بیٹے کو تیرا خاوند کہاں لے گیا ہے ؟

"کہیں کسی تقریب میں یا شادی میں گئے ہوں گے ۔

"نہیں وُہ تو انہیں ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں۔"

"میرا خاوند خُدا کا پیغمبر ہے۔ وہ رب کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔

" اسمٰعیلؑ تمہارا اکلوتا بیٹا ہے کیا تم اسے کٹوانا پسند کرو گی؟

" اگر رب کی مرضی یہی ہے تو پھر ایک اسمٰعیلؑ کیا، ہزاروں اسمٰعیل ہوتے تو اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھیج دیتی۔

اَب شیطان کا کھیل مکمل خراب ہوگیا۔ باپ ویسے خُدا کا نبی ہے اُس پر تو وسوسہ ڈالنے کا سِرے سے شیطان کو حوصلہ ہی نہیں۔ بیٹے اسمٰعیلؑ نے شیطان کو اِس انداز سے ٹھکرایا کہ اَب شیطان اُس کے اندازے ہی لگاتا رہے گا۔ باقی ماں رہ گئی تھی کہ عورت کمزور دِل ہوتی ہے۔ شیطان نے سوچا تھا جب ماں کو بیٹے کے ذبح ہونے کی بات بتاؤں گا تو بیٹے کی جان بچانے کیلئے فوراً پیچھے دوڑے گی لیکن حضرت ہاجرہؓ نے شیطان کو ایسا دوڑایا کہ پھر سامنے نہ آیا۔

آدابِ فرزندی اَب حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ چلتے چلتے دُور نکل آئے بیٹے نے پورے راستے میں کہیں نہ پوچھا ابا جان آخر مجھے تم کہاں لئے جا رہے ہو! جن قدموں پر باپ چلتا رہا ہے انہیں نشانوں پر بیٹا چلتا رہا، بیٹا پیچھے چلتا رہا باپ جہاں جاتا رہا بیٹا وہیں جاتا رہا۔ باپ جدھر جاتا رہا بیٹا اُدھر جاتا رہا۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کِس نے اسمٰعیلؑ کو آدابِ فرزندی

یہ دونوں باپ بیٹا اَب ایک ایسے ویرانے میں پہنچ گئے، جہاں ویرانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے اسمٰعیل کو زمین پر بٹھایا اور یہاں آپکا مدعا یوں بیان کیا۔

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی	اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے
الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ فَانۡظُرۡ	کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا اِس بارے
مَاذَا تَرٰی ؕ	میں تیری کیا رائے ہے؟

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی آخر ابراہیمؑ کے بیٹے تھے۔ نیک اور صالح والدین کی اولاد بھی آخر ماں باپ کا اثر ضرور لیتی ہے۔ خون کا خون میں اثر ہوتا ہے۔ جیسا بیج ہوگا ویسا پھل ہوگا جیسی جڑ ہوگی ویسا درخت ہوگا۔ جیسی تربیت ہوگی ویسی کارکردگی ہوگی۔ جیسا سبق ہوگا ویسی دہرائی ہوگی۔ جیسی صحبت ہوگی ویسے اثرات ہونگے۔ جیسا ابراہیمؑ ہوگا ویسا اسمٰعیلؑ ہوگا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اولاد ہمیشہ والدین کے نقشِ قدم پہ چلتی ہے۔ اگر کسی کی اولاد نالائق ہے تو یہ قصور صرف اولاد کا نہیں والدین کا بھی ہے۔ جس وقت بچہ گود میں تھا اسوقت اُس بچے کا بولنا دیکھنا، اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، بات کرنا، کھانا پینا سب والدین کے کنٹرول میں تھا۔ تربیت کے اُس پیریڈ میں والدین نے خیال نہ کیا۔ جوان ہوکر وہی بچہ بُری لائن پر چل نکلا۔ اب اس میں جتنا قصور اس نوجوان کا ہے، اس سے زیادہ کہیں اس کے والدین کا ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے نبوت کی گود میں آنکھ کھولی۔ صابرہ وشاکرہ ہاجرہؓ کی گود میں پرورش پائی۔ اَب حضرت اسمٰعیلؑ کیسے باپ کی بات کا انکار کرتے فوراً کہہ اٹھے۔"

قَالَ یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫	اے ابا جان! آپکو جس کا حکم ملا ہے وہ کچھ
سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ	کر ڈالئے۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے آپ
الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾	مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

گویا دونوں باپ بیٹا خدا کی مرضی پر راضی ہوگئے۔

سرخروئی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری ہاتھ میں لی، بیٹے سے کہا بیٹا خُدا کی راہ میں گردن بچھادو۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے عرض کی! اے ابا جان! رب کی درگاہ

میں مجھے قربان کرنے کے لئے میری تین باتوں کا ضرور خیال رکھیں۔

"کیسی تین باتیں؟"

"ابا جان پہلی بات تو یہ ہے کہ جب مجھے ذبح کرنے لگیں تو میری آنکھوں پر بھی اور اپنی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ لیں۔"

"لیکن میں نے خواب میں پٹیاں بندھی ہوئی تو نہ دیکھی تھیں۔"

"یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ ذبح کے وقت میں آپ کو نہ دیکھ سکوں اور آپ مجھے نہ دیکھ سکیں کہ کہیں میرے دل میں خیال آجائے کہ میرا باپ مجھے ذبح کر رہا ہے اور آپ کے دل میں یہ خیال نہ آجائے کہ ہائے میں اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ایسا ہی کر لیتے ہیں۔ تمہاری دوسری بات کیا ہے؟"

"میری دوسری خواہش یہ ہے۔ کہ جب آپ مجھے ذبح کرنے لگیں اس وقت مجھے سجدے کی حالت میں رکھیں۔ کیونکہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جب اپنے رب کو ملوں تو سجدے کی حالت میں ملوں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔"

ابا جان میری تیسری خواہش یہ ہے کہ جب میں ذبح ہو جاؤں تو میرے کرتے کو میرے خون میں بھگو کر میری والدہ ہاجرہؓ کے پاس لے جانا تاکہ جب کبھی زندگی میں اُسے میں یاد آؤں اِس کپڑے کو دیکھ کر صبر کرے اور یہ سمجھ جائے کہ اِس خون کی سُرخی کی طفیل میرا بیٹا قیامت میں سرخرو ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی ہاں میں ہاں ملائی۔ پہلے دونوں نے اپنی اپنی آنکھوں پر پٹی باندھی۔ اِس موقع پر شیطان مایوس کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ رب نے کہا، اے

شیطان! اب دُور دفع ہو جا کہ میں نے تجھے پہلے ہی کہہ رکھا ہے، جو میرے نیک بندے ہونگے اُن پر تیرا بس نہ چل سکے گا۔ فرشتوں نے اطاعتِ خداوندی کے اس عجوبہ روزگار نظارے کے دیکھنے کے لئے شیطان کو دُور جا دھکیلا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاتھ میں چھُری لی۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی گردن سے کپڑے کو دُور ہٹایا، جیسے جیسے وقت کے لمحات گزرتے جاتے تھے ویسے ویسے باپ بیٹا رضائے الٰہی کے مطابق ڈھلتے جاتے تھے۔

یہ تصویر، یہ نقشہ، یہ پوز، رب کو اتنا پسند آیا کہ اس کا فوٹو بنا کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قرآن مجید کے البم میں سجا دیا کہ دُنیا والو! دیکھو فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ کہ باپ بیٹا دونوں رب کے آگے سرِ تسلیم خم ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اب چھُری چلانا شروع کی۔ نیچے بیٹے نے آواز دی "ابا جان چھُری اثر نہیں کر رہی۔ شاید آپ کی ضعیف العمری کی وجہ سے چھُری پر زور کم پڑ رہا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جس پتھر پر بیٹھے تھے وہاں سے سرک گئے، اپنے گھٹنے زمین پر ٹکا دیئے۔ گویا رب کی رضا کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ بائیں ہاتھ سے بیٹے کے سر کو مضبوطی سے پکڑا دائیں ہاتھ سے چھُری لے کر پورے زور سے بیٹے کی گردن کو کاٹنے لگے، لیکن چھُری ہے کہ کاٹنے کا نام نہیں لیتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا، قربانی کے وقت تکبیریں پڑھی جاتی ہیں۔ اُن تکبیروں کے نہ جاننے سے شاید قربانی نہیں ہو رہی۔ ہاتھ سے چھُری چلا رہے ہیں، زبان سے تکبیر پڑھ رہے ہیں۔ (اللہ اکبر اللہ اکبر) نیچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے تکبیریں سُنیں تو سمجھا وقت قریب ہے۔ خدا کا کلمہ پڑھتا جاؤں۔ پڑھا "لا الٰہ الا اللہ" حضرت ابراہیم علیہ السلام برابر تکبیر پڑھ رہے ہیں۔ "واللہ اکبر اللہ اکبر" اسمٰعیلؑ نے سوچا آخری وقت ہے خُدا کی حمد و ثنا ہی کر لوں، کہا "وللہ الحمد" یہ تکبیریں اور یہ خُدا کی تعریف رب کو اس قدر پسند آئی، کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آنے والے حاجیوں کے لئے مقرر کر دیا کہ حاجیو! تم جب اِس جگہ پہنچو، حرم میں داخل ہو، تو مجھے اِن تکبیروں کے ذریعے اونچی آوازوں سے پکارو

اگر ایسا نہ کروگے تو میں حج ہی قبول نہیں کرونگا، صرف یہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے اب ضروری ہوگیا ہے کہ جب یہی دن آئیں نمازوں کے بعد انہی تکبیروں کے ساتھ رب کو یاد کریں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان قربانی کے دنوں میں ہم پڑھتے ہیں۔

اَللّٰہُ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ اِلا اللّٰہ واللّٰہُ اکبر اللّٰہُ اکبر وللّٰہ الحمد

تجھے کاٹنا ہوگا اب اسمٰعیلؑ کی گردن بھی قربانی کے لئے سامنے ہے۔ آنکھوں پر بھی پٹیاں ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کا پورا زور بھی صرف ہو رہا ہے۔ چھری بھی چلائی جارہی ہے۔ تمام لوازمات موجود ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی گردن پر ہاتھ لگا کر دیکھتے ہیں تو گردن صحیح وسالم ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت میں جلال آیا۔ چھری ساتھ پڑے ہوئے پتھر پر ماری۔ پتھر دو ٹکڑے ہوگیا۔ حضرت ابراہیمؑ چھری سے مخاطب ہوئے کہ اے چھری کیا بات ہے؟ تو نے پتھر جیسی سخت چیز کو تو کاٹ دیا لیکن میرے بیٹے کی نرم ونازک گردن کو نہیں کاٹ سکتی؟ پیغمبر کی یہ شان ہوتی ہے کہ اگر وہ جمادات سے بات کرے تو ان غیر جاندار چیز کو بھی نبی کی بات کا جواب دینا پڑتا ہے فوراً آواز آئی: میں کیا کروں؟

اَلْخَلِیْلُ یَاْمُرُنِیْ بِالْقَطْعِ وَالْجَلِیْلُ یَنْھَانِیْ " اے ابراہیمؑ تو ابراہیم خلیل (علیہ السلام) کہتا ہے کاٹ، اور رب جلیل کہتا ہے نہ کاٹ"

حضرت ابراہیمؑ کی طبیعت کو جلال آیا۔ کہا اے چھری! میں نے خواب میں تجھے کاٹتا ہوا دیکھا تھا۔ نہیں ...... ہرگز نہیں، یہاں بھی تجھے کاٹنا ہوگا۔

یہ کیا ہوا رب نے جبرائیلؑ سے کہا، جبرائیلؑ! میرے خلیلؑ کے جلال کو دیکھ رہا ہے؟ کہا اے خالق ومالک ضرور دیکھ رہا ہوں۔ کہا آج ایسا نظر آتا ہے کہ یہ پیغمبر بغیر قربانی دیئے واپس نہیں جائے گا۔ جبرائیلؑ! جا جنت سے دنبہ لے کر آ۔ دنبہ آگیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام برابر چھری چلا رہے ہیں۔ ہاتھ کو گرم گرم خون محسوس ہوا، چھری نے دنبہ کاٹ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا بیٹا قربان ہوگیا، کھڑے ہوئے۔ شکر الحمدللہ پڑھا اپنی آنکھوں سے پٹی کھولی، دیکھا، بیٹا اسمٰعیلؑ سامنے مسکرا رہا ہے۔ کہا!

"اے بیٹا تیرے ساتھ کیا حال ہوا؟

"ابا جان نیچے دیکھو دنبہ حلال ہوا!"

حضرت ابراہیمؑ نے نیچے دیکھا تو قدموں میں دنبہ کٹا ہوا ہے۔ بڑے حیران ہوئے یا مولیٰ! یہ کیا ہوا؟ میرے آقا یہ کیا ہوا؟ آواز آئی، میرے خلیل آج نہ پوچھ کیا ہوا؟ بس میں رب تجھ سے راضی ہوا۔

"راضی ہوا، کیسے راضی ہوا؟

اب رب کا جواب سنو!

وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝

اور ہم نے پکار پکار کر کہا اے ابراہیمؑ! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ ہم اپنے پیاروں کو ایسے ہی جزا دیا کرتے ہیں۔ ہم نے تیری آزمائش کی۔ تو نے عظیم قربانی پیش کر دی اور ہم نے تیری اس قربانی کو قیامت تک کے آنے والوں کے لئے مثال بنا دیا"

حقیقت: حضرت ابراہیم علیہ السلام بولے، اے پروردگار! یہ تو ٹھیک ہے کہ میں اس آزمائش میں کامیاب وکامران ہوا، اور تو نے اس قربانی کو مثالی قربانی بنا دیا، لیکن یہ میرا اور میرے بیٹے کا یہاں چل کر آنا، یہ میرا بچے سے اور بچے اسمٰعیلؑ کا میرے ساتھ پیار

کرنا، یہ ہم دونوں کا پٹیاں باندھنا، یہ چھری کا نہ چلنا، یہ میرا زبردستی چلانا۔ یہ دُنبے کا آکے کٹ جانا۔ یہ سب آخر کیا ہوا؟"

کہا! اے ابراہیمؑ! تم باپ بیٹا قربان گاہ کی طرف چل رہے تھے، میرے آسمان کے فرشتے آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ اے ابراہیمؑ! تونے اسماعیلؑ کی جبین کو بوسہ دیا میری حورانِ جنت نے تیری جبین کو بوسہ دیا۔ تو ابراہیمؑ! اسماعیلؑ کے قریب ہوا، میں رب تیرے قریب ہوا۔ تم نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ دی میں نے شیطان کے دور رسی باندھ دی۔ اے ابراہیمؑ تو اسماعیلؑ کی گردن پر چھری چلاتا رہا میں چھری کو نہ کاٹنے کا حکم دیتا رہا۔ ابراہیمؑ! اُدھر تیری طبیعت کو جوش آیا اِدھر ہمارے دریائے رحمت کو جوش آیا۔ تو اپنی طرف سے اسماعیلؑ کو ذبح کرتا رہا، میں اپنی طرف سے دُنبہ آگے کرتا رہا، تو نے دُنبے کو حلال کر دیا، میں نے تیری قربانی کو شامل کر دیا۔ تو نے اُٹھ کر اپنی پٹی کھولدی، میں نے ساری حقیقت کھولدی۔

واخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم

مقامِ نبوّت
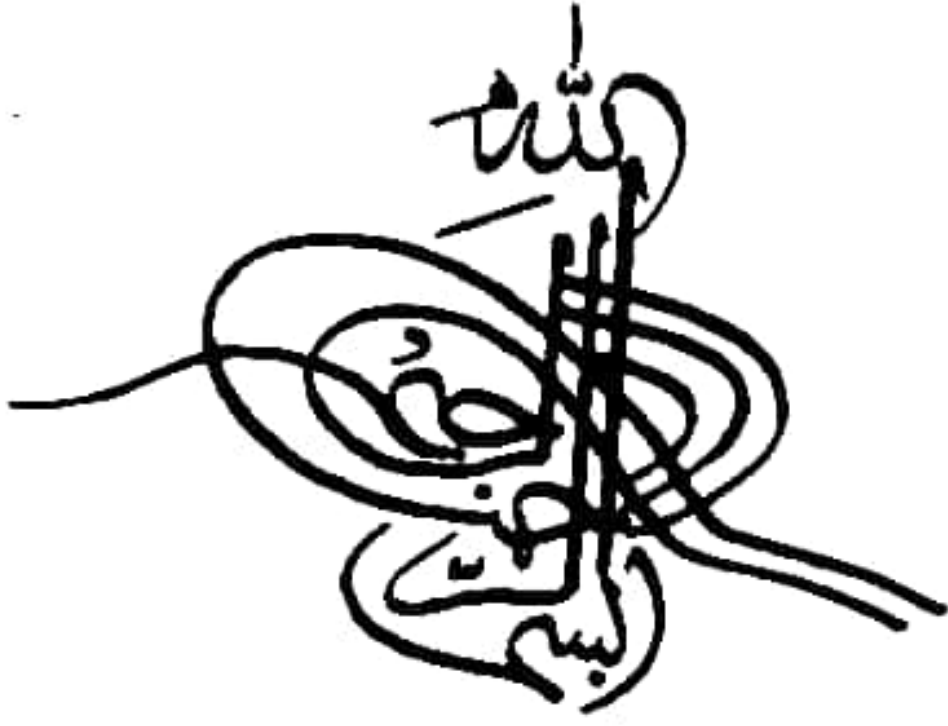
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نبی کون ہوتا ہے؟ :- ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ ہمارا خالق ہے۔ پیدا کرنے والا، بنانے والا، اور پرورش کرنے والا ہے۔ ہم میں سے اگر کوئی شخص مشین بنائے تو ہم جانتے ہیں کہ اُس مشین کے مقصد، اُس کے چلانے کے طریقے، اس میں پیدا ہونے والے نقائص اور ان نقائص کو دُور کرنے کے طریقے بھی وہی مشین کا مُوجد ہی بہتر طور پر بتا سکتا ہے۔ اسی طرح خُدا ہمارا خالق اور ہمیں بنانے والا ہے اِس لئے ہماری زندگی کا مقصد، زندگی گزارنے کے طریقے اور اس زندگی میں پیدا ہونے والی برائیاں، اور ان برائیوں کو ختم کے طریقے بھی ہمارا خالق ہی بہتر طور پر بتا سکتا ہے۔

اب اگر مشین کے بنانے والا کاریگر اگر چاہے تو اپنی مشین کی تمام معلومات خود لوگوں کو جا کر بتلائے اور اگر چاہے تو وُہ اس کام کے لئے اپنا ایک نمائندہ بنالے، اس نمائندے کو سب باتیں سمجھا دے اور یہ آگے لوگوں کو اُس مشین کے ضروری کوائف بتا دے۔ اسی طرح سے ہمارے بنانے والا خالق جسے ہم اللہ کہتے ہیں، اگر چاہے تو ہماری نفسیات، خواہشات، مشکلات اور ان مشکلات کا حل خود ہمیں بتا دے اور اگر چاہے تو اپنے کسی نمائندے کو سمجھا دے اور وُہ ہمیں بتا دے۔

لیکن اکثر ہوتا یوں ہے کہ مشین کے بنانے والا خود لوگوں کو جا کر اس مشین کے بارے میں نہیں بتاتا، کیوں کہ یہ اُس کی عزّت کے خلاف ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے نمائندے کے ذریعہ بات پہنچاتا ہے۔ خُدا ہماری تخلیق کرنے والا ہے وہ ہماری ضروریات کو اچھی طرح جانتا ہے۔

وُہ ہمارا خالق ہے اور یہ بات اس کی شانِ خداوندی کے خلاف ہے کہ وہ خالق ہوکر مخلوقات سے بات کرے اس لئے وُہ تمام اسرار و رموز اپنے نمائندے کو بتاتا ہے اور یہ نمائندہ آگے ہمیں بتاتا ہے اور اس نمائندے کو ہم نبی کہتے ہیں۔

<u>سبق پھر پڑھ</u> : اور یہ سب باتیں نبی دُنیا کے کسی سکول میں آکر نہیں پڑھتا۔ رب اُسے پڑھا کر بھیجتا ہے۔ نبی کسی کا شاگرد نہیں ہوتا، نبی سب کا اُستاد ہوتا ہے۔ تاریخ کے اوراق دیکھ لو۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے۔ کسی نے کسی سے تعلیم نہیں پائی۔ نبیوں کا پڑھانے والا، سکھانے والا، سمجھانے والا خود اللہ ہوتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ جو کچھ اللہ نبی کو پڑھا دیتا ہے وہی کچھ آگے نبی اُمت کو بتا دیتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو رب نے جو کچھ سکھایا، انہوں نے اپنی قوم کو آگے زبور کی شکل میں وہی کچھ سمجھایا، اللہ نے حضرت عیسیٰؑ کو جو تعلیم دی اُنہوں نے اپنی قوم کو وہی انجیل دی۔ خُدا نے موسیٰؑ سے جو بات کی موسیٰؑ نے آگے وہی تورات دی اور اللہ نے ہمارے نبیؐ سے جو کچھ بیان کیا ہمارے نبیؐ نے ہمیں وہی قرآن دیا۔

ہر نبی کی تعلیم میں اُس کی نبوت کا عکس نظر آتا ہے۔ نبی علم سیکھنے کے لئے نہیں، دوسروں کو عالم بنانے کے لئے آتا ہے۔ ہمارا کوئی عالم اس وقت تک عالم نہیں بن سکتا جب تک نبیؐ کی تعلیمات اُسے ازبر نہ ہوں۔ آج ہم نے علم کے معیار بدل دیئے۔ آج ہم لوگ اُسے عالم سمجھتے ہیں جو انگریزی میں مشین کی طرح بولے۔ جو جغرافیہ میں زمین کی طرح گھومے، جو منطق میں وکیل کی طرح استدلال کرے جو ریاضی میں بنیئے کی طرح حساب کرے۔

یاد رکھو! انگریزی، سائنس، منطق، طب اور ریاضی علم کی شاخیں تو ہو سکتی ہیں لیکن علم کا منبع نہیں ہو سکتیں۔ یہ جدید علوم تمہیں مادی ترقی تو دے سکتے ہیں لیکن ذہنی سکون نہیں دے سکتے۔ سائنس تمہیں ترقی یافتہ تو بنا سکتی ہے لیکن تہذیب یافتہ نہیں بنا

سکتی۔ منطق تمہیں ذہین فطین اور ظریف تو بنا سکتی ہے لیکن شریف نہیں بنا سکتی۔ شرافت کے موتی، صداقت کے نگینے، ہمدردی و محبت کے یاقوت، انصاف و عدل کے جواہر اگر مل سکتے ہیں تو دریائے نبوّت سے مل سکتے ہیں۔

ؔ سبق پھر پڑھ صداقت کا شرافت کا عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام پھر دُنیا کی امامت کا

<u>بندوں کی بندگی</u> : ہم سب نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ تمام پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی تھے۔ اپنی اپنی قوم کے لئے راہنما تھے۔ اپنے اپنے وقت کے ہادی و پیشوا تھے۔ ایمانِ مفصل اور ایمانِ مجمل میں ہم جہاں رب کی ربوبیت کا اعلان کرتے ہیں، وہاں تمام نبیوں کی نبوّت کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ اور صرف ان کی نبوّت کو ہی تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان پر نازل ہونے والی کتابوں کو بھی وحی من اللہ سمجھتے ہیں۔ مگر مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے کس نبی کی شریعت پر عمل کیا جائے؟ مختلف انبیاء کے زمانوں میں مختلف احکامات آتے رہے۔ اگر ہم تمام انبیاء کے احکامات پر عمل کریں گے تو یہ صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ اوّل تو قرآن کے علاوہ تمام آسمانی کتب اور صحائف کا ملنا مشکل ہے اگر ملیں گے تو ان میں تحریف ہوگی، لوگوں کی اپنی باتیں شامل ہوں گی۔ اور اگر ان باتوں میں سے کسی کی وضاحت اور تشریح کی ضرورت پڑے تو جن انبیاء پر یہ آسمانی کتابیں نازل ہوئیں، اُن کے اقوال ہمارے پاس نہیں۔ لازماً ہم اپنے قیاس سے کام لیں گے، جب کہ ہماری عقل خُدائی قوانین و ضوابط پر احاطہ نہیں کر سکتی۔ نتیجۃً ہمارے پاس اپنا بنایا ہوا ایسا ملغوبہ تیار ہو جائے گا جو ہم جیسے بندوں کی کاوشوں کا ثمرہ ہوگا۔ پھر ہم خُدا کی نہیں بندوں کی بندگی کریں گے۔ اور دنیا میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ جن لوگوں کا ختمِ نبوّت پر ایمان نہیں۔ ان کا بندوں کی نبوّت پر ایمان ہے۔

اور تاریخ گواہ ہے کہ جب بندہ خدا بنا تو نیل کی موجوں میں ڈوب مرا اور جب یہ
بندہ خود نبی بن بیٹھا تو بیت الخلاء میں جان نکلی۔ ختم نبوت کے سلسلے میں اس بات کو خوب سمجھ لو
کہ نبوت نفسانی خواہشات کے تابع نہیں ہوتی بلکہ نبوت انسانی خواہشات کو رب ذوالجلال
کے احکامات کے تابع بنا دیتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بشر اپنی بشری اوصاف اور عادات و
خصائل کی اتباع کرتے ہوئے بھی نبی ہو سکتا ہے۔ تو قادیانیوں نے سوچا کہ مرزا غلام احمد اپنے
بشری کردار کے مضحکہ خیز ہونے کے باوجود بھی نبی ہو سکتا ہے۔ تم نے حجت اور دلیل کا ہتھیار
تو خود انہیں پیش کیا۔ اب ان پر اعتراض کیسا؟ ایمان صرف کلمہ پڑھ لینے سے ہی مکمل نہیں
ہوتا۔ جب ہم "لا الہ الا اللہ" کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم میں سے کوئی خدا جیسا نہیں۔
اور جب "محمد رسول اللہ" کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے ہم میں سے کوئی مصطفےٰ جیسا نہیں۔

تاج و تخت ختم نبوت : تحریک ختم نبوت کے دوران آپ نے ایک نعرہ سنا ہوگا۔
تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد۔ تاج و تخت سے مراد عموماً
بادشاہی اور اقتدار لیا جاتا ہے۔ یعنی حضور کا اقتدار اور بادشاہی تا قیامت زندہ رہے گی۔
میں ایک قدم اور آگے جاتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ہے۔ فرمایا اس زمین پر انبیاء
کے اجسام حرام کر دیئے گئے ہیں اس زمین کی مٹی ہر ایک کے جسم کو کھا سکتی ہے لیکن کسی نبی کے جسم کو نقصان
نہیں پہنچا سکتی اور حضور نے مزید فرمایا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہاں نماز پڑھتے ہیں۔
آپ کہتے ہیں نبی کا تاج و تخت زندہ ہے۔ ہم کہتے ہیں نبی کا تخت بھی زندہ، نبی کا تاج بھی
زندہ، نبی خود بھی زندہ۔

سولی کی نذر کرو ۔ ہمارے نبی کے اقوال بھی زندہ، اعمال بھی زندہ۔ قرآن پاک ایک
کتاب ہے، تو نبی کی حدیث اسکی تفسیر ہے۔ قرآن ایک بیان ہے
تو حدیث اس کی تشریح ہے۔ قرآن تحریر ہے تو نبی اس کی عملی تصویر ہے۔ اس نبی کی نبوت

تمام کلیات و جزئیات سمیت زندہ ہے۔

کسی نبی کے آنے کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے، کہ پہلے نبی کی شریعت
مٹ جاتی ہے، احکامات ختم ہو جاتے ہیں، اس لئے شریعت کو پھر سے زندہ کرنے کے لئے
دوسرا نبی آتا ہے۔ یہاں شریعت بھی موجود ہے، کتاب بھی موجود ہے، احکامات بھی موجود
ہیں، ہمارے پاس نبی کے اقوال بھی موجود ہیں۔ اعمال بھی موجود ہیں۔ پھر ہمیں اس کانے نبی
کی ضرورت ہی کیوں ہو؟

اور یہ آخر شریعت میں نئی بات اور نیا حکم لایا ہی کیا ہے؟ یہ تو کہتا ہے میرے
پاس شریعت محمدی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ جب حضور کی شریعت کے علاوہ کوئی
شریعت نہیں آسکتی۔ تو حضور کی نبوت کے بعد کوئی نبوت کیسے آسکتی ہے۔ ہم اہلسنت
ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ حضور کے تاج ختم نبوت کے بعد ہر نئے نبوت کا تاج سجانے والے سر کو سولی کی نذر
کیا جائے۔

قوت و شوکت کا پیغام : آج کے دور میں مسلمانوں نے نبوت کو پرکھنے کے لئے
اپنے علم کا سہارا لے رکھا ہے حالاں کہ ہماری بصیرت
رموز نبوت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہاں چند صفات اور خصوصیات ہیں جن کی بنا پر ہم نبوت
کی عظمت کو سمجھ سکتے ہیں۔ آج کسی نے کہا کہ نبی کو وہم بھی ہو سکتا ہے۔ کسی نے کہا نبی پر جادو
غالب آسکتا ہے، کسی نے کہا نبی شیطانی خواب بھی دیکھ سکتا ہے۔ ہم میں سے جس جس کے جی میں جو
کچھ آیا اس نے نبوت کے سر تھوپ دیا، حالانکہ ہے

میں نہ ملا نہ محدث نہ امام ٭ میں نہ سمجھوں کیا ہے نبوت کا مقام
وہ نبوۃ ہے میرے لئے برگ حشیش ٭ ہو نہ جس نبوت میں قوت و شوکت کا پیغام

نبوت میں ضعیفی اور کمزوری تلاش کرنے والو! میرے نزدیک وہ نبوت، نبوت

ہی نہیں جس کی شان و شوکت سے دُنیا متاثر نہ ہو۔

نبی حق لے کر آتا ہے اور حق بذاتِ خود اتنی بڑی طاقت ہے کہ اِس طاقت کے سامنے تمام شیطانی طاقتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ ہم نے سوچا چونکہ ہم وہم و گمان کی دُنیا میں گُم ہو جاتے ہیں، ہمیں شیطان بہکا کر لے جاتا ہے شاید نبیؐ کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے۔ لیکن رب ماتھا دیکھ کر ٹیکہ لگاتا ہے۔ نبوت کا تاج اُسے پہناتا ہے جو اس کے لائق ہو۔ ہر شخص یونہی نبی نہیں ہوا کرتا۔

تحفظ دامنِ نبوت میں : نبیؐ وہ ہوتا ہے جس کے پاس حقانیت کی واضح نشانیاں ہوں۔ نبیؐ وہ ہوتا ہے جس کے پاس معجزات کی نشانیاں ہوں۔ جس کے پاس اخلاق کی جولانیاں ہوں۔ نبی وہ ہوتا ہے جس پر خدا کی خاص مہربانیاں ہوں۔ نبی وُہ ہوتا ہے کہ خدا جس کی بات سنتا بھی ہو اور اُسے اپنی بات سُناتا بھی ہو۔ جتنے بھی نبی آئے۔ جس نے جو دُعا مانگی، فوراً قبول ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ نبی نے کبھی دُعا مانگی ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایسی دُعا نہ مانگنے کا مشورہ دیا ہو۔ ورنہ خُدا اپنے محبوب انبیاء کی دعاؤں کو ہمیشہ قبول کرتا ہے۔ کون نہیں جانتا، کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک لمبے عرصہ تک تبلیغ کرنے کے بعد جب اپنی قوم کو ضدی پایا تو اُن کی بربادی کی دُعا کی، پھر کیا ہوا؟ زمین پھٹ گئی، آسمان ٹوٹنے لگا۔ زمین سے پانی اُبلنے لگا۔ آسمان سے بارش برسنے لگی، تمام اس عذابِ خداوندی میں ڈوب مرے، خدا نے اس موقع پر اپنے نبیؐ کی حفاظت کی۔ صرف اپنے نبیؐ کی نہیں اس نبیؐ کے پیروکاروں کو بھی اس عذاب سے بچایا۔

محترم سامعین! اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اپنے دامن میں آ جانے والوں کی محافظ بن جاتی ہے۔ نبوت اپنے پیروکاروں کو اگر اتنے بڑے طوفان سے بچا سکتی ہے، تو پھر سوچیے ہم بھی نبیؐ کے ماننے والے ہیں۔ ہم بیماریوں، قحط سالیوں، سیلابوں اور زلزلوں سے کیوں محفوظ نہیں؟ ہم کہتے ہیں، نبوت موجود ہے اور ہم نبوت کی پیروی کرنے والے

ہیں۔ لیکن یہ نبوت کیا ہماری حفاظت سے نعوذ باللہ عاجز آگئی ہے۔ نہیں، نبوت اب بھی ہماری ضامن ہے۔

ہم وحشی ہیں : لیکن افسوس نبوت کو نہیں سمجھا گیا، نبیؐ کے گُن گانے کی بجائے نبیؐ کی توہین کی گئی، نبوت کی عظمت کا سکہ دُنیا میں بٹھانے کی بجائے دُنیا کے سامنے اِسے رجعت پسندانہ نظریہ قرار دیا گیا۔ نبیؐ کی ذات سے محبت کرنا فرض تھا لیکن نبیؐ کی ذات میں عیب تلاش کیے گئے۔ نبیؐ کی عادات کو اپنے لیے نمونہ بنانا حکم تھا۔ لیکن نبیؐ کی عادات کو ایک شخص کی ذاتی عادات و خصائل کہہ کر اُن سے روگردانی کی گئی۔ نبیؐ کی حدیث ہمارے لئے قرآن کی تفسیر تھی لیکن حدیث پر اپنے قیاس کو ترجیح دی گئی۔ نبیؐ کی سنت زندگی گزارنے کا طریقہ تھا، لیکن سنتِ رسولؐ کو نہ صرف ترک کیا گیا بلکہ اسے اپنے طنز و مزاح، ٹھٹھے اور مذاق کا نشانہ بنایا گیا۔ کون نہیں جانتا کہ داڑھی رکھنا رسولؐ کی سنت ہے لیکن ٹیلی ویژن پر جس شخص کو بے وقوف بنا کر دکھانا ہو، اُس کے منہ پر داڑھی دکھائی جاتی ہے۔ یہ سنتِ رسولؐ کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے! نبیؐ کی سنت کی یہ بے حرمتی ہوتی دیکھی لیکن نبیؐ کے ساتھ ہماری محبت میں کچھ داغ نہ آیا۔ ہم نبیؐ کے محب تو بن بیٹھے لیکن اُس کی صحیح اطاعت کرنے والے نہ بن سکے۔ ہم نے نبیؐ کی عظمت پر تقریریں تو کیں لیکن نبیؐ کی عظمت کو دُنیا سے منوانے کی تدبیریں نہ کیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وُہ نبوت جو کسی دَور میں ہم پر رحمت کی چھت بن کر ہمیں آفاتِ سماوی و ارضی سے بچایا کرتی تھی، معلوم ہوتا ہے آج اُس نبوت نے ہم سے رُخ پھیر لیا۔ آج ہم اندھیرں میں ہیں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں لیکن کوئی تدبیر سوجھتی نہیں۔ دوسروں کو اپنا رہبر اور راہنما بناتے ہیں لیکن کوئی بات بنتی نہیں۔ ہم دَر دَر کے بھکاری بنتے ہیں، لیکن کوئی چیز ملتی نہیں۔ ہم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے ہماری نظریں جواب دے چکی ہیں۔ ہم ذہنی افکار میں گُم ہوتے ہیں لیکن ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، کبھی ہم روٹیوں کے

پیچھے بھاگتے ہیں۔ کبھی کپڑوں کی فکر کرتے ہیں، کبھی ہم پر مکانوں کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ اور ہوتا یہ ہے کہ ہم روٹی کے پیچھے دوڑتے ہیں، روٹی ہمارے آگے دوڑتی ہے، ہم جن کپڑوں کی تگ و دو کرتے ہیں اُن کپڑوں کو پہن بھی لیں تو راستے میں چلتے ہوئے ننگے نظر آتے ہیں۔ مکانوں میں ہم ضرور رہتے ہیں لیکن ہماری زندگی وحشیوں سے بھی زیادہ ہولناک ہے۔

انسان بنو : یہ باتیں صرف ربّانی ہی نہیں کہہ رہا بلکہ مغرب کی ترقی یافتہ اقوام خود یہ کہہ رہی ہیں۔

ایک انگریزی رسالے میں اُنہوں نے لکھا ہے۔

"آج انسان اتنا عقلمند اور ترقی یافتہ ہوگیا ہے کہ آسمانوں کی بلندیوں اور سمندروں کی گہرائیوں کے علوم اس پر آشکار ہوگئے ہیں لیکن یہ انسانیت کا بہت بڑا المیہ ہے کہ اس انسان کو آسمان میں پرندہ بن کر اُڑنے کا طریقہ تو آگیا ہے۔ اس انسان کو سمندروں میں مچھلی بن کر غوطہ لگانے کا طریقہ تو آگیا ہے لیکن اس انسان کو اگر نہیں آیا تو زمین پر انسان بن کر رہنے کا طریقہ نہیں آیا۔"

ہم کہتے ہیں اگر انسان بننا ہے تو آؤ اس محسنِ انسانیت کے دروازے پر کہ جس نے سسکتی ہوئی انسانیت کو اُمید کی نئی کرن دکھائی۔ جس نے روتوں کو ہنسا سکھایا، جس نے ڈوبتوں کو تیرنا اور جس نے مرتوں کو جینا سکھایا۔ جس کے سبق نے خونخوار عربوں کو تاجدارِ عرب و عجم بنا دیا۔ جس کی زندگی نے انسانی زندگی کو زندگی بخشی۔ جس کے طریقوں نے انسانوں کو جینے کا طریقہ سکھایا۔ جس کی عادتوں نے انسانوں کی عادتیں بنائیں۔ جس کی باتوں نے انسانوں کی بات بنائی۔ جس کی راتوں نے انسان کی راتوں کو سکون بخشا۔ جس کی خصلتوں نے اچھے اور بُرے کی تمیز بتائی، جس کی روایتوں نے ہدایت بتائی۔ جس کی زبان نے قرآن جیسا آفاقی کلام سُنایا جس کے سفر نے دُنیا کو ایک سفر بتایا اور جس کے قیام نے زندگی میں قیامت کا خوف پیدا کر کے

انسانیت کو معراج پر پہنچایا۔

نہ سمجھو گے تو : اس انسانیت کے عظیم محسن کو ہم اپنا نبیؐ کہتے ہیں۔ حیرانی کی بات ہے کہ ہم اسے اپنا محسن بھی کہتے ہیں اور اس کی نبوّت پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔

لیکن پھر بھی ہماری زندگیاں قلابازیاں کھا رہی ہیں۔ جس نبیؐ نے روتوں کو ہنسایا آج اُس کے ماننے والوں پر کیوں اُداسی اور مایوسیوں کے بادل چھائے ہوئے ہیں؟ جس نبیؐ نے اُجڑے گھروں میں سکون و اطمینان پہنچایا۔ جس نبیؐ نے قلوب کو مُصفّٰی ہی نہیں منوّر بھی کیا۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ آخر اُس نبیؐ کے ماننے والے آج اس قدر بے چینی اور بے اطمینانی کی زندگی کیوں گزار رہیں۔ اس نبیؐ کے ماننے والوں کی زندگیاں اتنی پریشان کیوں ہیں۔ اگر آپ غور و فکر کریں گے تو معلوم ہو جائے گا، کہ ہم نبیؐ کے ماننے والے تو ہیں لیکن نبیؐ کو جاننے والے نہیں، چونکہ ہم نبیؐ کی عظمت کو نہیں سمجھتے اس لئے نبوّت پر ہمارا ایمان کوئی معنی نہیں۔ کوئی شخص کسی چیز کو جانتا ہی نہ ہو تو اُسے ماننے گا کیا! ایک شخص کو جب اتنی خبر نہ ہو کہ جنّت خوشکن میووں اور دل لُبھانے والے باغوں کا نام ہے، یا جلا کر راکھ کر دینے والی آگ کا نام تو اس کا آخر جنّت پر ایمان لانا، کیا معانی رکھتا ہے؟ ایک شخص کو خُدا کے بارے میں، اتنا بھی معلوم نہ ہو کہ وُہ ایک ہے یا زیادہ، اس شخص کا آخر خُدا کو ماننے کا کیا مطلب؟ ایک شخص اتنا بھی نہیں جانتا کہ فرشتے خُدا کی نُوری مخلوق ہیں، اور گناہ و ثواب سے مطلق آزاد ہیں تو وہ فرشتوں کو کس حیثیت سے مانتا ہے؟ بالکل یہی حال نبوّت پر ایمان لانے کے بارے میں ہے۔ ہم ابھی تک اتنا نہیں سمجھ سکے کہ نبیؐ کون ہوتا ہے؟ نبی کی باتیں ہمارے لئے کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ نبیؐ کی ذات سے آخر ہمیں کیا تعلق ہے؟ نبیؐ ہمارے لئے کیوں ضروری ہے؟ نبیؐ کا خُدا سے کیا تعلق ہوتا ہے۔ وحی من اللہ کیا ہے؟ یہ نبیؐ کے پاس سے کیوں اور کیسے آتی ہے؟ نبیؐ کے اقوال کی حیثیت کیا ہے؟ نبیؐ کے افعال ہمارے لئے حجت کیوں ہیں؟ حقیقت یہ ہے ہم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پڑھتے ہیں، لیکن ہمیں نہ خدا کی الوہیت کا پتہ ہے، نہ رسولؐ کی رسالت کا۔ ہم کلمہ پڑھتے ہیں لیکن ہمارے اقوال اور اعمال میں کوئی مطابقت نہیں جب کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کہتے ہیں ؎

مسلمانم بلرزم لا الٰہ الا اللہ را

کہ جب میں کہتا ہوں میں مسلمان ہوں تو لا الٰہ الا اللہ کی حقیقتوں سے میرا جسم لرز جاتا ہے۔

کڑوی باتیں : حقیقت یہ ہے مسلمانو!

سچ بات بہت کڑوی ہوتی ہے، مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آج رسولؐ کی رسالت کو اتنا بھی نہیں سمجھا گیا، جتنا ابوجہل سمجھتا تھا۔ ابوجہل یہ جانتا تھا کہ جب میں محمد رسول اللہ پڑھ لوں گا، پھر میں رسول کے سوا کسی کی پیروی نہ کر سکوں گا۔ آج ہم محمد رسول اللہؐ پڑھتے ہیں لیکن رسولؐ کی شریعت کو چھوڑ کر ہم کئی راہنماؤں اور لیڈروں کی پیچھے چل رہے ہیں، ان کی پیروی کر رہے ہیں، ان کے نعرے لگا رہے ہیں۔ ان کے نظریات اپنا رہے ہیں۔ اُن کے لباس کی نقل کر رہے ہیں۔ ابوجہل یہ جانتا تھا کہ اگر میں نے اس رسول کی اطاعت کا اقرار کر لیا تو مجھے ہر گناہ اور برائی کو چھوڑنا پڑے گا۔ ابوجہل جانتا تھا اگر اس رسولؐ کے نام کو دل میں جگہ دی تو پھر دُنیا کی ہر چیز کی محبت کو دل سے نکالنا ہوگا۔ ہم آج رسول کے ساتھ اپنی محبت کے دعوے بھی کرتے ہیں لیکن دل میں مال، اولاد، زیور، جائیداد، جاگیر، زمین، پیسہ، دولت، اور نہ جانے کن کن چیزوں کی محبت کو اپنے سینوں میں سجائے ہوئے ہیں۔ ہم آج اس رسول کی رسالت کا اقرار بھی کرتے ہیں، لیکن چھوٹے بڑے گناہ بھی کرتے ہیں۔ رسولؐ کو بھی مانتے ہیں، دھوکہ بھی کرتے ہیں۔ رسول کو بھی مانتے ہیں، جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ رسولؐ کو بھی مانتے ہیں قتل و غارت بھی کرتے ہیں۔ رسولؐ کو بھی مانتے ہیں آبروریزیاں اور ظلم بھی کرتے ہیں۔

مسلمانو! سوچو کہ ہم نے رسولؐ کی رسالت اور نبیؐ کی نبوت کو ماننے کا حق کہاں

تک ادا کیا؟

ہم نے صرف اپنے اعمال اور کردار سے ہی رسالت کو نہیں جھٹلایا بلکہ ہمارے فضلاء، ادباء اور علماء نے نبوت کی ایسی تاویلیں پیش کیں، کہ سُن کر ان کی عقل پر رونا آتا ہے۔ انہوں نے کہا نبیؐ کی ہر بات قابلِ اطاعت نہیں، کیوں کہ نبی کے ذاتی مراسم اور ذاتی تعلقات اُمت کیلئے حجت نہیں۔

میں کہتا ہوں نبی کی ذات ہوتی ہی اُمت کو سمجھانے کے لئے ہے۔ اِس لئے نبیؐ نے جو کام بھی کیا وہ ہمارے لئے خُدا کا حکم ہوگیا۔ اگر نبی نے اپنے مراسم اور ذاتی تعلقات سے کام لیا تو ہمیں سمجھانے کے لئے کہ اے لوگو! اگر تمہیں اپنی زندگیوں میں ایسے معاملات پیش آئیں تو میرا نمونہ اختیار کرو۔ اور ہر کام میں میری پیروی کرو۔

مرتدین : آج لوگوں نے شریعت میں بھی اپنی تاویلیں کیں، اور نبوت کو بھی اپنے قیاس سے داغدار کیا۔ انہوں نے کہا نبی کی زندگی کے بعد نبی کی ذات ختم ہو جاتی ہے۔ انہوں نے کہا نبی ختم ہو گیا۔ تو مرزا غلام احمد نے سوچا! اچھا نبوت کی کُرسی خالی ہو گئی۔ میں کیوں نہ بیٹھ جاؤں۔ چنانچہ وہ نبوت کا دعوےٰ کر اُٹھا اور اُس نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنا ایک گروہ بنا لیا۔ میں پوچھتا ہوں۔ یہ ہزاروں لوگ جو مرزائی ہیں اور تمہارے شہروں میں دندنا رہے ہیں۔ یہ آج سے دو سو برس پہلے کیا تھے؟ یہ مسلمان تھے انہوں نے شریعتِ محمدی کی کھُلی خلاف ورزی کی۔ دینِ محمدی سے پھر گئے۔ مرتد ہو گئے۔

مرزائیت اور اس کا علاج : آج ہمارے علماء بھی اور ہمارے عام مسلمان بھائی بھی بڑے خوش ہیں کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں انہیں غیر مسلم کہہ دینے سے انہیں کونسی سزا ملی ہے۔ یہ تو نظریہ کی بات ہے۔ ہم پہلے بھی انہیں غیر مسلم کہتے تھے۔ اب بھی کہتے ہیں، اور وہ ہمیں

پہلے بھی غیر مسلم سمجھتے تھے۔ اب بھی سمجھتے ہیں۔ آخر اس قانون سے کیا تبدیلی آئی ہے؟ آپ کہیں گے۔ اب وہ قانونی طور پر مسلمانوں سے علیحدہ ہوگئے ہیں۔ لیکن مجھے بتایئے عملی طور پر وہ کس شعبے سے آپ سے علیحدہ ہوگئے ہیں۔ فوج میں وہ موجود ہیں۔ کلیدی اسامیوں پر وہ فائز ہیں۔ اپنے نظریات کی تبلیغ کرنے کی انہیں اجازت ہے۔ ہر قسم کی تجارت وہ کرسکتے ہیں وہ تمہارے شہروں میں رہتے ہیں۔ تمہارے ہاتھوں سے لین دین کرتے ہیں۔ تمہاری طرح حکومت کی سہولتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ پھر وہ تم سے علیحدہ کیسے ہوگئے؟ یہ تو اُلٹا انہیں تم نے ایک قانونی تحفظ دیا ہے کہ اب اگر کوئی مرزائی کسی مسلمان سے جھگڑا کرے تو مرزائی غیر مسلم اقلیت والے قانون کا سہارا لے کر کہہ سکتا ہے کہ اکثریت والے نے اقلیت والے پر زیادتی کی ہے مجھے بتایئے کہ انہیں غیر مسلم کہہ دینے سے آخر مسلمان قوم کو کیا فائدہ ہوا؟ مرزائی پہلے بھی اپنے آپکو مسلمان کہتے تھے۔ اب بھی جس فارم پر لکھنا ہو وہ مسلمان لکھیں گے۔ آخر تم نے ان کا کیا بگاڑ لیا ہے؟ اور خوب غور سے سنیئے۔ اسلامی حکومت میں غیر مسلم اقلیت کو کبھی اپنی فوج میں نہیں رکھا جاتا۔ غیر مسلم افراد چاہے کتنے ہی قابل اور صلاحیت والے کیوں نہ ہوں اسلام ان کی مسلمانوں کے ساتھ وفاداری پر یقین نہیں رکھتا۔ جو شخص مسلمانوں میں رہ کر اسلام کی سچائی کو تسلیم نہیں کرتا وہ آخر مسلمان کی بھلائی کے لئے کیسے کام کرے گا؟ تاریخ اسلام اُٹھا کر دیکھ لو کبھی کسی اسلامی حکومت نے اپنی فوج میں غیر مسلموں کو نہیں رکھا۔ اسلام میں اقلیتوں سے دفاعی خدمات کے عوض کچھ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ اسے ہم خراج کہتے ہیں۔ مگر تم نے مرزائیوں کو غیر مسلم تسلیم کیا ہے تو بتایئے ان سے کون سا خراج آپ وصول کر رہے ہیں؟ میرے نزدیک انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینا کوئی بڑا کارنامہ نہیں۔ یہ لوگ پہلے مسلمان تھے دینِ اسلام سے پھر گئے۔ اور جو دینِ اسلام میں شامل ہونے کے بعد اسے چھوڑ دے اُسے ہم مرتد کہتے ہیں۔ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے بہتر تھا ______

کہ انہیں مُرتد قرار دیتے۔ یاد رکھو! اسلام کافر کو برداشت کرسکتا ہے لیکن مرتد کو برداشت نہیں کرسکتا۔ کیا آپکو معلوم نہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتدین سے کیا سلوک کیا تھا؟ ایک اسلامی حکومت کیلئے قادیانی مسئلہ اب بھی ویسے کا ویسا ہے۔ اسلامی حکومت کے قیام پر آپکو سوچنا پڑے گا کہ ان مرتدینِ اسلام کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ سوائے اس کے میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ انہیں پھر سے دین کی دعوت دی جائے جو لوگ اسے قبول کریں اور اپنے ارتداد سے توبہ کریں۔ اُن کی جان بخشی ہو باقی سب کی گردنیں اڑا دی جائیں۔

رسالت کی جلالت : میرے محترم سامعین!

ختمِ نبوت کے نعرے لگانا آسان ہیں لیکن ختمِ نبوت کی روح کو سمجھنا مشکل۔ ختمِ نبوت کو آپ یہی سمجھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد اس دُنیا میں کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نہیں ایسا نہیں، نبی آئے گا ضرور۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے۔ وہ آئیں گے۔ ہمیں یہ کہنا چاہیئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے بعد اب کوئی ماں کا لعل نبی بن سکتا ہی نہیں۔ بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آئینگے تو اپنی شریعت اور اپنی انجیل لے کر نہیں وہ بھی حضورؐ کی شریعت لے کر آئیں گے۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تورات کے چند اوراق لے کر دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انہیں پڑھنا شروع کیا۔ صحابہ بھی موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ صحابہ کرام جانتے تھے کہ حضورؐ کو جب کوئی بات ناگوار گزرتی ہے تو آپ کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل تورات کے ورق اُلٹتے جاتے اور پڑھتے جاتے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے عمرؓ! دیکھتے نہیں حضور علیہ السلام کا چہرہ متغیر ہو رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے تورات بند کی اور کہنے لگے یا رسول اللہ فداک ابی وامی، میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں یہ تورات بھی اللہ کا کلام ہے، قرآن بھی اللہ کا کلام ہے۔ یہ کتاب بھی رسولؐ پر نازل ہوئی۔ قرآن بھی رسول پر نازل ہوا۔

یہ بھی اللہ کی طرف سے وحی ہے، قرآن بھی اللہ کی طرف سے وحی ہے۔ یہ سُن کر میرے نبی کی رسالت والی جبین پر جلالت آئی۔ فرمایا: اے عمرؓ تو کہتا ہے، یہ بھی اللہ کا کلام اور قرآن بھی اللہ کا کلام۔ خُدا کی قسم اگر موسیٰ پیغمبر بھی آج آجائے تو وُہ بھی اپنی بنی اسرائیل کی قوم کا نبی بن کر نہیں آئے گا۔ اگر آئے گا، تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اُمتی بن کر آئے گا۔

کلمہ خُود پڑھو : یہ تو ایسی نبوت ہے کہ اس نبوت کے بعد کسی نبوت کا تصور ہی محال ہے

آج ہم نبی کی سیرت کے جلسے تو کرتے ہیں لیکن نبوت کی عظمت سے ناآشنا ہیں۔ ہمارا حال اُسی پٹھان کا سا ہے۔ جس نے ایک مولوی صاحب سے سُن لیا کہ جو شخص کسی کافر کو کلمہ پڑھائے گا، سیدھا جنت میں جائے گا۔ پٹھان نے سوچا یہ تو جنت میں جانے کا بڑا آسان نسخہ ہے۔ فوراً بازار میں جا کر ایک ہندو کو جا دبوچا۔ اُتار جُوتا ہندو کے سر پر شروع۔ ہندو شور مچا رہا ہے، ہاتھ جوڑے جا رہا ہے۔ خانصاحب کیا قصور ہو گیا؟ اور خانصاحب ہیں کہ کہے جا رہے ہیں۔ او کافر کا بچہ پڑھو کلمہ، فوراً پڑھو، جلدی پڑھو۔ پہلے ہندو نے کچھ تأمل کیا۔ آخر ڈنڈا پیرے وگڑیاں تگڑیاں وا۔ ہندو کلمہ پڑھنے پر راضی ہوا، اور کہا خانصاحب ٹھیک ہے۔ پڑھاؤ کلمہ، ہم پڑھتا ہے۔ اِدھر خانصاحب کہتے ہیں او خوچہ! ہمیں بھی نہیں آتا ہے خود کلمہ پڑھو۔

ہمارا حال بالکل وہی ہے۔ خود تو نبوت کی عظمت کو سمجھتے نہیں اور دوسروں کو سمجھاتے پھرتے ہیں۔ مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ نبوت کے تمام راز اور علوم کو ہمارا تمہارا ذہن احاطہ نہیں کر سکتا نبی کی باتیں یا نبی جانے یا نبی کو نبی بنانے والا جانے۔ ہمارے لئے جتنا جاننا ضروری ہے، افسوس کہ ہم وہ بھی نہیں جانتے۔

یہاں پیمانے نہیں چلتے : ایک طرف اتنی جہالت کہ کچھ معلوم نہیں، دوسری طرف یہ عالم کہ نبوت کی نعوذ باللہ تراش خراش کی جاتی ہے۔

ہم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے نبوت پر ایمان لانے کو ایک کھیل سمجھ لیا ہے۔ جس نے جس ذہن سے نبوت کے بارے میں سوچا نبی کے بارے میں وہی اپنا ایمان بنا لیا۔ کئی لوگوں نے نبی کے علم کی جانچ پڑتال شروع کر دی۔ کسی نے کہا نبی کو اتنا علم تھا جتنا تمام مخلوقات کے لئے ضروری ہے۔ کسی نے کہا نبی صرف اتنا جانتے تھے جتنا جبرائیل نے بتایا۔ کسی نے کہا حضورؐ کا علم صرف اتنا تھا جتنا قرآن اور پچھلی تمام کتابوں میں تھا۔ کسی نے کہا حضورؐ صرف اتنا جانتے تھے، جتنا امتِ مسلمہ کی ہدایت کے لئے ضروری تھا۔ مَیں کہتا ہوں، آخر تمہیں نبی کے علم کی پیمائش کرنے کا پیمانہ ملا کہاں سے ہے؟ ہمارا نبوت کے بارے میں تحقیق و جستجو کرنا فضول ہے کیونکہ ہماری عقل چھوٹی ہے۔ اور نبوت کا دائرۂ فکر تمام کائنات پر محیط، ہماری فکر محدود ہے اور نبی کی پہنچ لامکاں تک۔ ہم سوچتے ہیں یہ ہمارا ایک فکری کام ہوتا ہے لیکن جب نبی سوچتا ہے تو رب کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ ہمیں نبوت کے بارے میں اتنی ہی بات جان لینا کافی ہے، کہ نبی ہمارا راہبر ہے وہ جو کہے برحق ہے باقی کوئی کہے سب شک ہے۔

عقل کے ترازو میں نہ تول : نبی کے کسی قول کو ہم اپنی عقل کے ترازو میں تولیں، یہ ایمان کے خلاف ہے۔ جنت دوزخ، کوثر، فرشتے۔ عزرائیل و جبرائیل وغیرہ سب ایسی چیزیں ہیں۔ جو ہماری عقل اور بصیرت کے دائرے میں نہیں آتیں یہ سب چیزیں غائب ہیں۔ ہم میں سے کسی نے انہیں نہیں دیکھا۔ لیکن ہم سب ان پر ایمان لاتے ہیں۔ اسی طرح اگر نبوت کے اسرار و رموز اور نبی کے اقوال و اعمال ہماری سمجھ میں نہ بھی آئیں جب بھی ہمیں ان کی پیروی اور اطاعت کرنی ہوگی۔ کیونکہ ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہو، اُسی کے گُن گاؤ۔ جس نبی کا نام لیتے ہو۔ اُسی کا طریقہ اپناؤ۔ جس نبی کی تعریف کرتے ہو، اُسی کے حکم کی تعمیل کرو۔ جس نبی کی مدح کرتے ہو اُسے ہی عظیم سمجھو، جس کے نام لینے سے تمہاری روح کی میل دُھلتی ہے۔ اُسی کے کام کے مطابق تمہاری

زندگی ڈھلنی چاہیئے۔ جس کا نام تمہارے لئے باعثِ فخر ہے اُسی کا کام بھی تمہارے لئے باعثِ فخر ہونا چاہیئے۔ جس نبی کے نام پر تم جان دینے کے لئے تیار ہو، اس نبی کی شریعت کے مطابق تمہاری جان نکلنی بھی چاہیئے۔ کیونکہ یہ نبی ہماری ہدایت اور راہ نمائی کے لئے آیا۔ اگر زندگی کے ہر شعبے میں ہم نے اس نبی سے ہدایت نہ لی تو نبوت پر ہمارا ایمان پختہ نہ ہوگا۔

نبی سراپا ایمان : افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے نوجوان بھائیوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ ایک مسلمان کے ایمان کا نبی سے کیا تعلق ہوتا ہے؟ ایک دفعہ کالج کے چند لڑکوں کے ساتھ ——— ریل میں ملاقات ہوئی۔ پہلے تو مجھے دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ ہم بھی نوجوان ہیں کہ ہر قسم کا فیشن اور جدت پسندی ساتھ رکھتے ہیں۔ پتلونیں۔ پتلونوں میں شرٹیں۔ بڑے بڑے بال داڑھی مونچھیں صاف۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ مہذب اور تہذیب یافتہ اور یہ بھی ایک نوجوان ہے کہ سر پر ٹوپی۔ مولویوں والی داڑھی۔ قوم کا پُرانا قومی لباس، ہاتھ میں تسبیح۔ بڑا عجیب نوجوان ہے۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ میں بھی کچھ بات کرنا جانتا ہوں تو کہنے لگے! مولانا آپ کا تعارف! میں نے کہا "بھائی مجھے جاننا اتنا ضروری نہیں جتنا خدا اور رسول کا جاننا ضروری ہے۔" بڑے برہم ہوئے کہنے لگے اچھا ہمیں خدا اور رسولؐ کا بھی پتہ نہیں۔ ایک کہنے لگا مولانا۔ آپ کیا سمجھتے ہیں۔ آپ لوگوں نے خدا رسول کو خرید رکھا ہے، کہ آپ ہی جانتے ہیں، اور کوئی نہیں جانتا۔ میں نے کہا۔ بھائی ناراض کیوں ہوتے ہو؟ میں نے تو اس لیے پوچھا ہے کہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہیں، شاید میری معلومات میں کچھ اضافہ ہو جائے۔ اس پر بڑے خوش ہوئے۔ پھر میں نے پوچھا۔ خدا اور رسول کیا ہیں؟ کہنے لگے۔ جی خُدا کو تو ہر کوئی جانتا ہے۔ میں نے کہا اچھا! پھر رسول کون ہوتا ہے؟ اجی وہ ایک انسان ہوتا ہے۔ میں نے کہا کیسا ہوتا ہے؟ کہا بس وہ نیک آدمی ہوتا ہے۔ شریف ہوتا ہے۔ کہتا ہے۔ نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج کرو۔

مسلمانو! اس سے اندازہ کرو کہ ہماری نوجوان نسل کہاں جا رہی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو اتنا پتہ نہیں ہے، کہ نبی اُمت کا ہادی و پیشوا ہوتا ہے۔ نبی خُدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ نبی کی ہر بات حق ہوتی ہے۔ نبی کا ہر عمل حُجت ہوتی ہے۔ اِن تمام باتوں کا انہیں کوئی علم نہیں۔ وہ تو صرف اتنا جانتے ہیں: کہ نبی نیک ہوتا ہے۔

میرے نوجوان دوستو!

نبی صرف نیک نہیں ہوتا بلکہ نبی خود سراپا نیکی ہوتا ہے۔ نبی صرف سچا نہیں ہوتا نبی خود ایک مجسم حق ہوتا ہے۔ نبی صرف عادل نہیں۔ نبی خود معیارِ عدل ہوتا ہے۔ نبی قاری نہیں، نبی قرآن ہوتا ہے۔ نبی مومن نہیں، نبی ایمان ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰسٓ ۔ والقرآن الحکیم

قرآن

اور

قرآن والا
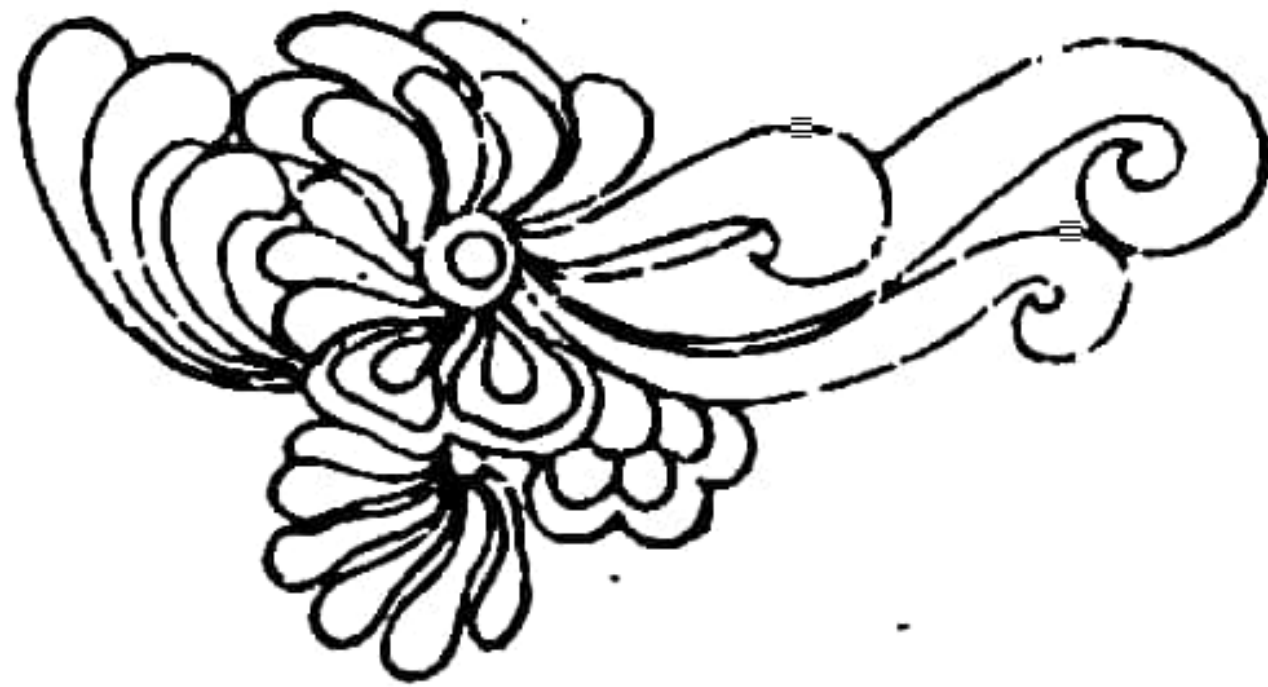
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سب کے لئے سب کچھ: محترم سامعین!

اِس وقت دُنیا میں طب، حکمت، ریاضی، علوم وفنون، منطق، فلسفہ، سائنس، فقہ، قانون، تاریخ، جغرافیہ اور دوسرے تمام مضامین کی لاکھوں اور اربوں کتابیں موجود ہیں لیکن یہ سب کتابیں ایک طرف اور ایک قرآن مجید ایک طرف۔ دُنیا کی یہ سب کتابیں ہماری زندگی کے کسی ایک حصّے کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ طب وحکمت کی کتابیں صرف جسمانی بیماریوں اور اُن کے علاج اور نسخہ جات بتاتی ہیں۔ ریاضی کی کتابیں صرف شماریات بتاتی ہیں۔ منطق کی کتابیں صرف استدلال کرنا سکھاتی ہیں۔ فقہ کی کتابیں صرف فقہی مسائل کا تذکرہ کرتی ہیں۔ تاریخ کی کتابیں صرف گئے گزرے زمانے کے واقعات سناتی ہیں۔ لیکن قرآن مجید ان سب کتابوں پر حاوی ہے۔ یہ کتاب فقہ میں مسائل کی بنیاد ہے، منطق میں مضبوط استدلال ہے۔ فلسفے میں گہری فکر ہے و سائنس میں خود کائنات کے موجد کی تھیوری ہے، قانون میں صداقت ہے۔ ادبیات میں غضب کی شیرینی وحلاوت ہے، تاریخ میں عبرت کا سبق ہے، دینیات میں حق ہے، سیاسیات میں امام ہے، معاشیات میں زکوٰۃ کا نظام ہے۔ معاملات میں شرافت ہے۔ غرض کہ ہر مضمون اور ہر عنوان میں قرآن جڑا ہے۔ ڈاکٹر ہو یا وکیل، مزدور ہو یا مستری، امیر ہو یا غریب، اُستاد ہو یا شاگرد، واعظ ہو یا نعت خوان، انجینئر ہو یا مکینک، تاجر ہو یا محنت کش، مرد ہو یا عورت

ان پڑھ ہو یا عالم، بڑا ہو یا چھوٹا، سب کے لئے قرآن ہدایت ہے۔ سب کے لئے صراطِ مستقیم ہے۔ سب کے لئے حجت ہے۔ سب کے لئے راہِ نجات ہے۔ سب کے لئے سب کچھ ہے۔

بنایا بھی سمجھایا بھی : اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ باقی سب کتابیں ہماری مکمل راہ نمائی کیوں نہیں کرتیں اور یہ قرآن مجید سب کو نجات کا راستہ کیسے دکھاتا ہے! فرق صرف اتنا ہے۔ کہ باقی سب کتابیں ہماری اپنی بنائی ہوئی ہیں۔ لیکن قرآن مجید اُس کا بنایا ہوا ہے جس کے ہم بنائے ہوئے ہیں۔ جس نے ہم سب کو بنایا۔ اُسی نے ہم سب کو بچایا۔ جس نے ہمیں پیدا کیا، اُسی نے ہمیں جینے کا طریقہ سکھایا۔ جس نے ہمیں رزق دیا اُسی نے ہمیں حلال وحرام کا فرق بتایا۔ جس نے ہمیں عقل دی اُسی نے ہمیں علم دیا۔ جس نے ہماری تقدیر بنائی اُسی نے ہمیں تدبیر بتائی۔ جس نے ہمیں تاج پہنایا، اُسی نے ہمیں راج سکھایا۔ جس اللہ نے ہمیں جیسے بنایا اُسی اللہ نے ہمیں ویسے سکھایا۔ جس اللہ نے ہماری خلقت کا سامان کیا اُسی اللہ نے ہماری ہدایت کا سامان کیا۔ قرآن مجید سراسر ہدایت ہے صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں، صرف انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر مخلوق کے لئے ہدایت ہے۔

فرشتوں کی محفلِ سماع :- کیوں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اللہ کے کلام کی یہ شان ہوتی ہے، کہ وہ کائنات کے ہر ذرّے کی راہ نمائی کرتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی۔ اُس زمانے میں پہاڑوں اور درختوں کے لئے خدا کا حکم تھا۔ "یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ" کہ اے پرندو اور پہاڑو میرے پیغمبر داؤدؑ کی زبان سے جو کلام نکلتا ہے۔ اُسے سُنو۔ قصص الانبیاء میں ہے جب حضرت داؤد علیہ السلام دریا کے کنارے زبور کی تلاوت کرتے تو بہتا ہوا دریا رُک جاتا تھا۔ جس درخت کے نیچے بیٹھ کر

پڑھتے وہ درخت جُھک جاتا تھا۔ آسمان کے پرندے زبور سن کر نیچے اُتر آتے تھے۔ گزرتے ہوئے جانور باادب بیٹھ کر سننے لگتے تھے۔ لوگ جوق درجوق آکر زبور کی سماعت کرتے تھے۔ زبور کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ یہ اللہ کا کلام تھا۔ یہ "وحی من اللہ" تھی۔ لیکن اب زبور کتاب بھی جاتی رہی اور حضرت داؤدؑ کی شریعت بھی جاتی رہی۔ اب ہمارے نبیؐ کی شریعت کے بعد کسی کی شریعت نہیں ...... اور قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں۔ جیسے کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا۔ ویسے کوئی دوسری آسمانی کتاب نہیں آسکتی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زبور کو سُننے کے لئے تو رب نے جانوروں، پرندوں اور پہاڑوں تک کو حکم دے رکھا تھا لیکن قرآن کے سُننے کے لئے کیا حکم ہے؟ ایک دفعہ حضرت اسید بن حضیرؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی حضور! میں اپنے کمرے میں تلاوت کر رہا تھا۔ باہر حویلی میں میرا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ اور ساتھ پنگوڑے میں میرا بچہ سویا ہوا تھا۔ جونہی میں نے اندر تلاوت شروع کی باہر میرا گھوڑا بدکنے لگا۔ میں نے تلاوت کو بند کیا، اور اس خیال سے کمرے سے باہر آنے لگا کہ کہیں گھوڑا بچے کو نقصان نہ پہنچائے۔ لیکن جونہی میں نے تلاوت روکی، گھوڑے نے بدکنا بند کر دیا میں باہر نہ گیا، میں نے پھر قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ گھوڑے نے پھر بدکنا شروع کر دیا۔ فرماتے ہیں آخر میں اپنے کمرے سے باہر آیا۔ میں نے دیکھا کہ میری حویلی سے آسمان کی طرف ایک لمبی قطار بنی ہوئی ہے۔ اور سورج کی کرنوں سے زیادہ تیز روشنیاں ہیں جو میری حویلی سے آسمان کی طرف جا رہی ہیں۔ یہ سُن کر میرے نبیؐ مُسکرائے۔ فرمایا۔ اے اسید بن حضیرؓ جب تو قرآن پڑھ رہا تھا فرشتے تیری تلاوت سُننے آرہے تھے۔ جب تو تلاوت روک کر باہر آرہا تھا۔ یہ فرشتے واپس جا رہے تھے۔"

محترم سامعین !

اس واقعہ سے خوب سمجھ آسکتی ہے۔ کہ اگر زبور پڑھی جائے تو پرندوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ بھی آکر سُنیں۔ اگر زبور پڑھی جائے تو جانوروں کے غول کے غول بھی آکر سنیں، اگر زبور

پڑھی جائے تو انسان تو کیا دستے کے دستے بھی آکر سنیں۔ لیکن اگر قرآن مجید پڑھا جائے تو یہ زمینی مخلوق تو کیا؟ آسمانی فرشتے بھی آکر سنیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قرأت : کیوں کہ قرآن مجید ایک ہمہ گیر کتاب ہے۔ یہ کتاب زمین و آسمان کے وسیع و عریض محیط کو بھی احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یا آسان لفظوں میں یوں کہہ لیجئے۔ جہاں تک خُدا کی خدائی ہے وہاں تک قرآن کی راہ نمائی ہے۔ اب قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے قرآن راہ نما ہے۔ کوئی ولی ہو یا عابد۔ کوئی زاہد ہو ——— یا متقی۔ کوئی نمازی ہو یا غازی، کوئی قطب ہو یا ابدال سب کے سب اسی قرآن کے محتاج ہیں۔ اس قرآن مجید سے راہنمائی حاصل کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ تورات کے چند اوراق لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ کے سامنے تورات پڑھنے لگے۔ اِدھر حضرت عمرؓ تورات کے ورق پلٹتے جاتے تھے۔ اُدھر میرے نبیؐ کے چہرے کے اثرات بدلتے جاتے تھے۔ آپ کا چہرہ لال سُرخ ہوگیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب کوئی بات ناگوار گزرتی تو آپکا چہرہ مبارک سُرخ ہوجایا کرتا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ ساتھ بیٹھے تھے۔ کہا اے عمر! تیرے ماں باپ ہلاک ہوں۔ تو نبیؐ کے چہرے کو تو دیکھ۔ حضرت عمرؓ نے سر اُٹھا کر دیکھا رسالت کے چہرے پر جلالت کے آثار نظر آئے۔ تورات کو فوراً بند کیا۔ اور کہا حضور! یہ تورات بھی تو اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ یہ بھی خُدا کا کلام اور قرآن بھی خُدا کا کلام۔ یہ بھی نبی پر اُتری، قرآن بھی نبی پر اُترا۔ یہ بھی وحی کے ذریعہ آئی، قرآن بھی وحی کے ذریعہ آیا۔ یہ بھی جبرائیلؑ لے کر آئے۔ قرآن بھی جبرائیلؑ لے کر آئے۔ یہ سُن کر حضورؐ کی زبانِ نبوت نے جنبش لی۔ فرمایا عمر! تم کہتے ہو یہ بھی نبی لے کر اور قرآن بھی نبی لے کر آیا۔ یاد رکھو! اگر آج موسیٰؑ بھی یہاں آجائے تو وُہ اپنی اس تورات کا ہادی بن کر نہیں آئے گا۔ اگر آئے گا

تو میرے قرآن کا قاری بن کر آئے گا۔

آغاز : معلوم ہُوا قرآن کریم دوسری آسمانی و الہامی کتابوں اور صحیفوں سے اعلیٰ ہے۔ دوسری کتابوں کے احکامات منسوخ و متروک ہوچکے اور اس قرآن کے احکامات مقرر و متعین ہوچکے۔ ایسی عالمگیر کتاب کے لئے ضروری تھا، کہ اس کتاب میں ایسی خوبیاں ہوں جو اس کتاب کی حقانیت کو ثابت کریں۔ قرآن پاک آج بھی انہیں خوبیوں کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے جو خوبیاں اس کا زیب ہیں۔ دُنیا کی کتابیں انفرادی، کتابیں ہیں، یا اجتماعی کتاب ہے۔ اس لئے اس کتاب کا طرز بیان دنیا کی کتابوں سے بالکل مختلف ہے۔ تمام کتابیں جتنی بھی آج کل لکھی جاتی ہیں، ان کی جلد پر کتاب کا نام، مصنف کا نام، پھر کسی بڑے آدمی کی طرف سے اس کتاب کی تعریف اور دعائیہ کلمے ہوتے ہیں۔ دوسرے صفحے پر مصنف خود ایک چیز لکھتا ہے جسے ہم اکثر دیباچہ، پسِ منظر، یا ابتدائیہ کے عنوانوں سے پڑھتے ہیں۔ اس میں ہوتا کیا ہے؟ اس میں کتاب لکھنے والا اپنی کتاب کے لکھنے کا مدعا اور منشاء لکھتا ہے۔ جن لوگوں کے لئے یہ کتاب مفید ہوتی ہے۔ اُن لوگوں کی خواہشات کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور آخر میں یہ بھی لکھ دیتا ہے، کہ میں نے اپنی طرف سے اس کتاب کو خوب سے خوب بنانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اگر اس میں کوئی خامی رہ گئی ہو یا کوئی بات غلط لکھی گئی ہو تو اصحاب الرائے لوگوں سے التماس ہے کہ مجھے اُس غلطی کے بارے میں آگاہ فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس غلطی کا ازالہ ہوسکے۔ یہ طریقہ ہر کتاب میں اختیار کیا گیا ہے۔ جو کتاب بھی آپ اُٹھائیں گے، اسکی ابتداء میں کم و بیش آپکو یہی ابتدائیہ اور دیباچہ نظر آئے گا۔ لیکن کیا قرآن مجید کا ابتدائیہ بھی ایسا ہی ہے؟ نہیں۔ آپ قرآن مجید اُٹھا کر دیکھیں، پہلے صفحے پر سورۂ فاتحہ گویا ایک قسم کی دُعا ہے۔ دوسرے صفحے پر قرآن کے ابتدائیہ کے پہلے الفاظ ہیں:۔ الٓمٓ۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ کہ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کے پورے تیس پاروں

میں کہیں چھوٹی سی غلطی کی بھی گنجائش نہیں۔

آپ دیکھ لیں قرآن کس یقین کے ساتھ بات کر رہا ہے۔ ایسا یقین آپکو دُنیا کی کسی کتاب میں نظر نہیں آئے گا۔ رب العزت نے اپنی کتاب کا آغاز ہی ایسے دعوے سے کیا کہ دُنیا کا کوئی مصنف ایسا دعوےٰ کر سکتا ہی نہیں۔

آسان کام : لیکن چونکہ یہ دُنیا کی عادت رہی ہے کہ ہر چیز پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ جو چیز اعتراض کے قابل نہ ہو۔ اس پر بھی اعتراض اور تنقید کی جاتی ہے۔ کیونکہ سب سے آسان کام ہی دُنیا میں صرف تنقید کرنا ہے۔ کوئی کتنا ہی بڑا اور اچھا کام کیوں نہ کرے، اس کام کو غلط کہنے والے ہمیشہ موجود ہوں گے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ کہنے والے خود غلط ہوں، لیکن صحیح کو غلط کہنے والے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں۔ قرآن مجید نے اپنی صداقت کا واضح ترین دعویٰ کیا اور اس دعوے کو آج تک کوئی جھٹلا نہیں سکا۔ یہ دعوے مکہ کے قریش نے بھی سُنا۔ قرآن سے کوئی غلطی تو وہ لوگ نہ نکال سکے البتہ انہوں نے اس قرآن پر اعتراض کرنے کے دوسرے طریقے اختیار کئے۔

لوہار نہیں، سنار : وہ لوگ جانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی سکول میں نہیں پڑھے۔ ہمیشہ اُنہی کے شہروں میں رہے ہیں۔ کہیں باہر تعلیم حاصل کرنے نہیں گئے اُنہیں کسی قسم کی عبارت آرائی کا ڈھنگ آج تک کسی نے نہیں سکھایا۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ نعوذ باللہ محمد بن عبداللہ فلاں لوہار سے بنوا کر لاتے ہیں۔ اعتراض کرنے کے لئے تھوڑی بہت عقل کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ قرآن پر اعتراض کرنے والے، معلوم ہوتا ہے بالکل ہی کورے تھے۔ وہ میرے نبیؐ کے بارے میں جانتے تھے کہ جب یہ پیدا ہوا تو دُرِ یتیم تھا۔ اس پر باپ کا سایہ بھی نہ تھا۔ پھر یہ ذرا بڑا ہوا تو اس پر اس کی ماں کا سایہ بھی نہ تھا۔ پھر اس پر دادے کا سایہ بھی نہ تھا۔ پھر

اس کے پیارے چچا کا سایہ بھی نہ تھا۔ اس پر کسی قبیلے کے سردار کا سایہ بھی نہ تھا۔ کسی جاگیردار اور زمیندار کا سایہ بھی نہ تھا۔ کسی صاحبِ اقتدار کا سایہ بھی نہ تھا۔ یہ ایسا بے سایہ تھا کہ اس کا اپنا سایہ بھی نہ تھا۔ ایسا بے سایہ و بے سہارا شخص...... کسی کو کیا پڑی تھی؟ کہ اسے ایک بہترین کتاب لکھ کر دیتا۔ اگر ایسا اونچا کلام کوئی لکھ سکتا تو وہ کسی دوسرے کو لکھ کر کیوں دیتا، خود لکھ کر اپنا نام لے کر لوگوں کو کیوں نہ سُناتا، کہ لوگ اس کی آقائی پہ اکٹھے ہو جاتے۔ آپ تاریخ کی ورق گردانی کریں کہیں آپکو کوئی شخص ایسا نظر نہیں آئیگا، کہ جس کے پاس اپنی قوم کا سردار بننے کی صلاحیتیں موجود ہوں لیکن وُہ اپنی ان صلاحیتوں کو کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دے۔ اس دُنیا میں ہر کوئی اپنے اقتدار، اپنے اختیار، اپنی عزت، اپنے جاہ و جلال اور اپنے رعب و دبدبہ کے لئے محنت کرتا ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنے حصے کے معمولی سے معمولی اختیارات بھی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ اسی کریڈٹ، اسی ذاتی منفعت اور اسی پرسنل شہرت اور عزت کے حصول کے لئے دُنیا والے ہر بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ دُنیا کی اس روش، طریقے اور وطیرے کو بھی اپنے سامنے رکھیئے اور کفار مکہ کے اس اعتراض کو بھی، آپکو معلوم ہو جائیگا کہ جو لوہار اتنے اچھے کلام کو بنانے اور سنوارنے کی صلاحیت رکھے وہ لوہار پھر لوہار نہیں رہیگا پھر وُہ سُنار سے کہیں زیادہ اہمیت حاصل کرے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کسی شخص نے یہ حوصلہ نہیں کیا، کہ وہ یہ اعلان کرے لوگو! یہ قرآن جسے اللہ کا کلام کہا جا رہا ہے۔ یہ اللہ کا کلام نہیں یہ میرا کلام ہے۔" حالاں کہ اس وقت اونچے سے اونچے شاعر موجود تھے۔ ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہیں اپنی زبان دانی کا دعوےٰ تھا۔ لیکن وہ سب خاموش ہو گئے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اس قرآن کی حلاوت اور شیرینی۔ اس کے الفاظ اور فقرات اس کے معانی ومطالب سب اُس ذات کی تخلیق معلوم ہوتے ہیں، جس ذات نے تمام کائنات تخلیق کی۔

اِن تمام باتوں کے باوجود جن لوگوں نے اعتراض کرنا ہوتا ہے وُہ اپنی عادت سے مجبور ہوتے ہیں وہ اس لئے اعتراض ضرور کرتے ہیں۔ انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ آیا ان کے اعتراض میں کوئی وزن بھی ہے یا نہیں؟

خدا کا چیلنج : یہی کچھ مکے کے معترضین نے کیا۔ انہوں نے بار بار اس الزام اور اعتراض کو دہرایا، کہ یہ قرآن اللہ کا بھیجا ہوا کلام نہیں یہ کسی بندے کا بنایا ہوا کلام ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے معترضین کو خود چیلنج کیا۔

ان کنتم فی ریب مما نزلنا
علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من
مثلہ وادعوا شھداءکم
من دون اللہ ان کنتم صادقین

ہم نے جو کچھ اپنے پیارے پر نازل کیا ہے اگر اس میں تمہیں کسی بات کا شک ہے تو پھر اسی کلام کی طرح کوئی سورت بنا کر لے آؤ اس کام میں تم سوائے اللہ کے باقی سب کی مدد لے سکتے ہو، اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر دکھاؤ۔"

میرے محترم سامعین! قرآن مجید کی یہ للکار آج بھی دُنیا کے دانش وروں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ یہ جو قرآن ہے اِس کا مصنف خود ربِ رحمان ہے جس طرح رب کی بنائی ہوئی زمین کی طرح کوئی شخص اِسی طرح کی اور زمین نہیں بنا سکتا۔ جس طرح سے رب کے آسمان کی طرح کوئی اور آسمان نہیں بنا سکتا۔ جس طرح سے اور چاند اور ستارے کوئی نہیں بنا سکتا، جس طرح سمندر اور دریا اور کوئی نہیں بنا سکتا۔ جس طرح کوئی شخص رب کے جہان کے علاوہ کوئی دوسرا جہان نہیں بنا سکتا۔ ویسے ہی کوئی شخص رب کے اِس قُرآن کے علاوہ قرآن اور نہیں بنا سکتا۔

الگ الگ راہیں : قیامت تک کے ادیب اپنے تمام اُدب کا نچوڑ بھی پیش کریں تب بھی وہ قرآن کا توڑ پیش نہیں کر سکتے۔ جن لوگوں کو رب نے اس قرآن کا توڑ پیش کرنے کے لئے کہا انہیں ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا۔ کہ تم لاکھ قرآن کی طرح آیت بنانے کی کوشش کرتے رہو،

وان لم تفعلوا ولن تفعلوا
فاتقوا النار التی وقودھا
الناس والحجارۃ اعدت
للکٰفرین ط

اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہمیں یقین ہے کہ قیامت تک تم ایسا کر سکو گے ہی نہیں۔ پس تم اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر بنیں گے اور یہ آگ نہ ماننے والوں کے لئے بنائی گئی ہے۔"

"کافر" کا لغوی مطلب ہے "نہ ماننے والا" "انکار کرنے والا"۔ اور مومن کا معنیٰ ہے، "ماننے والا"۔ اِن ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے لئے اللہ نے الگ الگ راہیں بنائی ہیں۔ مومنوں کے لئے جنّت کی مسرتیں ہیں۔ اور کافروں کے لئے جہنم کی مشقتیں ہیں۔ ماننے اور نہ ماننے والوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ماننے والے پہلے ناواقف ہوتے ہیں، انہیں سمجھایا جاتا ہے، بتایا جاتا ہے، وہ جان لیتے ہیں۔ پہچان لیتے ہیں اور پھر مان لیتے ہیں۔ ایسے لوگ تو بن جاتے ہیں مومن۔ اِسی طرح نہ ماننے والے بھی پہلے ناواقف ہوتے ہیں انہیں بھی سمجھایا جاتا ہے، بتایا جاتا ہے۔ وہ بھی جان لیتے ہیں۔ پہچان لیتے ہیں لیکن وہ مانتے نہیں بلکہ اُلٹا کرتے ہیں اصرار۔ اس لئے وہ بن جاتے ہیں کفّار۔ پھر یہ مومن اپنے ایمان میں آگے بڑھتے ہیں، آزمائشوں کو جھیلتے ہیں۔ عبادتیں کر کے خُدا کی توحید کو مانتے ہیں۔ شریعتِ محمدی پر چل کر رسولؐ کی رسالت کو مانتے ہیں، اور احکاماتِ ربانی پر عمل کر کے قرآن کی ہدایات کو مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ مومن اس دُنیا سے نکل کر کُندن بن جاتے ہیں۔

اور کفار اپنے کفر میں آگے بڑھتے ہیں۔ دُنیا کو عیش و عشرت کا گھر سمجھتے ہیں۔

خُدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ قرآن کا مذاق اُڑاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ کافر اس دُنیا سے نکل کر جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں۔

ایسی کوئی بات نہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے فرمایا جس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو مان لیا " فَدَخَلَ الْجَنَّةَ " وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ نہ ماننے والوں کو رب نے جہنم کی بدخبری سُنائی۔ اور ماننے والوں کو میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری سنائی۔ لیکن میرے پندرھویں صدی کے مسلمانو! تم سوچ رہے ہوگے۔ کہ تم ماننے والے ہو اس لئے جنت میں تمہاری ریزرویشن ہو چکی، مگر فکر نہ کرو ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ مان لینا ویسے مان لینا نہیں جیسے ہم مان لیتے ہیں، ایک بات کی پھر مُکر گئے۔ ایک عہد کیا پھر بدعہدی کی۔ ایک وعدہ کیا پھر اسے پورا نہ کیا۔ ماننا تو یہ ماننا ہے کہ جب مانا تو دل وجان سے مان لیا، پھر مال جاتا ہے تو چلا جائے، اولاد جاتی ہے تو چلی جائے گھر بار جاتا ہے تو چلا جائے جان جاتی ہے تو چلی جائے لیکن ایمان نہ جائے۔

سمجھتا ہوں جسے حق: آج ہم ایمان والے ضرور ہیں لیکن ہمیں یہ خبر نہیں کہ ایمان ہوتا کیا ہے؟ جتنا کچھ ہم ایمان کے بارے میں سمجھتے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ تو مکہ کے جاہل بدو جانتے تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے۔ کہ جب ایک دفعہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیا تو پھر ہمیشہ کیلئے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرنا ہوگی۔ کیونکہ یہ کلمہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ایک عہد اور وعدہ ہے۔ اور صرف چند لمحوں کے لئے نہیں بلکہ ایک انسان مسلمان ہوتے وقت پوری زندگی کے لئے خُدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ فرمانبرداری کا حلف اُٹھاتا ہے۔ اگر مان لینے کا مطلب صرف زبان سے یہ کلمات پڑھ لینا ہی ہوتا تو یہ چند الفاظ پڑھنے میں کوئی زیادہ مشکل نہیں۔ آج ہم نے یہ کلمہ پڑھا تو سہی لیکن اسے سمجھا نہیں۔ جب سمجھا نہیں تو مانا نہیں، جب مانا نہیں تو پھر ایمان کیسا؟ جب ہم

اس کلمے کی حقیقی روح کو سمجھ لیں گے اور اسے دل وجان سے مان کر اپنی زندگی کو بدل لیں گے پھر حقیقت میں ایمان کی لذت ملے گی۔ اور جب ایمان کی لذت یقینی ہو جائے گی تو پھر رحمان کی طرف سے جنت یقینی ہو جائے گی۔ ضرورت صرف ایمان کو سمجھنے کی ہے۔ میرے جلسوں میں میرے مخالفین کبھی کبھی مجھے ایک چِٹ دے دیا کرتے ہیں۔ کہ ربانی صاحب! پہلے آپ اپنا ایمان ثابت کریں؟ بھلا ایمان کوئی ثابت کرنے کی چیز ہے۔ ایمان ثبوت کا نام نہیں۔ ایمان استدلال کا نام نہیں۔ ایمان بیان دینے کا نام نہیں۔ ایمان ڈرنے کا نام نہیں، لڑنے کا نام نہیں۔ ایمان حق پر مرنے کا نام ہے۔ " قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ " کہہ ایمان لایا اور پھر اس پر ڈٹ جا۔ چاہے دُنیا کچھ کہتی رہے، تو جسے حق سمجھتا ہے اُسی پر اَڑ جا۔ ڈٹ جا،

یہ میرے نزدیک ایمان کی حقیقت ہے اب کوئی ایمان کا دوسرا مفہوم جانتا ہو تو یہ وہ جانے اور اُس کا ایمان جانے۔ میں تو جو کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق

قرآن کیا ہے؟

محترم سامعین! ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے کلمے کے دو حصے ہیں۔ ایک توحید اور دوسرا رسالت۔ توحید کی تکمیل خُدا کی وحدانیت سے ہوتی ہے۔ اور رسالت کی تکمیل قرآن و سنت سے ہوتی ہے۔ آج کل ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو کہتا ہے رسالت کی تکمیل کے لئے قرآن اور سنت دونوں ضروری نہیں۔ بلکہ اکیلا قرآن ہی رسالت کی تکمیل ہے۔ لیکن خوب سمجھ لو۔ قرآن اور حدیث دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ آپ قرآن کے بغیر حدیث کو پرکھ نہ سکیں گے، اور حدیث کے بغیر قرآن کو سمجھ نہ سکیں گے۔ قرآن بنیادی اصولوں کا نام ہے، اور حدیث ان اُصولوں کی تشریح کا نام ہے۔ اس بات کو نہ دل مانتا ہے نہ عقل مانتی ہے کہ ہم قرآن کو تو مانیں لیکن قرآن والے کو نہ مانیں۔ ذرا سوچو تو سہی قرآن ہے کس چیز کا نام؟ قرآن نام ہے

تیس پاروں کا۔ تیس سیپارے نام ہے ایک سو چودہ سورتوں کا۔ یہ سورتیں نام ہے رکوعوں کا۔ رکوع نام ہے آیتوں کا۔ آیتیں نام ہے فقروں کا۔ فقرے نام ہے جملوں کا۔ جملے نام ہے لفظوں کا۔ لفظ نام ہے حرفوں کا۔ حرف نام ہے نقطے اور لکیروں کا۔ نقطے اور لکیریں نام ہے۔ شدومد کا۔ شدومد نام ہے اعراب کا، اعراب نام ہے زیر زبر پیش کا۔ زیر زبر پیش نام ہے آواز کا اور آواز نام ہے مصطفےٰ کی زبان کا جسے نبی نے قرآن کہا، ہم نے اُسے قرآن سمجھا۔ ہمارے لئے قرآن بھی حق ہے اور قرآن والا بھی حق ہے۔ قرآن بھی حق، قرآن والا بھی حق۔ قرآن بھی حجت، قرآن والا بھی حجت۔ ہم نبی سے ہدایت مانگیں گے، وُہ قرآن پڑھ کر سُنائے گا۔ قرآن سُنیں گے، یہ رب کی طرف سے رسولؐ کی پیروی کا حکم سُنائے گا۔ اگر ہمارے لئے قرآن سے ہدایت لینا ضروری ہے، تو ہمارے لئے رسُول کی اطاعت کرنا بھی ضروری ہے۔ قرآن ہمیں حکم دے گا۔ نبیؐ اس حکم پر چلنے کا طریقہ سکھائے گا۔ اگر قرآن "واقیموا الصلوٰۃ" کہہ کر نماز کا حکم دے گا، تو نبیؐ نمازوں کے اوقات کا تعین کرے گا، نماز کی رکعتوں کی تعداد بتلائے گا، نماز کے فرائض بتائے گا، وضو کا طریقہ سکھائے گا۔ اگر قرآن حج کا حکم دے گا، تو نبی خوُد حج کر کے دکھائے گا۔ گویا حکم ہوگا خدا کا اور طریقہ ہوگا مصطفےٰ کا۔ قرآن اُور سنت ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ اگر دونوں ساتھ ساتھ چلیں گے تو اسلام کی گاڑی چلے گی، ورنہ نہیں۔ اگر کوئی شخص قرآن کو مانتا ہے اور ساتھ حدیث کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کا دین اُسے مُبارک ہو۔

باتوں کی باتیں: ہم نے تو قرآن کو پڑھ کر یہی سمجھا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام زندگی میں کئے قرآن نے اُن کاموں کی تفصیل بیان کردی جنگیں اور صلح نامے اور عبادات و معاملات تو بڑے کام ہیں ہمارے نبیؐ کے چھوٹے چھوٹے کاموں کی باتیں بھی ہمیں قرآن نے سنائیں اگر یہ اپنی زلفیں کھول کر بیٹھا تو قرآن

نے اس کی زلفوں کی باتیں کیں۔ اگر یہ نبیؐ چادر اوڑھ کر سویا تو قرآن نے کمل کی باتیں کیں۔ اگر نبیؐ شہر کی طرف چل پڑا، تو قرآن نے اس کے شہر کی گلیوں کی باتیں۔ اگر اس نبیؐ نے غار میں بیٹھ کر یار سے باتیں کی، تو قرآن نے اس کی باتوں کی باتیں کیں "لاتحزن ان اللہ معنا"

چلتا پھرتا قرآن: پورے قرآن مجید کو پڑھو ایسا معلوم ہوگا جیسے آپ خدا کے احکامات کے ساتھ ساتھ نبیؐ کی سیرت کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

نبی کی ذات قرآن کا محور ہے۔ نبی اگر مکے میں ہے تو قرآن مکے میں آرہا ہے نبیؐ اگر مدینے میں جارہا ہے تو قرآن ساتھ مدینہ میں آرہا ہے۔ قرآن مجید آج بھی خود ہر سورت سے پہلے بتاتا ہے کہ میری یہ آیات نبیؐ کے پاس مکے میں آئیں یا مدینے میں آئیں۔ چنانچہ آپ ہر سورت کی ابتداء میں دیکھیں گے کہ یا وہاں مکی لکھا ہوگا یا مدنی لکھا ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جہاں گئے، جو جو حالات اور واقعات پیش آئے قرآن نے گویا ان واقعات کی تفصیل اپنے اندر محفوظ کرلی۔ قرآن ایک تاریخ اور سوانح عمری ہے اُس عظیم ہستی کی جس کے صدقے سارا جہان بنا۔ میرے نزدیک قرآن ایک سیرت النبیؐ کا بیان ہے۔ اور نبی خود ایک چلتا پھرتا قرآن ہے۔

ے
وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

آیات اور عادات: قرآن اور نبی دونوں ہمارے لئے راہ نما ہیں۔ دونوں کی تعلیم ایک، دونوں کی تربیت ایک۔ دونوں کا مقصد ایک دونوں کے کمالات ایک۔ دونوں کے اوصاف ایک۔ قرآن نے اپنی عبارتوں سے اپنی پہچان کروائی اور نبیؐ نے اپنی عادتوں سے اپنی پہچان کروائی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی پہل

وحی کے بعد جب فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر کہا! اے مکہ کے سردارو! میں نے تمہارے درمیان اپنا بچپن اور اپنی جوانی گزاری۔ میری زندگی کے چالیس سال تمہارے سامنے ہیں۔ مجھے بتاؤ اس پورے عرصہ میں کیا میں نے کبھی جھوٹ بولا؟ کیا کبھی خیانت کی؟ سب کی ایک آواز تھی۔ "وَ اَنْتَ صَادِقٌ وَ اَمِیْنٌ" اس کا صاف مطلب تھا کہ اے عبداللہ کے بیٹے تو نے آج تک کوئی جھوٹ نہیں بولا، اس لئے تو اب بھی جو کچھ کہے گا سچ کہے گا۔ بعد میں مکے کے کافر لاکھ انکار کرتے رہیں لیکن اس موقع پر وہ بالواسطہ طور پر حضورؐ کی رسالت کی صداقت کا اقرار کر چکے تھے۔ رسولؐ نے اپنی چالیس سالہ زندگی کو ثبوت بنا کر اپنی رسالت کی پہچان کروائی۔ اسی طرح قرآن نے اپنی شیرینی، مضبوط استدلال، خدائی احکامات، گہرا فکر، انفرادیت، زوردار للکار اور اسی طرح بے شمار اوصاف کے ذریعہ اپنی صداقت کا لوہا منوایا۔ نبی نے اپنے کردار کے بارے میں سوال پوچھ کر سب سے پہلے یہ بتایا کہ میری عادات میں کوئی شک نہیں اور قرآن نے "لاریب فیہ" کہہ کر بتایا میری آیات میں کوئی شک نہیں۔

وحیٌ یوحیٰ کی تار : دونوں کی باتیں شک و شبہ سے بالا ہیں۔ دونوں حق کا معیار ہیں۔ دونوں وحی من اللہ کا اظہار ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے صحابہ نے کہا اے عبداللہ تم حضورؐ کی ہر بات کو لکھتے ہو۔ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ حضورؐ کبھی ہمارے ساتھ دل لگی کرتے ہیں۔ کبھی دُنیا کے لین دین کی باتیں کرتے ہیں۔ کبھی گھریلو معاملات کی باتیں ہوتی ہیں۔ کبھی مختلف آدمیوں کے ذاتی مسائل کی بات ہوتی ہے۔ تم صرف اُسی وقت لکھا کرو۔ جب حضورؐ ممبر پہ کھڑے ہو کر وعظ فرمایا کریں۔ اس بات کو سُن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ رنجیدہ سے ہو گئے کہ محبت کو محبوب کی ہر بات سے پیار ہوتا ہے۔ یہ بات چلتے چلتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جا پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا۔ فرمایا اے عبداللہ میں جہاں بھی ہوں۔ جو کچھ کہوں، جیسے کہوں۔ سب کچھ ویسے کا ویسے لکھ لیا کرو۔

کیونکہ جب تک پیچھے سے وحیٌ یوحیٰ کی تار نہیں ملتی اُس وقت تک میری زبان نہیں ہلتی۔

بیان کی اہمیت : اِس نبی نے وہ کچھ کیا جو کچھ اسے رب نے کہا۔ رب کی ذات بھی حق ہے اور نبی کی بات بھی حق ہے۔ ایک صحابی نے ایک دفعہ عرض کی یارسول اللہ فداک ابی و امی میرے ماں باپ آپ پر صدقے جائیں۔ آپ کبھی کبھی ہم سے دل لگی اور ہنسی و مزاح کی باتیں بھی کر لیتے ہیں۔ فرمایا! جب میں مزاح کی بات کہتا ہوں۔ اُسوقت بھی حق کہتا ہوں۔ اس نبیؐ کی زبان بھی حق اور قرآن کا بیان بھی حق، بیان کی اہمیت بیان کرنے والے سے ہوتی ہے اور بیان کرنے والے کی اہمیت بیان کی نوعیت سے ہوتی ہے۔ ہم میں بھی آج کل بیان کرنے والے بہت ہیں اور ہر ایک کے بیان کی نوعیت اپنی اپنی ہے۔ ہم میں سے اگر کوئی شاعر بولے گا تو اس کے منہ سے یا غزل نکلے گی، یا قصیدہ نکلے گا۔ کوئی ادیب بولے گا: تو اس کے منہ سے یا عبارت نکلے گی یا مضمون نکلے گا۔ کوئی نعت خواں بولے گا تو اس کے منہ سے یا نعت نکلے گی یا مولود نکلے گا کوئی مقرر بولے گا تو اس کے منہ سے یا تقریر نکلے گی یا وعظ نکلے گا۔ کوئی مفتی بولے گا تو اس کے منہ سے یا وضاحت نکلے گی یا فتوے نکلے گا۔ کوئی خطیب بولے گا تو اس کے منہ سے یا نکتہ نکلے گا یا خطبہ نکلے گا۔ کوئی ولی بولے گا تو اسکے منہ سے یا کرامت کی بات نکلے گی یا معرفت کا بیان نکلے گا۔ کوئی صحابی بولے گا، تو اس کے منہ سے یا روایت نکلے گی یا فرمان نکلے گا۔ لیکن خدا کی قسم! جب میرا نبی بولے گا تو اس کے منہ سے یا حدیث نکلے گی یا قرآن نکلے گا۔

قرآن و حدیث کا فرق : قرآن ہو یا حدیث، دونوں کی اہمیت میرے نبیؐ کی مرہونِ منت ہے۔ دونوں کے الفاظ ہمیں نبیؐ کے لب ہلانے سے معلوم ہوئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اور حدیث رسول اللہ کا کلام ہے۔ لیکن اس فرق کے باوجود دونوں کا منبع اور مرجع ایک ہے۔ دونوں کا واسطہ اور ذریعہ ایک ہے۔ دونوں کی آواز اور لب و لہجہ ایک ہے۔ دونوں کا مقصد اور منشا ایک ہے۔ اگر قرآن اور حدیث کے

فرق کو ذرا اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہیں، تو صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کے لئے رب نے اپنے الفاظ منتخب کئے اور حدیث کے لئے کہا لے محبوب جو لفظ تو اپنے منہ سے ادا کردے گا انہوں لفظوں پر میں اپنی مہر حاکمیت ثبت کر دوں گا۔ ایک بزرگ سے جب پوچھا گیا کہ حدیث اور قرآن میں کیا فرق ہے؟ کہا جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو مجھے خدا کی کبریائی یاد آتی ہے اور جب میں حدیث پڑھتا ہوں تو مجھے مُصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مصطفائی یاد آتی ہے۔

<u>خود بدلتے نہیں</u>: آج قرآن بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ حدیث بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ یا یوں کہیے ہمارے پاس ہمارے دین اسلام کا تحریری دستور بھی موجود ہے، اور اس کی تشریحات اور جزئیات بھی موجود ہیں۔ قرآن ایک ایسا مستقل دستور ہے، جسے زمانے کے حالات بدل نہیں سکتے۔ بلکہ قرآن کے پاس ایسی طاقت اور قوت موجود ہے۔ جو زمانے کے حالات کو اپنے احکامات کے مطابق بدل سکتی ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ زمانے والے اپنے آپ کو بدلنے پر آمادہ ہوں۔ کیونکہ رب کا یہ قانون ہے:-

لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّر نفسہٖ ہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

مگر ہائے افسوس! ہم ابھی تک اپنے آپ کو بدلنے پر آمادہ نہیں ہو سکے۔ ہم نے قرآن کے واضح احکامات کی صرف کھُلی خلاف ورزی ہی نہیں کی۔ بلکہ قرآنی احکامات کے مفہوم میں مختلف تاویلیں کیں۔ آج بھی مختلف مفسرین کے مختلف حوالاجات اپنے مفادات کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں بنکوں والے اپنے سودی کاروبار کو چمکانے کے لئے اپنے پاس قرآنی تفسیروں کے حوالے لئے پھرتے ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی والے قرآن کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔ جوئے والے تو اپنے اس جوئے کے کاروبار کے جواز کے لئے فتوے لئے پھرتے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ہمیں قرآن سے حوالہ لینے کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے، جب ہمیں کوئی مالی یا سیاسی منفعت درکار ہو۔ زندگی کے باقی تمام معاملات میں آج ہمیں قرآن سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم نے قرآن کو صرف قسمیں کھانے کیلئے استعمال کیا ہے۔ اور یہ بات مسلمان قوم کے لئے زبردست المیہ ہے۔ اس پر مزید افسوس تو یہ ہے کہ ہم اس المیے سے دوچار ہیں لیکن ہمیں اصلاحِ احوال کی کوئی فکر نہیں ؏ کارواں کے دِل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آج ہم نے اس قرآن کو رکھا ہوا تو دیکھا، مگر اس میں لکھا ہوا نہ دیکھا۔ آج ہم نے اس قرآن کو چوما تو سہی لیکن اس کے پڑھنے کے لئے لب نہ ہلائے۔ آج ہم نے اِس قرآن کی جسامت کو تو دیکھا لیکن اِس کی صداقت کو نہ دیکھا۔ ہم نے پڑھی ہوئی تلاوت کو تو دیکھا لیکن اس تلاوت میں گھُلی ہوئی حلاوت کو نہ دیکھا۔ آج ہم نے اس قرآن کی چھپی ہوئی نقل کو تو دیکھا لیکن اس چھپی ہوئی نقل میں چھُپی ہوئی اصل کو نہ دیکھا۔ قرآن کی اصل یہ ہے کہ اس کے احکامات کی من وعن پیروی کی جائے۔

<u>سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن</u>: صحابہ نے قرآن کے احکامات کی پیروی اِس طرح سے کی کہ اِس پیروی پر آج تمام پیروکاروں کو بھی ناز ہے۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں جب قرآن میں پردے کا حکم آیا، تو جس مسلمان عورت کو جیسا بھی کپڑا میسّر آیا، اُس نے اسی کپڑے سے اپنے منہ پر نقاب ڈال لیا۔ ہمیں ایسا نظر آتا تھا جیسے ان عورتوں کے سروں پر کوّے بیٹھ گئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے قرآن کا حکم ماننے میں اتنی جلدی دکھائی کہ کوئی بادشاہ کا حکم بھی اتنی جلدی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ جب قرآن نے شراب کے حرام ہونے کا حکم سُنایا، تو بے شمار روایتیں گواہ ہیں کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح سے بہہ رہی تھی، جیسے بارش کے بعد گلیوں میں پانی بہتا ہے۔ جس قرآن پر صحابہ کرامؓ نے

اس جذبہ وشوق سے عمل پیرا ہو کر دکھایا وہ قرآن آج بھی حرف بحرف ہمارے پاس موجود ہے۔
اور قیامت تک اسی طرح موجود رہے گا۔ دُنیا کی ہر چیز میں تغیر ہے لیکن قرآن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ دُنیا کی ہر چیز کو فنا ہے لیکن قرآن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بقا ہے۔ دُنیا مٹ سکتی ہے لیکن قرآن نہیں مٹ سکتا۔ آسمان اور چاند ستارے ٹوٹ پھوٹ سکتے ہیں، شمس و قمر بے نور ہو سکتے ہیں قصبے اور بستیاں ملیامیٹ ہو سکتی ہیں، شہروں کے شہر کھنڈرات میں بدل سکتے ہیں، حیوانات کی جبلتیں بدل سکتی ہیں، جمادات کی ماہیتیں بدل سکتی ہیں، تجلیات کی حقیقتیں بدل سکتی ہیں، ہر جان مٹ سکتی ہے ہر جہان مٹ سکتا ہے، سورج بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے، اوقات بدل سکتے ہیں، دن رات بدل سکتے ہیں گردشِ زمانہ رُک سکتی ہے، ہواؤں کا چلنا رُک سکتا ہے، دریاؤں کے رُخ بدل سکتے ہیں سمندروں کے دھارے بدل سکتے ہیں اطرافِ دو عالم کا سارا نقشہ بدل سکتا ہے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں، زمین لرزہ براندام ہو سکتی ہے، چٹانیں چٹخ سکتی ہیں، آسمانوں اور زمین کے تمام ستارے الٹ پلٹ ہو سکتے ہیں سارا نظامِ کائنات درہم برہم ہو سکتا ہے، پوری دُنیا زیر و زبر ہو سکتی ہے۔ لیکن قرآن مجید ایسا محفوظ ہے کہ اس کی زیر کی زبر اور زبر کی زیر نہیں ہو سکتی۔

تحریر یا تصویر: اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود رب نے لیا۔ یہ ایک ایسا اعجاز ہے کہ باقی کسی آسمانی کتاب کو یہ فضیلت نہ ملی ــــــ جو اس قرآن کو ملی۔ دنیا کو دوسری آسمانی یا الہامی کتاب کی ضرورت اُس وقت پیش آتی ہے جب پہلی آسمانی کتاب میں تحریف ہو گئی ہو یا سرے سے کتاب ہی مٹ گئی ہو۔ یا نبی کی عادات و اطوار کو لوگوں نے بھلا دیا ہو۔ ہمارے پاس ہمارے نبیؐ کی شریعت کی ایک ایک بات محفوظ ہے۔ ہمارے پاس ہمارے نبی کی سیرت کا ایک ایک گوشہ محفوظ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا نبیؐ آخری نبی ہے اس نبیؐ کے بعد کسی کی نبوت کا چاند چڑھنا نہیں۔ اور ہمارا قرآن آخری کتاب ہے اس کتاب

کے بعد کسی کتاب نے آسمان سے اُترنا نہیں۔ قیامت تک ہمارے نبیؐ کی نبوت قائم اور قیامت تک ہمارے قرآن کی حاکمیت قائم۔ دونوں ہمارے راہبر ہیں دونوں کی راہبری قائم دونوں ہمارے راہنما ہیں ــــــ دونوں کی راہنمائی قائم۔ دونوں حق کی آواز ہیں، دونوں کی حقانیت قائم۔ دونوں رشد و ہدایت کے حقیقی ماخذ ہیں، دونوں کی حقیقت قائم۔ فرق اگر ہے تو صرف اتنا ہے، قرآن ہمیں نماز کا حکم سُناتا ہے۔ نبیؐ ہمیں نماز پڑھنا سکھاتا ہے۔ قرآن جہاد کا نعرہ لگاتا ہے، نبیؐ اس جہاد میں خود لڑ کے دکھاتا ہے۔ قرآن خُدا کی حکومت چاہتا ہے نبیؐ یہ حکومت کر کے دکھاتا ہے۔ قرآن اپنی عبارت سُناتا ہے، نبیؐ اس کی وضاحت سُناتا ہے۔ قرآن کا حکم حجت ہے نبیؐ کا حکم سنت ہے۔ قرآن پرہیزگار بناتا ہے، نبیؐ غمگسار بناتا ہے۔ قرآن فرمانبردار بناتا ہے، نبی اپنا جانثار بناتا ہے۔ قرآن اطاعت گزار بناتا ہے نبی اپنا پیروکار بناتا ہے۔ قرآن ہماری کتاب ہے۔ نبیؐ کے پاس ہر سوال کا جواب ہے۔ بلکہ اگر آپ حیران نہ ہوں تو ایک اور فرق بھی بتاتا جاؤں۔ قرآن کی ہر آیت قرآن ہے اور نبی کی ہر عادت قرآن ہے۔ قرآن کے پاس اقوال ہیں، نبیؐ کے پاس اعمال ہیں بلکہ اگر غور کرو تو نبیؐ کے اعمال ہی اصل قرآن ہیں۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پردہ پوشی کے بعد ایک شخص حضرت عائشہ رضی عنہا کے پاس آیا اور حضورؐ کی سیرت اور اعمال کے بارے میں سوال کیا؟ آپ نے حیران ہو کر فرمایا "افلا تقرأون القرآن" "کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟" وہ بولا اچھا! اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نے جیسے جیسے حکم دیا ہمارے نبیؐ نے ویسے ویسے کام کیا۔ فرمایا نہیں نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے ہمارا نبیؐ کام کرتا گیا رب ویسے ویسے قرآن میں لکھتا گیا۔

زندگی؟ اللہ پاک نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لے کر گویا نبیؐ کے اعمال کو دوام بخشا۔ زندگی صرف جسم کی حرکات و سکنات کا نام نہیں اور موت صرف ظاہری موت

مر جانے کا نام نہیں۔ تاریخ سے پوچھو؟ زندگی کس چیز کا نام ہے؟ زندگی نام ہے کام کا، زندگی نام ہے پیغام کا، زندگی نام ہے نام کا، جس کا نام زندہ اُس کا کام زندہ، جس کا کام زندہ اُس کا نام زندہ۔ جب تک حدیث زندہ، نبیؐ کا پیغام زندہ، جب تک قرآن زندہ، نبیؐ کا کام زندہ۔ جب تک نبیؐ کے غلام زندہ، نبیؐ کا نام زندہ۔ جس نبیؐ کا نام زندہ اُس نبیؐ کے غلام زندہ۔ جس نبیؐ کے غلام زندہ اس نبیؐ کے غلاموں کے غلام زندہ۔ جس نبیؐ کے غلاموں کے غلام زندہ وہ نبیؐ نبیوں کا امام زندہ۔ واللہ یعصمک من الناس کہہ کر رب نے نبی کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی اور "نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" کہہ کر قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی۔ اب قرآن اور نبی دونوں ابد تک رہیں گے۔ دونوں ہماری راہنمائی کے سرچشمے ہیں۔

شفاعتِ رسولؐ : دونوں کی صفات اور کمالات یکساں ہیں۔ دونوں قیامت کے دن ہماری شفاعت کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے
فرمایا قیامت کا دن سخت ترین ہو گا۔ تمام لوگ حساب کتاب اور سزا و جزا کے لئے اکٹھے ہوں گے۔ غضب کی گرمی ہو گی۔ سورج کی کرنیں تلوار کی طرح کاٹ رہی ہوں گی۔ نفسا نفسی کا عالم ہو گا۔ کسی کو کسی کی پہچان نہ ہو گی۔ نیک و بد دونوں قسم کے لوگ حشر کے میدان میں جمع ہوں گے۔ حساب میں تاخیر ہو گی۔ لوگ چاہیں گے ہمارے اعمال کا جلد ہی محاسبہ کیا جائے، تاکہ یہاں کی سختی سے نجات ملے۔ ہر کوئی اپنے انجام کو پہنچے۔ جنت والے جنت میں جائیں، دوزخ والے دوزخ میں جائیں، لیکن جزا و سزا کا کام بدستور التوا میں ہو گا۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر آدمؑ کے پاس جائیں گے۔ کہیں گے۔ اے آدم تو ہم سب کا باوا ہے۔ رب سے التجا کر۔ حساب جلد شروع ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے۔ میں کس منہ سے رب کے ساتھ بات کروں؟ میں نے تو اس کے حکم کی خلاف ورزی کر کے جنت میں ممنوعہ پودا کھایا تھا۔ یہ تو اس کا شکر ہے اُس نے

میری توبہ قبول کر لی۔ اب یہ میرے بس کی بات نہیں کہ میں اس کے کاموں میں اپنی رائے دوں فرمایا آدمؑ کی اس بات پر سب مایوس ہو کر حضرت نوحؑ کے پاس آئیں گے۔ کہیں گے۔ اے اللہ کے برگزیدہ پیغمبر! رب تمہاری بات کو قبول کرتا ہے۔ تمہاری دعا کے طفیل بڑا طوفان آیا۔ آج سب کے لئے دعا کر دو، کہ جلد حساب شروع ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام یہ سنتے ہی مسکرائیں گے، اور کہیں گے۔ میں تم لوگوں کی سفارش کیسے کر سکتا ہوں؟ تم میں مجھے وہ لوگ صاف نظر آ رہے ہیں، جنہوں نے مجھے ساڑھے نو سو سال تک تنگ کیا۔ اُس وقت تم نے میری بات نہ مانی، آج میں تمہاری بات نہیں مانتا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ سب لوگ اکٹھے ہو کر حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئیں گے، کہ اے ابراہیمؑ تو اللہ کا خلیل ہے۔ ہمارے لئے کوئی دعا مانگ۔ حضرت ابراہیمؑ کہیں گے۔ لوگو! میں اللہ کا خلیل ضرور ہوں، لیکن آج کی سختی اس قدر شدید ہے کہ میری بات بھی آج چلتی نظر نہیں آتی۔ فرمایا اسی طرح یہ سب مل کر ہر نبیؐ کے پاس جائیں گے، اور اسی طرح سب انبیاء سفارش کرنے سے معذرت کریں گے۔ پھر فرمایا تمام خلقت میرے پاس آئے گی۔ میرے ارد گرد گناہگاروں کے جھرمٹ ہوں گے۔ اس وقت کسی کی مجال نہ ہو گی، کسی کی شنوائی نہ ہو گی، کسی کی رسائی نہ ہو گی، کسی کی فریاد نہ ہو گی، کسی کی پکار نہ ہو گی۔ کسی کی بات نہ ہو گی۔ اس وقت اگر ہو گی، تو یا رب کی سننے والی ذات ہو گی۔ یا محمد محمد کی شفاعت ہو گی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن کی شفاعت : محترم سامعین! جس طرح ہمارے نبیؐ شفاعت کریں گے، اُسی طرح قرآن بھی ہماری شفاعت کرے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ نبی پاکؐ نے فرمایا۔ قیامت کے دن قرآن انسانی شکل بن کر آئے گا۔ اُس کے ہاتھ میں قاریِ قرآن کا ہاتھ ہو گا۔ دونوں ایک جیسے ہوں گے۔ دونوں کی شکل انسانی ہو گی۔ ؎

یہ بات نہیں معلوم کسی کو کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

قرآن اپنے قاری کو رب لم یزل کے دربار میں پیش کر کے اجازت مانگے گا کہ اے رب العالمین! یہ مجھ قرآن کا قاری ہے۔ اس نے دنیا میں میری عزت اور تکریم کی۔ میرا ادب کیا۔ مجھے خشوع و خضوع کے ساتھ تلاوت کیا۔ میری آیتوں کو سمجھا۔ جیسے جیسے میں اسے تیرے احکام سناتا گیا ویسے ویسے یہ زندگی میں کام کرتا گیا۔ اے الہ العالمین! اس نے کل دنیا میں میری قدر کی، آج مجھے اجازت دے کہ میں اس کی قدر کردوں۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قرآن کو اجازت دے گا اور قرآن سے کہہ دیگا کہ اے قرآن تو اپنے قاری کو جو عزت دینا چاہتا ہے، تجھے مکمل اختیار ہے۔ فرمایا۔ قرآن پاک اپنے قاری کو جنت کے دروازے پر لے جائے گا۔ جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ اندر سے داروغہ جنت پوچھے گا۔ باہر کون ؟ قرآن کہے گا "اَنَا الْقُرْآنُ وَمَعِیَ الْقَارِیْ" میں قرآن ہوں اور میرے ساتھ میرا قاری ہے۔ فرمایا داروغہ جنت کا دروازہ کھول دے گا اور ساتھ کہے گا، اے قرآن! اپنے قاری کو اندر لے آؤ کہ مجھے بھی رب کی طرف سے یہی حکم ہے کہ سب سے پہلے جنت کا دروازہ قاری قرآن کے لئے کھولنا فرمایا، قاری اور قرآن دونوں جنت میں داخل ہو جائیں گے قرآن اپنے قاری کو جنت کا فاخرانہ لباس پہنائے گا۔ سر پر تاج سجائے گا۔ ٹھنڈے میٹھے مشروب پلائے گا۔ اور پھر اپنے قاری کو جنت میں اس کے مکان کی طرف لے جائے گا۔ ہر طرف باغات اور اونچے اونچے محل ہوں گے۔ قرآن ہر محل کی طرف دیکھے گا۔ قاری ساتھ ہو گا۔ قرآن اس بات کا منتظر ہو گا۔ کہ جس محل کی طرف بھی پروردگار عالم کا اشارہ ہو اُسی محل میں قاری کو لے جاؤں لیکن کسی محل میں داخل ہونے کا حکم یا اشارہ نہ ہو گا۔ فرمایا جنت میں قاری اور قرآن اپنے محل کی تلاش میں دور نکل جائیں گے۔ لیکن نہ کسی محل پر قاری کا نام لکھا ہوا نظر آئیگا۔ نہ کسی دروازے میں داخل ہونے کا اشارہ ہو گا۔ میرے نبی نے فرمایا، قاری اور قرآن دونوں کے چہروں پر ہلکی سی اُداسی آجائے گی۔ دونوں واپس ہوں گے قرآن قاری کو لے کر دربار الٰہی کی طرف لے جا رہا ہو گا، کہ پوچھا جائے اے رب کائنات جنت میں قاری قرآن کی جائے رہائش کونسی ہے؟ فرمایا دونوں

جنت کے دروازے پر پہنچیں گے۔ داروغے سے ملاقات ہوگی۔ داروغہ قاری کی واپسی کا سبب پوچھے گا، قرآن کہے گا۔ خبر نہیں کیا بات ہے؟ میرے قاری کا محل مجھے نہیں مل رہا۔ فرمایا "اس بات پر داروغہ جنت ایک حیران کن ہنسی سے مسکرائے گا، اور کہے گا۔ اے قرآن تجھے خبر نہیں یہ تیرے ساتھ تجھ قرآن کا قاری ہے اسکی ملکیت یہ جنت ساری ہے۔

<u>فنا اور بقا</u> : بھائیو! قرآن آج ہمیں اوراق پر مشتمل ایک کتاب نظر آتا ہے لیکن کل قیامت کے دن اسکی حقیقت ہمیں اس وقت معلوم ہوگی جب یہ قرآن سفارش کر رہا ہو گا اسی طرح قرآن والا بظاہر ہمیں گوشت پوست کا ایک انسان نظر آتا ہے لیکن حقیقت اس وقت معلوم ہوگی جب یہ نبیؐ ہماری شفاعت کر رہا ہو گا۔ آج بہت سے لوگ اپنے علمی استدلال اور منطقی خیال سے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ع

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اُصولوں سے

یہ عقل کے ماننے بلنے آخر کب تک کام کریں گے؟ کچھ لوگوں نے نبی کی ذات کو اپنی ذات سے تشبیہ دی۔ نبیؐ کے کاموں کو اپنے کاموں کی مثل بتایا۔ نبیؐ کی صفات کے ساتھ اپنی صفات کی مماثلت ثابت کی۔ یہ ظلم یہاں تک بڑھا کہ جب خود مٹنے لگے تو نبیؐ کو مٹا ہوا ثابت کرنے لگے یہ ظلم کوئی نیا نہیں۔ پرانے وقتوں سے زمانے کی یہی روش آرہی ہے۔ زمانے والے اگر کبھی رسول کو فنا کہتے ہیں، تو کبھی قرآن کو فنا کہتے ہیں۔ لیکن دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کو فنا کہا رب نے انہیں فنا کیا۔ جن لوگوں نے قرآن کو بقا کہا رب نے انہیں ایسی بقا بخشی کہ آج تک دنیا ان کی اس بقا پر حیران ہے۔ اسے رب کی عطا سمجھو یا قرآن کا معجزہ بہر حال قرآن کی صفت ہے کہ نہ یہ خود مٹتا ہے اور نہ ہی اپنے ملنے والے کو مٹنے دیتا ہے۔ واثق باللہ کے زمانے میں جب سرکاری طور پر قرآن کو مخلوق اور مٹ جانے والی کتاب ثابت کیا جانے لگا تو اُن لوگوں کو جو قرآن کو مخلوق نہیں مانتے تھے، پکڑ پکڑ کر پھانسیاں دی گئیں۔ ایسے علماء حق میں ایک ذات

ایسی تھی جن کا نام امام احمد بن نصر الخزاعی تھا۔ انہیں دربار میں بلایا گیا۔ انہوں نے قرآن کو مخلوق ماننے سے انکار کر دیا تو خلیفہ واثق باللہ نے حکم دیا کہ بھرے چوک میں انہیں پھانسی دی جائے اور لاش کو سات دن تک وہیں لٹکائے رکھا جائے تاکہ تمام لوگوں کو اُس کے بقول عبرت ہو۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ وہ کوتوال جو اس لاش پر پہرے دار مقرر کیا گیا تھا۔ آپ تاریخ اُٹھا کر دیکھ سکتے ہیں یہ کوتوال قسمیں اُٹھا کر کہتا تھا کہ جب رات کا وقت ہوتا تھا، تمام لوگ اپنے گھروں میں واپس چلے جاتے تھے۔ میں دیکھتا تھا، کہ امام صاحب کا منہ خود بخود قبلے کی جانب پھر جاتا تھا۔ آپ کے ہونٹ ہل رہے ہوتے تھے۔ اور امام صاحب کے منہ سے سورۃ یٰسین کی تلاوت کو میں اپنے کانوں سے سُنا کرتا تھا۔ یہ صرف ایک واقعہ ہی نہیں۔ تاریخ ایسے ہزاروں بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے کہ جن لوگوں کو زندگی میں قرآن سے محبت ہوتی ہے۔ لوگ ان کی موت کے بعد بھی ان کی قبروں پر اُن کی آواز میں قرآن کی تلاوت سُنا کرتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے قرآن ہماری کتابوں جیسی کتاب نہیں۔ اور رسولؐ ہمارے جیسے خطا کار انسانوں جیسا انسان نہیں۔ قرآن کیا ہے اور رسول کیا ہے؟ ہمیں تو صرف اتنا پتہ ہے کہ اگر قرآن کو پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ اگر رسولؐ کو پیدا نہ کیا جاتا تو دُنیا کی کسی چیز کا وجود ہی نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر قرآن کی قوت، قوتِ کائنات ہے، تو نبی کی نبوت سببِ تخلیق کائنات ہے۔ قرآن لاریب ہے تو نبی بے عیب ہے قرآن ایک تقریر ہے تو نبیؐ اسکی عملی تفسیر ہے۔ قرآن روشنی کی تنویر ہے تو نبیؐ ہادیٔ بے نظیر ہے قرآن دُنیا کی تدبیر ہے تو نبیؐ دُنیا کی تقدیر ہے، قرآن حق عالمگیر ہے تو نبیؐ حق کی شمشیر ہے۔ قرآن کی جس کے سینے میں تحریر ہے نبیؐ کی اُس سینے میں تصویر ہے۔ جس نے قرآن سے محبت کی، قرآن نے اُسے نبی کی محبت کے آداب سکھائے۔ اور جس نے نبی سے محبت کی نبیؐ نے اُسے قرآن کے مطابق جینے کے انداز سکھائے۔ آج ہمارے دلوں میں نہ قرآن کی محبت ہے اور نہ نبیؐ کی قدر۔ احترام و تکریم کی چادر پھٹ چکی۔ آداب کا دامن چاک ہو گیا۔ عزت اور بے عزتی کے معیار

بدل گئے۔ آج قرآن کا بتایا ہوا تقویٰ ہمارے حلق کا تعویذ بن گیا۔ بے مثل و بے مثال نبیؐ کی ہر مثال ہمارے لئے صرف ایک گزرا ہوا حال بن گئی۔ قرآن کا دیا ہوا دستور ہم نے ٹھکرایا۔ نبی کا دیا ہوا منشور ہم نے ٹھکرایا۔ ہم نے روٹیوں کو تو دیکھا لیکن ان روٹیوں کے پیچھے پڑنے والی سوٹیوں کو نہ دیکھا۔ ہم عوام ہوں یا عوام کے نمائندے۔ ہم مخالف ہوں یا موافق۔ ہم حاکم ہوں یا محکوم۔ ہم حکمران ہوں یا رعایا۔ ہم سب کا ایک ہی جرم ہے، اور وہ یہ کہ ہم نے اپنی خوراک کو دیکھا لیکن قرآن پاک کو نہ دیکھا۔ ہم نے اپنی پوشاک کو تو دیکھا لیکن اپنے نبیؐ پاک کو نہ دیکھا۔ خوب یاد رکھو! یہ خوراک اور پوشاک ایک دن سب خاک میں مل کر ختم ہو جائیں گے۔ باقی اگر رہ جائیں گے تو اعمالِ کردار، اخلاق اور حسنِ سیرت۔ افعال، کارنامے، کام، فکر اور علم، باقی رہ جائیں گے۔ ہم نے مٹنے والی چیزوں کو مقصد بنا لیا اور باقی رہ جانے والی چیزوں کو نظر انداز کر دیا۔ ہم نے دُنیا کو اپنی مادی ترقی کی خبریں تو سنوا دیں لیکن اپنی اخلاقی قدریں گنوا دیں۔

سزائے جاریہ:- تاریخ گواہ ہے ہمیشہ راج مِٹ جاتے ہیں، رواج رہ جاتے ہیں۔ جسامت مٹ جاتی ہے، وضاحت رہ جاتی ہے۔ تعلقات مٹ جاتے ہیں، روایات رہ جاتی ہیں۔ قبریں مِٹ جاتی ہیں خبریں رہ جاتی ہیں۔ وہ وقت آئے گا جب ہمارے اجسام اور نام مٹ جائیں گے، لیکن اگر ہم نے آنیوالی نسلوں کی اصلاح کے لئے ایسا معاشرہ تعمیر کیا، جس کی بنیاد روحانی اور اخلاقی قوانین پر ہوئی تو ہماری ثقافت تا ابد زندہ رہے گی۔ اگر ہم نے روحانی اور اخلاقی اُصولوں کے سرچشمے قرآن کو نظر انداز کیا تو اس کے نتائج نہ صرف یہ کہ ہم بُھگت رہے ہیں، بلکہ ہم آنے والی نسلوں کے لئے بھی کانٹوں کے درخت بو کر جائیں گے۔ جو لوگ صدقہ دینے والے ہوتے ہیں وہ جاتے وقت بھی صدقہ جاریہ چھوڑ جاتے ہیں۔ اور جو لوگ قرآن کی نافرمانی کی پاداش میں سزا پا رہے ہیں۔ وہ جاتے وقت بھی سزا جاریہ چھوڑ جاتے ہیں۔ پاکستان کے بعد ہمارے بڑوں نے قوانین ربِ ذوالجلال کی پرواہ نہ کی۔ انہوں نے بے تُکک خون دیا۔

قربانیاں دیں۔ اموال لٹائے۔ وطن چھوڑا۔ جائیدادیں اور جاگیریں چھوڑیں لیکن اس کے بعد قرآنی احکام کی خلاف ورزی کرنیوالوں سے محاسبہ نہ کیا۔ قوم کے لیڈروں سے باز پرس نہ کی۔ مسلمانوں کی اسلامی ثقافت کا مذاق اڑانے والوں کے منہ میں لگام نہ دی، اپنے بچوں کیلئے اسلامی تعلیم کا مطالبہ نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہمارے نوجوانوں کا بہت بڑا گروہ الحاد و دہریت کے راستے پر چل نکلا۔ دینی شعائر کی توہین ہونے لگی۔ قرآن کریم کو نعوذ باللہ ایک بوسیدہ کتاب کہا جانے لگا۔ منکرات پر ورش پانے لگے۔ معروف کا حکم کرنے والے جاہلوں میں شمار ہونے لگے۔ غرض کہ معاشرے کا اونٹ اپنی کروٹیں بدلنے لگا۔

جواب دو : مسلمانو! اب وقت کی گھڑیاں پکار پکار کر تمہیں کہہ رہی ہیں اگر تم اب بھی قرآن کی طرف نہ لوٹے تو پھر تمہارا کوئی پرسانِ حال نہ ہوگا۔ وقت کی نبض اب ایک خطرے سے آگاہ کر رہی ہے۔ کہ مسلمانو! اگر قرآن اب تمہاری زندگی سے نکل گیا تو تم آنے والی نسلوں کے لیے ایک نشانِ عبرت بن کر رہ جاؤ گے۔ عقل مندی اور ہوشمندی کا تقاضہ یہ ہے، کہ تم عبرت کا نشان بننے کی بجائے منزل کا نشان بن جاؤ۔

مسلمانو! کیا تمہاری زندگیوں میں وہ عہد آئے گا؟ جس عہد کی مثالیں تاریخ کے اوراق پر اس طرح چمکیں گی جس طرح دلہن کے ماتھے پر جھومر جھولتا ہے۔ کیا تم قرآن کے احکام کو جاری و ساری کرنے کی جدوجہد کرو گے؟ کیا تم قرآن کی حاکمیت کے مقابلے میں ہر ایک کی حاکمیت کو ٹھکراؤ گے؟ کیا تم قرآن کے مقابلے میں ہر دستور کو ٹھکراؤ گے؟ کیا تم اپنے ہر بچے کو قرآن پڑھاؤ گے؟ کیا تم اس قرآن کی لاج رکھو گے؟ کیا تم اس قرآن کو دل میں بساؤ گے؟ کیا تم اس قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی سعی کرو گے؟ کیا تم اس قرآن کو آخرت کا سامان بناؤ گے؟ کیا تم قرآنی تعلیمات پر عمل کرو گے! اگر ان سب سوالوں کا جواب ہاں میں ہے تو میں تمہاری ہاں میں ہاں ملاؤں گا۔ (دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملاتے ہوئے) کہ ہم قرآن کے خلاف

کوئی قانون نہیں بننے دیں گے۔ قرآن کے خلاف کوئی رواج نہیں چلنے دیں گے۔ قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کرنے دیں گے۔

زندگی کی روح : برادرانِ اسلام : قرآن رواداری۔ محبت۔ اخوت اور پیار کا سبق دیتا ہے۔ قرآن تمام مسلمانوں کو حبل اللہ کی ایک ہی لڑی میں پرونا چاہتا ہے۔ قرآن تمام مسلمانوں کو اتحاد کی مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے قرآن تعصبات اور قوم پرستی کی وجہ سے پیدا ہونے والی نفرت ختم کرتا ہے۔ قرآن قوم کو ایک قوم کی حیثیت سے نہیں قرآن قوم کو رسول اللہ کی اُمت کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے۔ دُنیا کا انتشار وافتراق اور خصوصاً مسلمان قوم کا اندرونی خلفشار مفکرین کے لئے بحث وتمحیص کا موضوع بنا ہوا ہے۔ دُنیائے انسانیت رنگ، نسل، زبان اور علاقہ وغیرہ کو آزما کر دیکھ چکی ہے کہ یہ اتحاد کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔ جب تک انسانوں کے ذہن اور سوچ وفکر ایک نہ ہوں گے، اس وقت تک انسان ایک نہ ہوں گے۔ قرآن ایک لازوال فکر پیش کرتا ہے۔ قرآن نے ایک غیر لچکدار دستور پیش کیا۔ قرآن نے صالح اور پاکیزہ معاشرہ کے قیام کے لئے واضح ہدایات دیں۔ قرآن نے انسان کی فطرت کو بنیاد بنایا۔ قرآن نے اعتقاد کو اوّلیت دی قرآن نے ایمان کو تقویت دی۔ قرآن نے جان کو روحانیت دی۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی خالی الذہن ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کیا اس نے حقیقت کو پالیا۔ میں نے آج کے دور میں بھی ایسے پڑھے لکھے لوگ دیکھے ہیں جو اس قرآن کو محض ایک بائیبل کی حیثیت سے اپنی مذہبی کتاب سمجھتے تھے۔ لیکن جب انہیں اس کے پڑھنے اور سوچنے کی توفیق ہوئی تو وہ خود قرآنِ پاک کی عظمت کے قائل ہو گئے۔ قرآن صرف اوراق پر مشتمل ایک کتاب کا نام نہیں۔ قرآن ایک عالمگیر سچائی کا نام ہے اور یہ لوگوں میں سچائی کے اوصاف پیدا کرتا ہے۔ قرآن معیارِ عدل ہے۔ لوگوں کو عادل بناتا ہے۔ قرآن حق ہے لوگوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد بتاتا ہے۔ قرآن خدا کی طرف سے پیغام ہے

خُدا کے احکام بتاتا ہے۔ قرآن راہبر ہے، منزل تک پہنچاتا ہے۔ قرآن میرِ کارواں ہے صراطِ مستقیم پر چلاتا ہے۔ قرآن اٹل ہے، عزم کو اور زیادہ مضبوط کرتا ہے۔ قرآن ہدایت ہے، زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن نور ہے، اجالوں کا سبق دیتا ہے۔ قرآن محفوظ ہے، اپنے قاریوں کی حفاظت کرتا ہے۔ قرآن روحانیت ہے، زندگی میں روح پھونکتا ہے۔

یہ سب کچھ کوئی زبانی جمع خرچ نہیں۔ دُنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ عرب جو بَدو خانہ بدوش اور غلام تھے جب انہوں نے قرآن کے زریں اصولوں کو اپنایا۔ تو تھوڑے ہی عرصے میں دُنیا کے امام بن گئے۔

<u>والہانہ عشق</u> : قرآن میں آج بھی وہی سپرٹ اور وہی راہنمائی موجود ہے۔ قرآن آج بھی ہمیں پُکار پُکار کر دعوتِ عمل دے رہا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں بچوں کو قرآنی تعلیم دلانے کی فکر نہیں۔ روزانہ تلاوت کا معمول نہیں۔ اس کے احکامات کی پرواہ نہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا۔ کہ جب "لن تنالوا البرّ حتیٰ تنفقوا" کی آیت اُتری۔ حضرت طلحہؓ نے اپنے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا وہ کنواں جو انہیں بہت ہی عزیز تھا خُدا کی راہ میں لوگوں کی ملکیت میں دے دیا۔ آج ہمیں قرآن جس نیکی کی تعلیم دیتا ہے، ہم اس نیکی کو نیکی نہیں سمجھتے۔ نیکی یہ نہیں کہ صرف مشتبہ شکلیں بنا کر امامت اور خطابت کے فرائض ادا کئے جائیں۔ نیکی یہ ہے کہ جس قرآن کو ہم اللہ کی کتاب کہتے ہیں اس کے احکام بجالانے میں اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ جب تک قرآن سے والہانہ عشق نہ ہوگا یہ کام ہرگز نہ ہوگا۔ قرآن سے عشق رکھنے والے اُس لکڑہارے کا تذکرہ میں یہاں کیسے چھوڑ دوں؟ کہ جس نے سُنا ہے کہ انگریزوں کے دَور میں بادشاہی مسجد کے سامنے لکڑیوں کی ایک چھوٹی سی دکان کھولی ہوئی تھی۔ ایک انگریز اپنی کتاب انجیل پر ایسی ادویات لگا کر آیا کہ جس سے آگ اثر نہ کرتی تھی۔ وہ شاہی مسجد میں آکر زور زور سے چیخنے لگا کہ مسلمانو! آؤ میرے پاس میری انجیل ہے۔ تم بھی اپنا قرآن لے آؤ۔ میں بھی اپنی کتاب

آگ میں پھینکتا ہوں تم بھی پھینکو۔ جو کتاب سچی ہوگی نہیں جلے گی، جو جھوٹی ہوگی جل جائے گی۔ تمام مسلمان حیران ہو گئے۔ اس صورتِ حال کا کوئی علاج نظر نہ آتا تھا۔ کہ وہی لکڑہارا دوڑا دوڑا۔ اپنی دکان پر گیا۔ وہ قرآن مجید کا نسخہ جس سے وہ روزانہ تلاوت کیا کرتا تھا، اپنے گلے سے لگا کر مسجد میں آیا اور انگریز کو للکارا! او فرنگی کے بچے! تیری چال ابھی عیاں ہو جائے گی۔ میں نے اپنے قرآن کو سینے سے لگا لیا ہے۔ تو بھی اپنی انجیل کو اپنے سینے سے لگا لے۔ باہر میں اپنی دکان کو آگ لگاتا ہوں۔ میں بھی اپنے قرآن کے ساتھ آگ میں جاتا ہوں تو بھی اپنی انجیل کے ساتھ اس آگ میں چل۔ جو سچا ہوگا، بچ جائے گا۔ جو جھوٹا ہوگا جل جائے گا۔ یہ سنتے ہی صاحب بہادر کے پاؤں سے زمین نکل گئی۔ رنگ فق ہو گیا۔ زبان گُنگ ہو گئی اور وُہ خاموشی سے مسجد سے باہر نکلا اور کار میں بیٹھ کر یہ جا وہ جا مسلمانو!

یہ تھے وہ مسلمان کہ جن کا ایمان قرآن کی عظمت کی طرح بلند تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی اور موت قرآن سے وابستہ کر رکھی تھی۔ وہ دین اور دُنیا دونوں میں قرآن کو کافی سمجھتے تھے۔

<u>جہیز</u> : دین ہو یا دُنیا دونوں کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ اور قرآن اس علم کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ علماء نے قرآن کو بھی سمجھا اور دنیا کو بھی سمجھایا۔ ایک دفعہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمدؒ کے پاس ایک بوڑھا آیا۔ سر کے بال۔ داڑھی اور بھویں سب سفید، کمر جھکی ہوئی۔ ہاتھ میں لکڑی، پھٹے پرانے کپڑے۔ ناگفتہ بہ حالت۔ تنگدستی اور مفلسی کی واضح تصویر۔ بے چارگی اور بے سہارگی کے اثرات۔ لیکن چہرے کی متانت اور سنجیدگی سے معلوم ہوتا تھا کہ بوڑھا کوئی اہم مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے۔ حضرت امام محمدؒ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو بوڑھا کہنے لگا حضرت! میری کوئی اولاد نہ تھی۔ آخری عمر میں مَیں نے منت مانی کہ مولا! اگر اب تو مجھے ایک بچی دے اور یہ بچی میری زندگی میں جوان ہو تو میں اپنی اس لڑکی کی شادی کرتے وقت جہیز میں دُنیا کی تمام چیزیں دوں گا۔ میری آخری عمر میں مجھے بچی ملی۔ یہ دیکھتے

ہی دیکھتے میری زندگی میں جوان ہوگئی۔ اب اس کی شادی کا وقت آگیا ہے میں ابھی تک بقیدِ حیات ہوں۔ اب میں منت کیسے پوری کروں؟ جب کہ میری حالت یہ ہے کہ دُنیا کی تمام چیزیں تو ایک طرف میرے پاس میری ضروریات کی چیزیں بھی پوری نہیں۔ میرے بازوؤں میں طاقت نہیں کہ کما کر تمام سامان مہیا کروں۔ میرا کوئی بیٹا بھی نہیں کہ وہ اِس ذمہ داری کو سنبھالے۔ اب میں کیا کروں؟ میرے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا بوڑھے تجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تیرے پاس سب کچھ ہے۔ پوچھا وہ کیسے؟ کہا تیرے گھر میں تیرے پڑھنے کے لئے قرآن کا نسخہ تو ہوگا کہا ہاں، فرمایا وہی قرآن اُٹھا کر تو اپنی بیٹی کے جہیز میں دے دے، کہ اس قرآن میں دین اور دُنیا دونوں کے لئے سامانِ نجات ہے۔ اس طرح امام صاحب نے بوڑھے آدمی کے مسئلہ کا حل بتایا۔

گہری نیند : حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآنِ مجید ہمارے تمام مسائل کا حل ہے۔ شادی بیاہ کے رسم و رواج ہوں یا لین دین کے معاملات، امن و امان کی فضا ہو یا جنگ و جدل کی کیفیت قرآن ہر موقع پر ہماری راہ نمائی کرتا ہے۔ پُرانے وقتوں کے مسلمان میدانِ جہاد میں بھی قرآن ساتھ لے کر جاتے تھے۔ ایک ہاتھ میں قرآن ہوتا تھا تو دوسرے ہاتھ میں تلوار ہے

وہ پہلے کا مسلمان جنگ میں جاتا تھا قرآن اور شمشیر کے ساتھ
یہ آج کا مسلمان فلم پہ جاتا ہے بیٹی اور ہمشیر کے ساتھ

مسلمانو! سوچو! آج ہماری غیرت اگر مر نہیں گئی تو گہری نیند ضرور سو گئی ہے۔ بےحیائی فحاشی اور عُریانی میں ہم دوسری قوموں سے اگر آگے نہیں تو اُن سے پیچھے بھی نہیں۔ ہمارے ہر کاروبار میں دھوکہ ہے ہمارے ہر قول میں جھوٹ ہے۔ ہر ارادے میں بدنیتی، ہر کام میں ریاکاری۔ ہر لباس میں برہنگی، ہر فیشن میں حیوانیت، ہر ادا میں نسوانیت، ہر شعور میں کم ظرفی، ہر سروس میں بددیانتی۔ ہر ملازمت میں بدعنوانی۔ ہر امانت میں چوری۔ ہیں ہم مسلمان لیکن ہمارے عمل میں منافقت ہے۔ اور تو اور ہم نے اس کلام الٰہی سے بھی منافقت

کی۔ ہم نے اس قرآن کو مسجد کی دیواروں، مسجد کی تختیوں۔ میناروں اور محرابوں پر تو لکھا۔ ہم نے خدا کے گھر میں تو اس قرآن کو سجایا لیکن اپنے گھر کی بیٹھک میں نیم برہنہ عورتوں کے فوٹو لٹکائے۔ اس طرح ہم نے آج اس قرآن کا احترام تو کیا لیکن اس احترام کو دوام نہ دیا۔ آج ہم نے قسمیں اُٹھانے کے لئے اس قرآن کو اپنے سر پر تو رکھا۔ اسے اپنے سر پہ تاج تو بنا کر رکھا لیکن اس تاج کی لاج نہ رکھی۔ ہم نے اپنے گھروں سے قرآن کو دیس نکالا دیا۔ تو ہمارے گھر اُجڑ گئے۔

ماں کی تلاوت : ایک وہ وقت تھا جب مائیں اپنے بچوں کو گود میں لے کر قرآن کی تلاوت کیا کرتی تھیں آج کل مائیں بچوں کو جھولی میں لے کر ایسی لغو، فضول، بے معنی اور لایعنی قسم کی لوریاں دیتی ہیں کہ خُدا کی پناہ، بلکہ نئی نسل فحش گانوں کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ آپ خود سوچیں، شروع میں جب بچے کی تعلیم ایسی ہو بڑا ہو کر یہ شہزادہ پھر کیسا شاہکار بنے گا؟ ماں کی گود بچے کا پہلا سکول ہے۔ یہاں جیسی تربیت ہوگی آگے چل کر ویسی عملیت ہوگی۔ جب مائیں قرآن پڑھنے والی ہوتی تھیں اس وقت بیٹے بھی محدث، مفکر، مجتہد، فقیہہ اور ولی پیدا ہوتے تھے۔ آپ کہیں گے ماں کے قرآن پڑھنے سے بیٹے کی ولایت کا کیا تعلق ہے؟ آؤ حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی زندگی کو دیکھو۔ جب آپ کی عمر پانچ برس کی ہوئی، آپ کے والد آپ کو قرآن پڑھانے کے لئے ایک قاری صاحب کے پاس لے گئے۔ حضرت بختیار کاکی شاگرد ہو گئے۔ پہلے دن تو قاری صاحب نے قرآن کے آداب پڑھائے۔ دوسرے دن سبق شروع ہوا۔ قاری صاحب نے اعوذ باللہ پڑھی۔ آپ نے بھی پڑھی۔ قاری صاحب نے بسم اللہ پڑھی۔ آپ نے بھی پڑھی۔ استاذ صاحب نے اب پڑھا الحمد للہ رب العلمین۔ لیکن حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہیں۔ اُستاذ صاحب نے سمجھا سبق شاید مشکل ہے کیونکہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ تو بچے گھر پر بھی سیکھ لیتے ہیں۔ اُستاد صاحب نے پھر پڑھا الحمد للہ رب العلمین۔ لیکن حضرت بختیار کاکی پھر بھی خاموش ہیں۔

"بیٹے پڑھتے کیوں نہیں؟

”مجھے یہ سارا سبق آتا ہے۔ میں یہاں سے نہیں پڑھونگا۔

”تم کہاں سے پڑھوگے۔

”میں پڑھونگا سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام۔

”اُستاذ صاحب بڑے حیران ہوئے۔ پوچھا بیٹا یہ تو پندرواں سیپارہ ہے۔ پہلے چودہ سیپارے کون پڑھے گا؟

”پہلے چودہ سیپارے مجھے اچھی طرح یاد (حفظ) ہیں۔

”اُستاذ صاحب کی حیرانی کی انتہا نہ رہی، کہ پانچ برس کا بچہ ہے اور کہتا ہے میں چودہ سیپاروں کا حافظ ہوں۔ پوچھا بیٹا یہ تم نے کس طرح یاد کئے؟ کہا اُستاذ صاحب بات دراصل یہ ہے کہ میری والدہ چودہ سیپاروں کی حافظہ ہے۔ اور میری ماں کی یہ عادت ہے کہ جب تک صبح ان چودہ پاروں کی تلاوت نہیں کرلیتی دُنیا کا کوئی کام نہیں کرتی۔ جب میں چھوٹا ہوتا تھا میری ماں مجھے گود میں لے کر روزانہ صبح اِن سیپاروں کی تلاوت کیا کرتی تھی چونکہ میں روزانہ سُنا کرتا تھا یہ چودہ سیپارے میرے ذہن میں پختہ ہوتے چلے گئے۔ اَب میں ماں کی طرح چودہ سیپاروں کا حافظ ہوں۔ اس لئے آپ میرا سبق سُبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ سے شروع کریں“

بھائیو! جب ماں قرآن پڑھنے والی فاطمہؓ ہوتی تھی تو بیٹا بھی کربلا میں نیزے کی نوک پہ قرآن سُنانے والا حسینؓ ہوتا تھا۔ آج اگر ماؤں کی زبان پر گھروں میں قرآن کی قرأت نہ ہوئی، تو آگے بیٹوں کو بھی دین کی بات کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ہمارے گھروں سے قرآن کی تلاوت جاتی رہی تو ساتھ خدا کی رحمت بھی جاتی رہی۔ امیر کا گھر ہو یا غریب کا گھر، ہر گھر میں بے چینی ہے۔

میں نے کچھ چھپایا نہیں: ایک واقعہ میری نظر سے ایسا بھی گزرا ہے جس سے مجھے یقین ہو گیا

ہے کہ جس گھر سے قرآن کی تلاوت چلی جاتی ہے پھر اُس گھر سے برکت بھی چلی جاتی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبل کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اپنی لڑکیوں کو گھر میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے زُہد و تقوٰے کی داستانیں سُنایا کرتے تھے۔ اور اپنی لڑکیوں کو بتایا کرتے تھے۔ کہ امام احمد بن حنبلؒ ایسے عبادت گزار ہیں کہ ان کی نمازِ تہجد بھی کبھی قضا نہیں ہوئی۔ اور اس مقصد کے لئے وہ کھانا بھی بہت کم کھاتے ہیں تاکہ نیند کا غلبہ نہ ہو جائے۔ ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے گھر مہمان بن کر آئے عشا کا وقت تھا۔ لڑکیوں نے چونکہ آپ کی عبادت و ریاضت کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا۔ اس لئے قدرے اہتمام و انتظام سے کھانا تیار کیا۔ قسم قسم کے کھانے پکائے۔ ساتھ چٹنی اور مربہ بھی رکھا۔ امام شافعیؒ کھانا لے کر بیٹھک میں آئے۔ میزبان اور مہمان دونوں نے کھانا کھایا۔ امام احمد بن حنبل نے یہ پُر تکلف دعوت خوب مزے سے کھائی۔ تمام روٹیاں کھائیں۔ سالن کے برتن اچھی طرح صاف کر دیئے چٹنی مربہ تک بالکل صاف کر دیا۔ جب خالی برتن اندر گئے تو لڑکیاں حیران رہ گئیں۔ وہ اس انتظار میں تھیں کہ چونکہ کھانا دو آدمیوں کی نسبت سے بہت زیادہ تھا اس لئے بہت کچھ بچ کر واپس آئے گا۔ لیکن یہاں تو رومال میں روٹی کا ایک لقمہ نہ تھا۔ چٹنی تک صاف تھی۔ رات کا وقت تھا۔ لڑکیوں نے اپنے ابو سے اس بات کا استفسار کیا۔ لیکن امام شافعیؒ احترام کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکے۔ لڑکیوں نے امام احمد بن حنبلؒ کی تہجد کے بارے میں سُن رکھا تھا اس لئے پانی کا لوٹا بھر کر دیا۔ امام شافعیؒ نے یہ لوٹا مہمان کی چارپائی کے ساتھ رکھ دیا۔ جائے نماز بھی لا دی تاکہ تہجد کے وقت کسی چیز کی ضرورت نہ رہے۔ حضرت امام شافعیؒ علی الصبح مہمان کے کمرے میں آئے تاکہ نماز کے لئے جگائیں۔ آپ نے دیکھا کہ امام احمد بن حنبلؒ چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ ساتھ پانی کا ویسے کا ویسا بھرا ہوا لوٹا پڑا ہے۔ آپ یہ لوٹا لے کر لڑکیوں کے پاس آئے۔ اب تو لڑکیوں کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ کہا ابا جان! آپ تو کہتے تھے امام احمد بن حنبل تہجد کے لئے

بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اور اس لئے کھانا بھی کم تناول کرتے ہیں۔ لیکن یہاں تو انہوں نے رات کو کھانا بھی پیٹ بھر کر کھایا ہے اور یہ پانی کا لوٹا بھی بھرا ہوا واپس آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے امام صاحب ساری رات نیند سوتے رہے ہیں۔ تہجّد کا وقت بھی نکل گیا، وضو بھی نہ ہوا۔ حضرت امام شافعیؒ اپنی لڑکیوں کو کوئی جواب نہ دے سکے۔ فوراً امام احمد بن حنبلؒ کے پاس آئے اور خاموشی سے بیٹھ گئے۔ اُس وقت امام احمد بن حنبلؒ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیر آئے اور کہا اے شافعیؒ! ایسا معلوم ہوتا ہے تمہاری لڑکیاں کھانا پکاتے وقت قرآن کی تلاوت کرتی ہیں۔

امام شافعیؒ نے اثبات میں جواب دیا۔ اور ساتھ یہ بھی پوچھا!

حضرت! آپکو یہ کیسے معلوم ہوا؟

کہا! مَیں نے جب پہلا لقمہ منہ میں ڈالا تو مجھے اُس کے ذائقے نے اتنا مسرور کیا کہ میں خوشی خوشی کھانے لگا حالانکہ یہ میری عادت کے خلاف تھا۔ جوں جوں میں کھاتا گیا توں توں میرا دل یادِ الٰہی کی طرف مائل ہوتا گیا۔ ہر نوالا جنّت کے میوؤں کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کھانے یادِ الٰہی میں مصروف رہ کر پکائے گئے ہیں۔ اس لئے مَیں نے یہ سوچتے ہوئے سب کھانا کھا لیا کہ شاید پھر کہیں ایسا کھانا نصیب ہو یا نہ ہو۔

اے شافعیؒ! آج تیرے کھانے نے میرا طریقہ بدل دیا۔ تلاوت والے کھانے نے میری عادت بدل دی۔ کھانا بہت کھایا لیکن نیند ذرا نہ آئی۔ جب نیند نہ آئی تو جاگتا رہا جب جاگتا رہا تو وضو قائم رہا، جب وضو برقرار رہا تو اُسی عشاء والے وضو سے تہجد کی نماز پڑھی۔ اے شافعیؒ جب میرا وضو نہیں ٹوٹا، تو میں نے پانی کا لوٹا استعمال نہیں کیا۔ اب اُدھر تو نے لوٹا واپس جا کے لڑکیوں کو دیا نہیں کہ انہوں نے تیرے سے پوچھا نہیں۔ تو نے ادب کی وجہ سے کچھ بتایا نہیں اور مَیں نے تجھ سے معرفت کی وجہ سے کچھ چھپایا نہیں۔

قرآن کا اثر: جب قرآن کی تلاوت والے کھانے کا اتنا اثر ہے تو خود قرآن کا کتنا اثر ہوگا؟

قرآن کے الفاظ اتنے پُراثر ہیں۔ کہ تقدیریں بدل دیتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں، کہ یہ قرآن پڑھ کر پھونکنا اور قرآن کی تلاوت کر کے سمجھنا کہ مصیبتیں دُور ہو جائیں گی، سراسر غلط ہے۔ بھلا الفاظ میں بھی کوئی تاثیر ہوتی ہے۔ مَیں کہتا ہوں قرآن کے الفاظ ظاہر تو ظاہر باطن تک کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ تو بہت اونچی بات ہے۔ ہمارے عام الفاظ کا اثر یہ ہے، جس طرح پیار کا ایک لفظ نفرت کو محبت سے بدل دیتا ہے، جس طرح والدین کی وصیت کے چند الفاظ لڑکے کے طور طریقے بدل دیتے ہیں، جس طرح مرشد کی نصیحت مُرید کی زندگی بدل دیتی ہے، جس طرح استاد صاحب کا سبق شاگرد کی سوچ بدل دیتا ہے، جس طرح ماضی کے چند لفظ لوگوں کے فیصلے بدل دیتے ہیں، اُسی طرح قرآن کے الفاظ پوری کائنات کے فیصلے بدل دیتے ہیں۔ بزرگانِ دین کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے کہ وُہ مصیبت کے وقت قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ قرآن ہر مصیبت کا دفاع، ہر مسئلے کا حل اور ہر مشکل کا مداوا ہے۔ اگر اس کے کلام کو پڑھو گے تو طبیعت کو لذت ملے گی۔ اگر اس کے پیغام کو سمجھو گے تو دنیا میں عزت ملیگی اور اگر اس کے بتائے ہوئے کام کرو گے تو آخرت میں جنّت ملے گی۔

کہاں سے کہاں تک: قرآن کے ساتھ جس کا جتنا تعلق ہوگا۔ اُسے اتنا ہی فائدہ ہوگا جہاں قرآن کی تلاوت ہوگئی وہاں خدا کی رحمت ہوگئی۔ جس شخص کے دل میں قرآن کی قدر ہوگی، قرآن کو بھی قیامت کے دن اس شخص کی خبر ہوگی۔ قیامت تو دُور کی بات ہے اللہ پاک نے قرآن کی قدر کرنے والے کو اِسی دُنیا میں ایسا شرف بخشا، کہ سُن کر ایمان تازہ ہو گیا۔

عراق میں ایک بزرگ کا مزار ہے۔ جن کا نام ہے بشر حافی۔ یہ اپنے وقت کے ولی گزرے ہیں۔ لیکن کیا یہ ابتدا سے ولی اللہ تھے؟ نہیں یہ پہلے ایک عیاش انسان تھے امیر و کبیر لوگوں میں شمار تھا۔ عیش پرستی کی زندگی تھی۔ تن پر فاخرانہ لباس ہوتا تھا۔ انہوں

نے اپنے لئے ایک خوبصورت باغ بنوایا ہوا تھا۔ اس باغ میں سارا دن شراب کے دَور چلتے بدکار عورتوں کے جمگھٹے لگتے، رقص کے مقابلے ہوتے۔ موسیقی کی محفلیں سجتیں۔ غرض کہ یہ عیاشی کا مستقل اڈا تھا۔ بِشر حافیؒ صبح گھر سے آتے اور شام تک یہاں دادِ عیش دیتے۔ ایک دن صبح سویرے سج دھج کے گھر سے نکلے۔ اس باغ کی طرف آ رہے تھے، کہ راستہ میں ایک کوڑے کا ڈھیر دیکھا۔ اس ڈھیر پہ ایک کاغذ کا پُرزہ پڑا تھا۔ اس پُرزے پر نظر پڑی۔ غور سے دیکھا، تو معلوم ہوا اس کاغذ پر قرآن کی آیت لکھی ہوئی ہے۔ یہ بِشر حافی آگے بڑھے۔ کچھ سوچا۔ پھر جُھک کر اس کاغذ کو اُٹھایا۔ اُٹھا کر صاف کر دیا۔ پھر اسے پانی سے دھویا۔ پھر چوم کر اسے اپنی آنکھوں سے لگایا۔ جیب سے عطر کی شیشی نکالی۔ اس کاغذ پر خوشبو لگائی اور پھر اس قرآن کی آیت والے کاغذ کو ادب سے ایک دیوار کے اونچے خانے میں رکھ دیا۔ یہ کام کرنے کے بعد حضرت بِشر حافی اپنے باغ میں چلے گئے۔ اِدھر خُدا کی طرف سے مصری ابدال حضرت ذُوالنون ؒ کو حکم ملا، کہ بِشر حافی کے پاس چل کر جاؤ۔ یہ جب بغداد میں وارد ہوئے تو لوگوں نے بتایا کہ بِشر حافی تو ایک عیاش انسان ہے لیکن انہیں رب کی طرف سے حُکم تھا۔ اس لئے حضرت ذُوالنونؒ اِس باغ کے دروازے پر پہنچے۔ پہلے تو داروغے نے روکا کہ یہاں دَرویشوں کا کیا کام؟ لیکن حضرت ذوالنونؒ کے اصرار پر باغ میں جانے کی اجازت دے دی۔ اندر جا کر آپ نے دیکھا کہ بِشر حافی شراب و کباب میں مست ہیں۔ جا کر سلام کیا اور ہاتھ ملایا۔ حضرت بِشر حافی بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ ذوالنون کے ہاتھ ملاتے ہی میرے سارے نشے ٹوٹ گئے۔

میں نے سچے دل سے توبہ کی۔ اُس باغ کو اُسی وقت چھوڑ دیا۔ حضرت ذوالنون اور حضرت بِشر حافی دونوں باغ سے باہر آئے۔ حضرت ذوالنونؒ نے آسمان کی طرف گردن اٹھائی۔ کہا الٰہی تو بھی کتنا بے نیاز ہے۔ مجھے وقت کا ابدال بنایا اور پھر اس بِشر حافی کی طرف بھیجا جو سراپا عیاش ہے۔ غیب سے آواز آئی اے ابدالِ وقت! اس بِشر حافیؒ نے ہمارے کلام کو ایک کاغذ کے پُرزے کی حیثیت سے دیکھا، ہم نے اسے کائنات میں ایک ادنیٰ ذرّے کی حیثیت سے دیکھا۔ اس نے اُس کاغذ پر غور کیا، ہم نے اس کی قسمت پر غور کیا۔ اس نے جُھک کر ہمارے کلام کو بھانپ لیا، ہماری رحمت نے جُھک کر اسے ڈھانپ لیا۔ اس نے ہمارے کلام کے ورق کو لیا، ہم نے اسے لیا۔ اس نے قرآن کے کاغذ کو کوڑے سے نکالا، ہم نے اسے اس کے عیش کے اڈّے سے نکالا۔ اس نے اُس کاغذ کو گندگی سے صاف کیا، ہم نے اسے شراب و شباب کی پلیدی سے پاک کیا۔ اس نے ہمارے کلام کے کاغذ کو پانی سے دھویا۔ ہم نے اسے آبِ زمزم سے دھویا۔ اس نے کاغذ پر عطر لگایا، ہم نے اسے جنّت کی خوشبوؤں میں بسایا۔ اس نے ہمارے کلامِ مبین کو چوما، حورانِ جنّت نے اس کی جبین کو چوما۔ اِس نے اُٹھا کر کاغذ کو ایک خانے میں رکھ دیا، ہم نے اسے اُٹھا کر ولایت کے خزانے میں رکھ دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یاایہا النبی انا ارسلنٰک شاھدا و مبشرا و نذیرا
و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا ۔

جمالِ مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرات! ہم نے وعظ و تقریر، بیان و خطاب، سبق و درس، نصیحت و وصیت، کلام و کلام سب کچھ سُنا مگر دل کہتا ہے اگر ذکرِ رسولؐ نہ سُنا تو کچھ نہ سُنا۔ اگر وعظ سننا ہے تو کسی واعظ سے سنو، اگر تقریر سننی ہے تو کسی مقرر سے سُنو۔ اگر خطاب سُننا ہے تو کسی خطیب سے سنو۔ اگر سبق سننا ہے تو کسی استاذ سے سنو۔ اگر درس سُننا ہے تو کسی مدرس سے سنو۔ اگر نصیحت سننی ہے تو کسی بزرگ سے سنو، اور اگر ذکرِ رسول سُننا ہے، تو کسی عاشقِ رسول سے سنو۔

عاشق میں نہیں، عاشق تم نہیں۔ عاشق تو وہ ہوتے تھے جن کے دل میں خدا ہوتا تھا اور آنکھوں میں مصطفےٰ ہوتا تھا۔ عاشقِ رسول وہ تھے جنھیں خُدا پرستی کا جذبہ تھا۔ جن کی بات میں لچک نہ تھی۔ جن کی ہمت میں کمی نہ تھی۔ جن کی آبروئے شجاعت پر کبھی بل نہ آیا۔ جن کے ذوق میں کبھی لغزش نہ آئی۔ عاشق وُہ تھے جن کے ایمان فولاد سے زیادہ مضبوط تھے۔ جن کے عزم پہاڑوں سے زیادہ پختہ تھے۔ جن کی معرفت عرشِ الٰہی سے زیادہ بُلند تھی۔ جن کا عشقِ الٰہی شمس و قمر سے زیادہ روشن تھا۔ عاشقِ رسول وہ تھے جن کی ایک ایک نس میں دین کی مشقت تھی۔ جن کی ایک ایک سانس میں رسول کی محبت تھی۔ عاشق وہ تھے جن کی ہر خون کی بوند میں ایمان کے شرارے تھے، جن کی ہر دھڑکن میں قرآن کے سیپارے تھے، اور جن کی ہر نظر میں جمالِ مُصطفٰے کے نظارے تھے۔

دلِ بیتاب کی یاد: عاشقِ رسول تو وہ کالا بلالؓ تھا جو سوتا تھا مکّے کی تپتی ہوئی ریت اور لکڑیوں کے جلتے ہوئے انگاروں پر۔ اور نعرے لگاتا تھا رسول اللہ کے ے

اشکِ غم بہتے رہے، دادِ وفا دیتے رہے ۔ ہم چراغوں کی طرح جل کر ضیا دیتے رہے

جمالِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس اسیر نے کون سا صدمہ ہے جو نہ سہا؟ کونسی تکلیف ہے جو برداشت کی؟ کونسی مصیبت ہے جو نہ جھیلی؟ کونسی آزمائش ہے جس میں پُورا نہ اُترا؟ ہر جفا سہی، ہر ظلم سہا، ہر تکلیف اُٹھائی، مگر ایک غم ایسا بھی گزرا جسے حضرت بلالؓ برداشت نہ کر سکے؟ یہ کونسی تکلیف تھی؟ یہ کیسا غم تھا؟ یہ وہی تھا جو ہر عاشق کے دِل و دماغ پر سوار رہتا ہے۔

جس قدر میں نے مٹائے تیری یادوں کے نقوش
دلِ بے تاب نے اُتنا ہی تجھے یاد کیا

پانچ وقت کی آذان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے محبوب کا نام دُنیا کو پکار پکار کر سُنایا کرتے تھے۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا، جب اس طریقے سے بلالؓ کو اپنے محبوب کی یاد منانے سے روک دیا گیا۔ حضرت بلالؓ عربی نہ تھے اس لئے لب و لہجہ عجمیوں جیسا تھا۔ امیہ ابن خلف حضرت بلالؓ جس کے غلام تھے اُس نے آپ کی زبان پر ایک دفعہ انگارے رکھ دیئے جس کی وجہ سے آپکی زبان میں لکنت آگئی۔ اب حضرت بلالؓ جب اذان کہتے تو منہ سے اشہدان محمد رسول اللہ کی بجائے اسہدان محمد رسول اللہ نکلتا۔ جب کافر لوگ سنتے تو ہنستے کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آذان دینے والا بھی کونسا آدمی ملا؟ جسے شین اور سین کی تمیز نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضورؐ کو مشورہ دیا کہ یارسول اللہ اس طرح کفار ہمارا مذاق اُڑاتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ حضرت بلال کو اذان دینے سے روک دیا جائے، اور ان کی جگہ عبداللہ ابن مکتوم کو مقرر کیا جائے کیونکہ وہ عربی النسل بھی ہیں۔ خوش الحان بھی ہیں۔ لب و لہجہ بھی درست ہے۔ اور آواز بھی اونچی ہے۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور کہا اے بلالؓ اب عشاء ہو چکی۔ آنے والی صبح کو تم اذان نہ کہنا کیوں کہ تمہاری جگہ عبداللہ ابن مکتوم مقرر ہو گئے ہیں۔ " الامرُ فوق الادب" کے تحت حضرت بلالؓ نے سرِ تسلیم خم کیا۔ مگر رات بھر نیند نہ آئی۔ شاید بلالؓ رو رو کر کہہ رہے تھے۔

الٰہی! میرے پاس شکل و صورت نہ تھی جس کی بنا پر میں اپنے محبوب کے لیے باعثِ کشش ہوتا میرے پاس دولت نہ تھی کہ میں آمنہ کے لعل پر وار دیتا۔ میرے پاس خوش الحانی نہ تھی کہ میں اپنے محبوب کی طبیعت کو خوش کرتا۔ الٰہی میرے پاس صرف آذان تھی جس میں میرے محبوب کا نام تھا جسے میں پانچ وقت پکارا کرتا تھا جس سے میرے عشق کی کھیتی سیراب ہوتی تھی۔ مگر اے الٰہ العالمین کیا میں ایسا بدنصیب ہوں کہ مجھ سے میرا یہ چشمۂ رحمت بھی چھین لیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے اِدھر حضرت بلال روتے رہے اُدھر آسمان کے فرشتے ان کے آنسو پونچھتے رہے۔ اِدھر بلالؓ کے دِل سے سُوز اُٹھتا رہا، اُدھر آسمان کے فرشتوں کا شور اُٹھتا رہا۔

<u>سین اور شین</u>: وہ فرشتے جن کے ذمہ سورج کا انتظام تھا۔ رب نے نہ جانے انہیں کہاں بُلا لیا؟ رات لمبی ہوگئی۔ سورج نکلتا تو رات ڈھلتی۔ لوگ اپنے بستروں میں پڑے پڑے تھک گئے۔ حضرت عمرؓ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ کہا یارسول اللہ آج ہم کروٹیں بدل بدل کر تھک گئے۔ پسلیاں دُکھنے لگیں۔ ایک نیند کرلی دوسری تیسری نیند کرلی۔ ان نیندوں پہ اور نیند کرلی۔ ہماری نیندیں ختم ہوگئیں مگر رات ختم ہونے میں نہیں آتی۔ اے اللہ کے رسول آپ تاریکی مٹانے والے ہیں۔ آپ اندھیرا مٹانے والے ہیں۔ آپ نور بن کر آنے والے ہیں۔ آپ خُدا سے دُعا مانگیں کہ اس رات کی سختی سے لوگوں کو نجات ملے۔ فرمایا اے عمرؓ! ٹھہر، "اصلی رکعتین" میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ میرے نبیؐ نے نماز سے سلام پھیرا۔ جبرائیلؑ فوراً حاضرِ خدمت ہوا۔ پوچھا جبرائیلؑ! کیا بات ہے؟ ابھی تک صبح کی نماز کا وقت نہیں ہوا۔ کہا "اَسِینُ بلالٍ عِندَ اللہِ شِینٌ"۔ بلال پڑھتا سین ہے رب سنتا شین ہے۔

<u>دریا کا زور</u>: پوچھا، اے جبرائیل! مگر یہ آج رات کے ختم نہ ہونے کا کیا قصہ ہوا؟ کہا اے اللہ کے پیارے رسولؐ۔ آج جوں جوں بلال روتا گیا توں توں دریائے رحمت

جوش میں آ تا گیا معلوم ہُوا ایسے رونے سے عاقبت سنورتی ہے۔ حضورؐ کی حدیث بھی یہی ہے۔ فرمایا جب بندہ خُدا کی یاد میں روتا ہے تو اس کے ایک آنسو سے اسکی ساری زندگی کے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اور اکثر ہوتا بھی یہی ہے کہ جب زندگی میں کسی موقع پر بندے کو اپنے گناہوں کا خیال آتا ہے، تو اس کے دِل میں ایک کھنک سی ہوتی ہے۔ اور دِل کو ایک جھٹکا سا لگتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں یہ وہ موقع ہوتا ہے جب بندے کے دل میں ایک دھڑکا پیدا ہو جاتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں یہ وہ موقع ہوتا ہے۔ جب بندے کے دِل میں ایک زلزلہ برپا ہو جاتا ہے۔ اور جب اس زلزلے کے بخارات جوش سے اوپر جاتے ہیں اور آنسو کا قطرہ بن کر آنکھوں سے نکلتے ہیں۔ تو اس آنسو کے قطرے میں صفائی قلب کے لئے دریا کا سا زور آ جاتا ہے۔ ؎

عظمتِ گریہ کو کوتاہ نظر کیا سمجھیں!

اشک اگر اشک نہ ہوتا تو ستارہ ہوتا

پوچھا جبرائیل اب کیا ہو گا؟ کہا مسئلہ یہی ہے کہ جب تک صبح صادق نہ ہو، اس وقت تک صبح کی آذان نہ ہو۔ لیکن رَب جلال میں ہے۔ رب کہتا ہے بلال اگر ہمیں روکر منانا جانتا ہے، ہم بھی مان کر اس کو کام دکھانا جانتے ہیں۔ پوچھا جبرائیل! اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے! کہا تم جو مرضی کرو۔ رب کا فیصلہ یہی ہے کہ آج جب تک بلال کی توتلی زبان سے اذان کے وہی کلمے نہ نکلیں گے۔ اس وقت تک دُنیا میں سورج کی کوئی کرن نہیں نکلے گی۔

رُوحِ بلالیؓ: محترم سامعین!

یہ بلال کا عشق تھا۔ بلالؓ نے رسولؐ سے عشق کیا تو ہم بلالؓ سے دِل لگا بیٹھے۔ بلالؓ نے رسولؐ کا ذکر کیا تو ہم بلالؓ کا ذکر لے بیٹھے۔ بلالؓ نے رسولؐ کے نام کو چوما تو ہم نے بلالؓ کے نام پر اپنے نام رکھے۔ بلالؓ چونکہ رسولؐ کا غلام ہے اس لئے ہم سب کا امام ہے۔ ہم میں کوئی استاذ ہو یا مدرس کوئی عالم ہو یا واعظ کوئی فقیہی ہو یا

مفتی، ہر ایک نے بلالؓ کے عشق سے عشق کا سبق سیکھا۔ اگر آپ کسی عالم سے پوچھیں گے عاشق کون ہوتا ہے؟ تو وُہ کہے گا عاشق وہ ہوتا ہے کہ جس کے دل سے رنگ و نسل، خویش و قبیلہ اور عربی و عجمی کا فخر نکل جائے اور بلال کی طرح اس کے دِل میں پرہیزگاری پیدا ہو جائے۔ اگر آپ کسی اُستاذ سے پوچھیں" تو وُہ کہے گا کہ عاشق وہ ہوتا ہے جس میں بلال کی طرح اطاعت گزاری پیدا ہو جائے۔ اگر آپ کسی فقیہہ سے پوچھیں گے تو وہ کہے گا عاشق وہ ہوتا ہے جو صبح کی نماز ہمیشہ اس وقت پڑھے جب آسمان پر صبح صادق کی سفید دھاری پیدا ہو جائے۔ اگر آپ میرے سے پوچھیں گے تو مَیں صرف اتنا کہوں گا کہ عاشق وہ ہوتا ہے کہ جب اُسے بلالؓ کی طرح ذکرِ رسولؐ سے روکا جائے تو پورے نظامِ کائنات میں ناہمواری پیدا ہو جائے۔

کیونکہ بلالؓ کی آذان میں رسولؐ کے ساتھ والہانہ عشق تھا۔ ایک وہ آذان بھی کہ جس نے چہار ہائے عالم میں گھومنے والے سورج کو بھی متاثر کیا اور آج کی بھی آذانیں ہیں کہ لاؤڈ سپیکر پر پورے زور شور سے بلند کی جاتی ہیں لیکن اکثر مسلمانوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

ع رسمِ اذاں باقی ہے روحِ بلالی نہ رہی

روحِ بلالی کیا تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آذان کو ذکرِ رسولؐ سمجھ کر اپنے عشق کو سیراب کیا کرتے تھے۔ اور جب اس ذِکر سے روکا جانے لگا تو بلال رضی اللہ عنہ کے دِل میں بیقراری پیدا ہو گئی ؎

حقیقت میں وہ لُطفِ زندگی پایا نہیں کرتے

جو یادِ مصطفےٰؐ سے دِل کو بہلایا نہیں کرتے

نظروں سے نظریں ملیں: ذکرِ رسول صرف دِل کا چین ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہے۔

ایک حدیث میں ہے:" ذکر الانبیاء من العبادۃ وذکر الصالحین کفارۃ" جہاں ولیوں کا ذکر ہو رہا ہو سمجھو گناہوں کی مغفرت ہو رہی ہے اور جہاں نبیوں کا ذکر ہو رہا ہو، سمجھو خدا کی عبادت ہو رہی ہے۔ ہم جب بھی اپنے نبیؐ کا ذکر کرتے ہیں،

شور و غوغا اور چرچا و رونق سمجھ کر نہیں خُدا کی عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ ذکر کرنے کا مطلب ہے تذکرہ کرنا۔ یاد تازہ کرنا۔ نبیؐ کا تذکرہ اور نبیؐ کی یاد تازہ کرنے کا حق تو اُسے ہے جس نے نبیؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، آج ہم قاضی تو بن سکتے ہیں۔ عابد و زاہد تو بن سکتے ہیں۔ متقی و پرہیزگار تو بن سکتے۔ غازی تو بن سکتے ہیں۔ نمازی تو بن سکتے ہیں۔ حاجی تو بن سکتے ہیں۔ مگر صحابی نہیں بن سکتے۔ صحابی وہی بنا جس نے نبیؐ کی نظروں سے نظریں ملا کے دیکھا۔ اصحابِ نبی نے جس طرح نبیؐ کو دیکھا اُسی طرح اس کا تذکرہ کیا۔ اگر کوئی تذکرہ کرنے والا کسی کا ذکر کرے تو وہ ہمیشہ چار باتیں ملحوظ خاطر رکھے گا۔

پہلی بات تو وہ یہ بتلائے گا کہ جس کا وہ تذکرہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کی شکل و صورت۔ قد کاٹھ اور حلیہ کیسا ہے؟

دوسری چیز اس کی تعلیم اور اُس کی تقریر ہے۔ کہ وُہ مذکور چاہتا کیا ہے۔ اس کا مقصد منشا اور مدعا کیا ہے۔ یا آسان لفظوں میں وہ کہتا کیا ہے۔

تیسری بات ذکر کرنے والا اپنے مذکور کی یہ بتلائے گا کہ اس کے معاملات اور اس کے دُنیا کے ساتھ برتاؤ کے طریقے کیا ہے؟ یا اُس کا کردار کیا ہے؟

چوتھی چیز ذکر کرنے والا اپنے مذکور کے بارے میں اپنے تاثرات بتلائے گا کہ اُس کے ساتھ ملاقات، بات چیت اور لین دین و معاملات میں بذاتِ خود اُس نے کیا محسوس کیا؟

محترم سامعین! ذکر میں یہ چار چیزیں بنیاد ہُوا کرتی ہیں۔ آئیے! اب اصحابِ رسولؐ پہلی بات پوچھیں کہ اے نبیؐ کے یارو! تم نے نبیؐ کو دیکھا تو یہ نبیؐ تمہیں کیسا نظر آیا؟ حضرت عائشہؓ ہمارے پیغمبرؐ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ آپ اُم المومنینؓ ہیں۔ حضورؐ کو جتنا قریب سے انہوں نے دیکھا اور کسی نے اتنی قربت نہ پائی۔ جب ہم اُن سے پوچھتے ہیں تو وہ فرماتی ہیں۔ ؎

شمسٌ لنا و للآفاق شمسٌ	ایک سورج دُنیا کا ہے اور ایک سورج میرا ہے

شمسی خیرٌ من شمسِ السماءِ	میرا سورج آسمان کے سورج سے بہتر ہے
شمسُ الناس تطلع بعد فجرٍ	(کیوں کہ) لوگوں کا سورج فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے
شمسی تطلع بعد العشاء	اور میرا سورج عشاء کے بعد طلوع ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ شاعرہ نہ تھیں کہ انہوں نے اپنے جذبات کو الفاظ کے موتیوں کے ساتھ ایک بیت کی خوبصورت لڑی میں پرو دیا۔ بلکہ انہوں نے تو اپنے مشاہدے کی بات بتائی۔ ایک روایت میں آپ فرماتی ہیں۔ ایک دفعہ رات کا وقت تھا۔ میں کمرے میں بیٹھی کپڑوں کی مرمت کر رہی تھی کہ میرے ہاتھوں سے سوئی نیچے گر گئی۔ میں نے سوئی ڈھونڈنے کی بہت ہی کوشش کی لیکن وُہ مجھے نظر نہ آئی۔ اتنے میں حضور پُرنورؐ اندر تشریف لائے تو آپ کے جسم سے نکلنے والی نورانی شعاؤں سے گمشدہ سوئی صاف نظر آگئی۔ اس غضب کی چمک دمک سے بھلا حضرت عائشہؓ کس طرح متاثر نہ ہوتیں؟

ڈھلکنے والے موتی: یہ تو رات کی باتیں ہیں اب ذرا دن کی بات بھی سُن لو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک دفعہ دوپہر کا وقت تھا۔ میں اپنا چرخہ چلا رہی تھی۔ میرے سامنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھے اپنے جوتوں کی مرمت فرما رہے تھے۔ مصروفیت کی وجہ سے آپکی پیشانی پر پسینہ آ رہا تھا اور یہ پسینہ جب زیادہ ہو گیا تو آپ کے چہرے پر گرنے لگا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں یہ منظر مجھ سے دیکھا نہ گیا میں دم بخود رہ گئی اور میرے ہاتھوں سے چلتا ہوا چرخہ خود بخود رُک گیا اس پر آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا عائشہؓ کیا بات ہے؟ نہ چرخے کا دھاگہ ٹوٹا، نہ پھولی ختم ہوئی نہ نلی ختم ہوئی۔ چرخہ آخر روک کیوں دیا ہے؟ فرماتی ہیں، میں نے کہا، میرے سرتاج کیا آپ دیکھتے نہیں؟ آپ کے چہرے پر پسینے کے قطرے اس طرح بہہ رہے ہیں جس طرح لال ریشمی چادر پر سفید موتی ڈھلک رہے ہوں۔

چمکنے والا سورج: حضرت عائشہؓ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ بیان کر دیا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ رض چونکہ حضورؐ کی زوجہ مطہرہ تھیں اور ہر بیوی کو اپنے شوہر سے پیار ہوتا ہے۔ ہر بیوی کو اپنا شوہر ہی حسن و جمال کا پیکر نظر آتا ہے اس لئے حضرت عائشہؓ کو بھی حضورؐ کا حُسن بوجہ زوجیت کے پسند تھا تو اس کے لئے عرض ہے کہ جناب حضرت ربیعہ بنت معوذؓ تو حضور کے رشتہ ازدواج میں شامل نہ تھیں۔ یہ تو ایک بوڑھی عورت تھیں۔ اور حضورؐ کے وصال کے بعد چھوٹے چھوٹے بچے آپ سے آکر پُرانے وقتوں کی باتیں پوچھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمار بن یاسرؓ کے پوتے آئے اور پوچھا بی بی! حضورؐ کی شکل کیسی تھی؟ حضرت ربیعہ بنت معوذؓ کے منہ سے اچانک نکلا " لَو رَأَیتَهُ رَأَیتَ الشَّمسَ طَالِعَة " بیٹا اگر تو حضورؐ کے چہرے کو دیکھ لیتا تو سمجھتا جیسے سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے۔"

جلوؤں کی برات : اس کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہے کہ جناب یہ ربیعہ بنت معوذؓ تو ایک صحابیہ عورت تھیں اور ہر مسلمان عورت کے دل میں حضورؐ کا احترام ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کے حسن و جمال کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا۔ تو میں ایک ایسی عورت کی مثال پیش کرتا ہوں جو نہ صرف یہ کہ غلام تھی بلکہ بالکل آپؐ سے ناشناسا اور ناواقف تھی۔

حضرت جامع بن شدادؓ ایک صحابی ہیں۔ فرماتے ہیں۔ میں اسلام لانے سے قبل تجارت کیا کرتا تھا۔ میری تجارت میں کھجوریں، غلام، کنیزیں اور اونٹ شامل ہوتے تھے۔ میرے ساتھ میرا ایک کاروبار شریک تھا۔ ایک دفعہ ہم مکہ شہر میں وارد ہوئے میں نے اپنے کاروباری ساتھی کو وہیں چھوڑا اور خود کسی کام کی غرض سے شہر چلا گیا۔ فرماتے ہیں جب میں واپس آیا تو میں نے ایک بہترین سُرخ اونٹ نہ پایا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا وہ سُرخ اونٹ فروخت ہو گیا۔ میرے ساتھی نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا کتنے میں بکا؟ تو اس نے کھجوروں کی ایک مقدار بتائی۔ میں نے پوچھا وہ کھجوریں کہاں ہیں؟ تو اس نے کہا وہ خریدنے والا اُدھار پر لے گیا ہے شام تک کھجوریں لانے وعدہ ہے۔ حضرت جامع بن شدادؓ فرماتے ہیں۔ میں اپنے ساتھی کے

سامنے اندیشے ظاہر کر رہا تھا کہ ایک ایسا شخص جسے تم نہیں جانتے اُسے اُدھار دے دیا ہے اب خبر نہیں وہ واپس آئے یا نہ آئے۔ فرماتے ہیں میری ان باتوں پر ساتھ ایک کجاوے میں بیٹھی ہوئی کنیز بولی! اے جامع بن شداد! کیا تم اُسی شخص کی بات کر رہے ہو جو شخص سُرخ اُونٹ خرید کرلے گیا ہے۔ میں نے کہا ہاں اُسی شخص کی بات کر رہا ہوں تو اس پر وُہ کنیز کہنے لگی اے میرے آقا تو اس قسم کے اندیشے ظاہر نہ کر کیوں کہ :

واللہُ لَقَدْ رأیتُ رجلاً کان	خُدا کی قسم! میں نے اُسے دیکھا ہے کہ
وَجهه قطعة القمر لیلة البدر	جیسے اس کا چہرہ انسان کا چہرہ نہ تھا بلکہ
أنا ضامنة لثمن جملکم	چودھویں رات کے چاند کا ٹکڑا تھا۔
لا یغدربکم۔	میں تمہارے اونٹ کی قیمت کی ذمہ دار
	ہوں۔ ایسی شکل والا دھوکہ نہیں دے سکتا۔

حضرت جامع بن شداد فرماتے ہیں جب شام ہوئی تو ایک شخص اونٹوں پر کھجوریں لاد کرلے آیا تب ہمیں معلوم ہوا کہ یہ تو وہی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہے جس میں سب جلوؤں کی برات ہے۔ جو جامع الصفات ہے جس کے تابع ساری کائنات ہے۔

چاند نکل آیا : اِس کنیز نے قسم کھا کر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ شاید لونڈی کے دماغ نے مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہو۔

لیکن محترم سامعین! یاد کرو اُس نغمے کو جو مدینہ کی بچیوں نے حضورؐ کی آمد پر گایا تھا۔ بچے اپنے لاشعور سے کام لیتے ہیں۔ وہ جیسے دیکھتے ہیں ویسے کہتے ہیں۔ مدینہ کی چھوٹی بچیوں نے حضورؐ کو دیکھتے ہی کہا! "طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ" کہ وداع کی پہاڑیوں سے ہمارے لئے چودھویں کا چاند نکل آیا۔

مغرب اور مشرق : حضرت عائشہ رض ہوں یا ربیعہ بنت معوذ، کجاوے میں بیٹھنے والی

کنیز ہو یا مدینہ میں گانے والی بچیاں سب صنفِ نازک سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر کسی کو یہ شک ہو
اور وہ سمجھتا ہو کہ عورتوں کی باتیں عموماً حسن و جمال کے معاملے میں انکی ذہنی اختراع ہوتی ہے۔
تو میں مردوں کی بات بتائے دیتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھے ہوتے
تھے تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج آسمان کے مغرب اور مشرق میں نہیں۔ ہمارے رسولؐ
کی دونوں گالوں پر گھوم رہا ہے۔

انصاف : ایک اور صحابی حضرت جابر بن سمرۃ رضؓ فرماتے ہیں ایک دفعہ چودھویں
چاند کی رات تھی چاند پوری تابانی سے چمک رہا تھا۔ میں نے سوچا باہر
سیر بھی کر آؤں اور حضورؐ کے ساتھ کچھ باتیں بھی کر آؤں۔ فرماتے ہیں میں چلتے چلتے حضورؐ کے گھر
جا پہنچا، حضورؐ اپنی حویلی میں ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک کالی چادر اپنے
اوپر اس طرح سے ڈال ہوئی تھی کہ آپ کا سارا بدن اس چادر سے ڈھنپا ہوا تھا اور چہرہ انور
چادر سے باہر تھا۔ یہ چادر بھی ہماری تمہاری زبان کا لفظ ہے۔ ورنہ رب کی زبان میں یار کالی کملی
میں لپٹا ہوا تھا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں اتفاق سے کچھ اس طرح سے جا بیٹھا کہ چودھویں کا
چاند بھی میرے سامنے تھا۔ اور نبیؐ بھی میرے سامنے تھا۔ فرماتے ہیں میں کبھی دیکھتا تھا نبی کی طرف۔
کبھی دیکھتا تھا چاند کی طرف۔ کبھی دیکھتا تھا اوپر کبھی دیکھتا تھا نیچے۔ کبھی دیکھتا تھا وہاں، کبھی دیکھتا
تھا یہاں۔ کبھی دیکھتا تھا آسمان کے چاند کو، کبھی دیکھتا تھا زمین کے چاند کو، کبھی دیکھتا تھا چاند
کے اِدھر والی کالی بدلی کو، کبھی دیکھتا تھا نبی کی اِدھر والی کالی کملی کو۔ کبھی دیکھتا تھا چاند کے گھیرے
کو، کبھی دیکھتا تھا رسول اللہ کے چہرے کو۔ چاند چمکتا تھا، نبی دمکتا تھا۔ چاند روشنی تھا۔
نبی نور تھا، چاند نور تھا۔ نبی نورٌ علیٰ نور تھا۔ فرماتے ہیں میری آنکھ جاتی تھی چاند کی
طرف۔ میری آنکھ جاتی تھی قمر کی طرف۔ آنکھ جاتی تھی ہلال کی طرف مگر دل جاتا تھا آمنہ کے لعل

کی طرف۔ مشکوٰۃ شریف کے الفاظ میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں۔ اس کشمکش و کھا دیکھی اور کھینچا تانی میں
آخر میرے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ "وَاِذَاھُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ" کہ وہ چودھویں رات
کا چاند کچھ نہیں، یہ رسول اللہ کا چہرہ سب کچھ ہے۔ ؎

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
چاند کے چہرے پہ چھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

کمال اِسی کا : مسلمانو! یہ ہے وہ رسول جس کا چہرہ صحابہؓ کے نزدیک چاند سے
بھی زیادہ روشن ہے۔ چاند حسن و جمال اور نور و روشنی کا منبع سمجھا
جاتا ہے۔ دنیا نے ہمیشہ چاند کو حسین کہا۔ اس کے حسن کے ساتھ حسینوں کے افسانے تراشے۔ اس کی
کرنوں کو نور کی روح کہا۔ اس کی بکھری چاندنی کو تمام کی شبنم کہا غرض یہ کہ دنیا نے چاند کو روشنی
لطافت اور حسن و جمال کا محور سمجھا۔ رب یہ سب کچھ جانتا تھا۔ اس لئے کہا اے میرے محبوب!
تو ذرا اپنی انگلی چاند کی طرف اٹھا تاکہ یہ چاند تیرے نور کی طاقت دیکھ لے اور اس چاند کے چاہنے
والے حسن و جمال کی حقیقت کو سمجھ جائیں۔ ہمارے نزدیک تمام منور چیزوں کو نور ہمارے نبی
کے صدقے ملا۔ جو بھی اس نبیؐ کے دامن کے ساتھ وابستہ ہوا، وہ حسن و جمال اور جلال و کمال کے
زیور سے مزین ہوا۔ شخصیت اُن کی لیکن نکھار اس نبیؐ کا۔ باتیں اُن کی لیکن متانت اس نبی کی۔ وضع
قطع اُن کی لیکن وقار اس نبیؐ کا۔ حضرت ابوبکرؓ کے چہرے پہ جمال اسی کا۔ حضرت عمرؓ کی جبین پہ جلال
اسی کا۔ زمین پہ بلال اسی کا۔ آسمان پہ ہلال اسی کا۔ اور اس ہلال کو دو ٹکڑے کرنے کا کمال اسی کا۔

پردے میں ہے جمال : ایک دفعہ شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیمؒ نے حضور علیہ السلام
کی خواب میں زیارت کی اور پوچھا حضورؐ! حضرت یوسف علیہ السلام
کو دنیا میں ایسا حسن دیا گیا کہ جسے دیکھ کر مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ دیئے حالانکہ آپ
امام الانبیاء ہیں۔ یہ حسن آپکو ملنا چاہیے تھا۔ آپ نے فرمایا "جمالی مستور عن اعین الناس

میرے حُسن کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپایا گیا ہے۔ یوسفؑ کو دیکھ کر دُنیا والے اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھے تھے۔ اگر میرے جمال کو تم پر ظاہر کر دیا جاتا تو تم اپنی گردنیں کاٹ بیٹھتے۔

میرے محترم سامعین! یہ ہے وُہ پوشیدہ حُسن جو پوشیدہ ہونے کے باوجود کبھی حضرت عائشہؓ کو عشاء کے بعد طلوع ہونے والا سورج نظر آتا ہے۔ کبھی مدینہ کی بچیوں کو وداع کی پہاڑیوں سے نکلنے والا چاند نظر آتا ہے۔ کبھی اس کا مکھڑا ہودج نشین کنیز کو چاند کا حصّہ نظر آتا ہے۔ یہ حُسن پوشیدہ ہونے کے باوجود کبھی ربیعہ بنت معوذ کو آب و تاب سے چمکنے والا سورج نظر آتا ہے۔ تو کبھی جابر بن سمرہؓ کو اس کے حُسن کی رعنائیاں چودھویں کے چاند کو مات کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ابھی یہ حُسن پوشیدہ ہے کہ کبھی ہاتھ اٹھانے پر چاند کے دُو ٹکڑے ہو جاتے ہیں تو کبھی انگلیوں کے اشارے سے ڈوبتا سورج واپس لوٹ آتا ہے۔ ؎

پردے میں ہے جمال تو ہے شُور اس قدر
اور بے حجاب ہو تو خُدا جانے کیا کرے

فتح کا راز: خُدا کی قسم! اگر یہ جمال بے پردہ ہو جاتا تو واقعی لوگ مخبوط اور دیوانے ہو جاتے اور اپنی گردنیں کاٹ بیٹھتے۔ لیکن یہاں تو حال یہ ہے کہ اسی مستور جمال اور پوشیدہ حسن پر ہی صحابہ اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے تیار ہو گئے۔ مسلمانو! غور کرو اس وقت پر جب عہد تھا صدیق اکبرؓ کی خلافت کا۔ وہ صدیقؓ کہ جو صدیقوں کا بھی صدیق ہے۔ اور صرف صدیق ہی نہیں بلکہ پوری اُمتِ مسلمہ کا شفیق بھی ہے۔ اس عہد میں روم کی فوجوں نے حملہ کر دیا۔ دشمن بھاری فوج اور سامانِ جنگ کے ساتھ ملکی سرحدوں پر حملہ آور ہوا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے نامور جرنیل حضرت خالد بنؓ ولید کو بُلایا اور کہا:۔

"اے خالد بنؓ ولید تمہیں معلوم ہے دشمن پوری طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوا ہے ہم اس کے مقابلے کے لئے تمہیں بھیجنا چاہتے ہیں۔ بتائیے! آپ کو اس کے لئے کتنی فوج اور کتنا اسلحہ ضرورت ہے؟"

کہا اے امیرالمومنین مجھے اس کے لئے صرف تین سو سپاہی اور تیرہ گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ حیران رہ گئے، کہ اتنی قلیل تعداد میں سپاہی مقابلہ کیسے کر سکیں گے! آپ نے فرمایا اے خالد بن ولیدؓ! کیا کر رہے ہو؟ اتنی تھوڑی فوج اور اتنا محدود سامان حرب۔ وہاں جنگ کیسے لڑو گے؟ کہا اے امیرالمومنین مجھے جنگ کے لئے اتنی ہی فوج اور اتنی ہی کمک کافی ہے؟ کہا اے خالد بن ولیدؓ! وہاں تو بے پناہ دشمن کی فوج ہوگی۔ سپاہیوں کی لمبی لمبی قطاریں ہوں گی، وہاں تلواریں ہوں گی۔ وہاں نیزے ہوں گے، وہاں بھالے ہوں گے وہاں خنجر ہوں گے۔ وہاں خود اور زرہ بکتر ہوں گے۔ وہاں کہیں للکار ہوگی۔ کہیں پکار ہوگی۔ ہر طرف مار دھار ہوگی۔ وہاں ہر ایک کے دماغ پر موت کا بھوت سوار ہوگا۔ وہاں بندے اپنی جانیں لڑا دیں گے۔ وہاں انسان انسان کا شکار کرے گا۔ وہاں ہر طرف موت ہی موت ہوگی۔ وہاں زبردست لڑائی ہوگی۔ وُہ میدانِ جنگ ہوگا۔ وہاں کبھی حملہ ہوگا کبھی پسپائی ہوگی۔ کبھی چڑھائی ہوگی۔ وہاں پھر فوجیں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی۔ وہاں جنگ کا بازار گرم ہوگا۔ وہاں خنجر اور بھالے ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔ وہاں تلواروں کی جھنکار ہوگی۔ وہاں چیخ و پکار ہوگی۔ وہاں بندے مولی و گاجر کی طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہوں گے۔ وہاں انسانوں کا قیمہ قیمہ ہو رہا ہوگا۔ وہاں زمین خون سے سیراب ہوگی وہاں انسان بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہوں گے۔ وہاں بڑے بڑے بہادروں کے سر مٹی کے ڈھیلوں کی طرح پڑے ہوں گے۔ وہاں ہر طرف موت کا سناٹا ہوگا۔ وہاں لاشیں گھوڑوں کے سموں کے نیچے لتاڑی جائیں گی۔ وہاں گھوڑے زخمی ہو کر پاگلوں کی طرح دوڑیں گے۔ وہاں گرد و غبار کا طوفان ہوگا۔ وہاں کوئی زخمی ہو رہا ہوگا۔ کوئی اُٹھ رہا ہوگا۔ کوئی پکڑ رہا ہوگا۔ کوئی گر رہا ہوگا۔ کوئی مر رہا ہوگا۔ وہاں تو معرکہ کارزار ہوگا۔ وہاں تو موت اور زندگی کا سوال ہوگا۔ آخر ہم اتنے کم اسلحہ اور اتنی معمولی فوج سے جنگ کیسے کریں گے؟ کہا اے امیرالمومنین! میں میدانِ جنگ میں ہی پل کر

جوان ہوا ہوں۔ میں جنگ کے تمام نشیب و فراز کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ میں جنگ کی تمام خوفناکیوں اور ہولناکیوں سے واقف ہوں۔ لیکن جب میں ایک تدبیر کرتا ہوں تو کوئی دشمن میرے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ پوچھا وہ تدبیر کیا ہے؟ خالد بن ولیدؓ نے اپنے سر سے ٹوپی اُتاری اور کہا! اے امیر المومنین، یہ میری ٹوپی ہے میں نے اس میں اپنے محبوب کا بال سی رکھا ہے۔ قسم ہے مجھے پیدا کرنے والے ربِ ذوالجلال کی جب بھی میں ٹوپی پہن کر جنگ میں گیا ہوں۔ آج تک تو شکست ہوئی نہیں۔

آرزو: میرے محترم سامعین! اس نبیؐ کے ایک ایک بال پر صحابہ کرامؓ اپنی جانیں نثار کرنے کے لیے تیار نظر آتے تھے۔ آخر انہوں نے اس نبیؐ کے چہرے پر کچھ دیکھا تو یہ فریفتگی پیدا ہوئی۔ اس شمع میں کچھ روشنی دیکھی تو پروانے بنے۔ اس حسن میں کوئی رعنائی دیکھی تو دیوانے بنے۔ اس میں کچھ جمال دیکھا تو اس کے غلام بنے اور پھر جو اس نبیؐ کے غلام بنے وہ ہم سُنیوں کے امام بنے۔

آج ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ زندگی کے مزے لوٹے۔ ہر ایک موت سے خائف ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ اے مولا! مجھے اتنی زندگی دے کہ میں اپنے بال بچوں کی شادیاں دیکھ کر مروں۔ کوئی کہتا ہے الٰہی مجھے اتنی عمر دے کہ میں تیری ہر نعمت سے فائدہ اٹھاؤں۔ کوئی کہتا ہے مولا! مجھے اتنی عمر دے کہ میں نیکیاں کما لوں، لیکن عاشقِ رسول ہمیشہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ جب تیری مرضی آئے مجھے موت دے لیکن وقتِ نزاع سامنے نبیؐ کا در ہو، اس در پر میرا سر ہو، آنکھوں میں جلوہ مصطفےٰ ہو، زبان پر کلمۂ خدا ہو، پھر رُوح تن سے جُدا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم
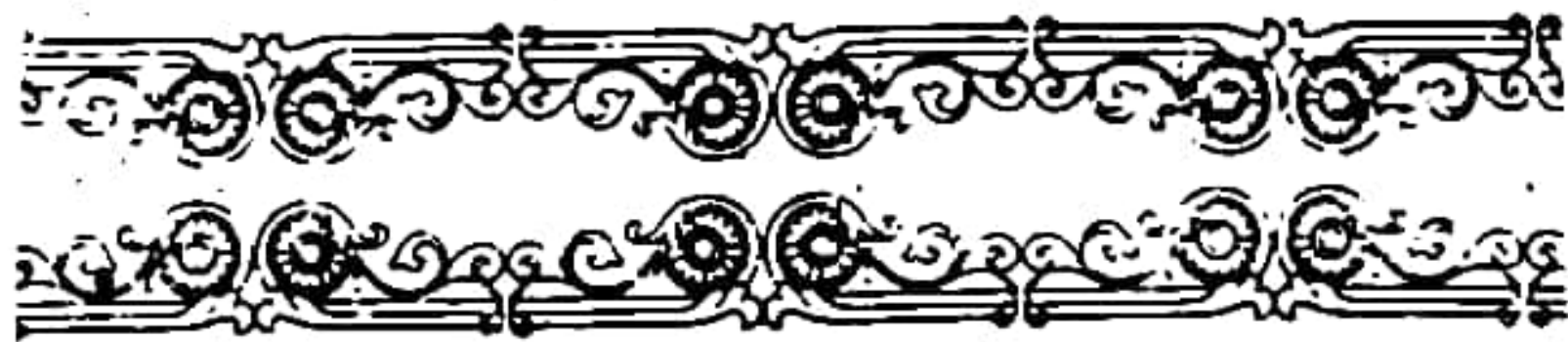
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب صدر! اور قابلِ صد احترام سامعین کرام!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور مدح سرائی تو اکثر ہمارے علماء کرام بیان کرتے رہتے ہیں۔ آپ سنتے رہتے ہیں۔ اور خوب سر دھنتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک حدیث ایسی بھی ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شان اپنی زبان سے آپ بیان فرمائی۔ صحابہ کی مجلس تھی۔ جاں نثاران رسالت پروانوں کی طرح شمع ہدایت کے گرد جمع تھے۔ آپ نے فرمایا! اے میرے یارو! کیا آج تمہیں وہ باتیں نہ بتاؤں جن کی وجہ سے تمہارے رب نے مجھے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں پر فضیلت بخشی؟ عرض کی حضورؐ! آپ کی باتیں نورٌ علیٰ نور۔ آپ کی باتوں سے ہمیں ملتا ہے سُرور اس لئے بتایئے ضرور بالضرور۔

افضل الانبیاء: فرمایا میرے رب نے مجھے پانچ باتوں کی وجہ سے پچھلے انبیاء پر افضل بنایا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جتنے بھی نبی آئے۔ اپنے اپنے وقت کے لیے آئے جب ایک نبیؑ کا وقت ختم ہوگیا تو دوسرا نبی بنایا گیا۔ حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوحؑ کو نبی بنایا گیا۔ حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنایا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ کو نبی بنایا گیا۔ اس طرح ہر نبی کے بعد کسی اور کو نبی بنایا گیا۔ فرمایا ہر نبی کے بعد اور نبی آیا لیکن مجھے اللہ پاک نے ایسا نبی بنایا کہ میرے بعد اب کوئی اور ماں کا لعل نبی بن سکتا ہی نہیں۔

دوسرے فرمایا جتنے بھی پچھلے نبی آئے سب کی نبوت کا دائرہ متعین تھا۔ کوئی نبی کسی بستی کے لئے آیا۔ کوئی نبی کسی قصبے کے لیے آیا۔ کوئی نبی کسی شہر کے لئے آیا۔ کوئی کسی علاقے کے لئے

آیا۔ کوئی کسی مُلک کے لئے آیا۔ لیکن فرمایا مجھے اللہ نے ایسا رسول بنایا کہ اب جس کائنات کے ذرّے کا ربّ وہ ربِّ کائنات ہے اُس کا رسول تمہارے سامنے محمد کی ذات ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

تیسری بات فرمائی۔ جب قیامت کا دن ہوگا، حشر کا سامان ہوگا، بلا کی گرمی ہوگی۔ نہ دماغ ہوگا نہ دھیان ہوگا۔ نہ کسی کی جان میں جان ہوگی۔ نہ کسی کی منہ میں زبان ہوگی۔ نہ کسی کے منہ کی پہچان ہوگی۔ ہر پیغمبر خاموش ہوگا۔ نہ کسی نبی کو سفارش کرنے کی سعادت ہوگی، نہ کسی رسول کی طرف سے معاونت ہوگی۔ جس وقت تمام مخلوق کو نجات کی حاجت ہوگی۔ اس وقت مجھے رب کیطرف سے شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی۔

چوتھی چیز فرمائی، ہر نبی پر وحی آئی۔ رسولوں کے پاس کتابیں آتی رہیں، صحیفے آئے جتنے بھی صحیفے اور کتابیں آتی رہیں، رب نے ان میں کسی کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیا۔ لیکن میرے رب نے مجھے ایسی کتاب دی کہ جب تک وہ رب رحمان رہیگا تب تک میرا قرآن رہیگا۔

پانچویں بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے معراج کرایا۔ حضرت آدمؑ کو وہاں معراج ہوا جہاں ان کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کو وہاں معراج ہوا جہاں اُن کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی۔ حضرت صالحؑ کو وہاں معراج ہوا۔ جہاں سے ان کی اونٹنی ملی۔ حضرت یونسؑ کو وہاں معراج ہوا جہاں وہ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے۔ حضرت ابراہیمؑ کو وہاں معراج ہوا جہاں ان پر آگ کا بحہ گلزار ہوا۔ حضرت اسماعیلؑ کو وہاں معراج ہوا جہاں گردن پر چھری رکھی گئی۔ حضرت یوسفؑ کو وہاں معراج ہوا جہاں بھائیوں نے کنویں میں ڈالا۔ حضرت یعقوبؑ کو وہاں معراج ہوا۔ جہاں انہوں نے بیٹے یوسفؑ کے کرتے کی خوشبو سونگھی۔ حضرت ذکریاؑ کو وہاں معراج ہوا جہاں سر پہ آرا چلایا گیا۔ حضرت ایوبؑ کو وہاں معراج ہوا جہاں جسم میں کیڑے ڈالے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کو وہاں معراج ہوا۔ جہاں طور پر جلوہ دکھایا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو وہاں معراج ہوا جہاں پھانسی کا تختہ لگایا گیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں اللہ نے سب نبیوں کو اسی

زمین پر معراج کرایا۔ سب کو یہاں معراج کرایا۔ لیکن اللہ نے مجھے وہاں بُلا کر معراج کرایا جہاں کچھ نہ تھا۔ یا وہ خُدا تھا یا میں مُصطفےٰ تھا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

جان پہچان: ہم اہلسنّت وجماعت ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارا نبیؐ اپنے جسمِ اطہر کے ساتھ ساتوں آسمان کے پار گیا، اور صرف ساتوں آسمانوں ہی کے پار نہیں، یہ قوس وقزاع کے بھی پار، سدرہ کے بھی پار، مکان و لامکان کے بھی پار، پار کے بھی پار۔۔۔۔ وہاں تک پہنچا جہاں ہمارا جہان ہی ختم ہوگیا۔ آخری حد۔ آخری کنارے۔ آخر کے بھی آخر تک پہنچا۔ وہاں تک پہنچا جہاں تک کوئی نہ پہنچا۔ وہاں تک پہنچا جہاں تک کسی کی پہنچ نہ تھی۔ اور ربّانی دعوے سے کہتا ہے کہ جہاں تک کسی کی پہنچ نہ تھی وہاں پر میرے نبیؐ کی نہ صرف یہ کہ پہنچ تھی۔ بلکہ وہاں کی جان پہچان بھی تھی۔ اعلحضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

وُہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُسکی طرف گئے تھے

اوّل وآخر: کیونکہ ہمارے نبیؐ اوّل بھی ہیں آخر بھی ہیں۔ ابتدا بھی ہیں، انتہا بھی ہیں۔ آغاز بھی ہیں انجام بھی ہیں۔ اقبال نے بھی یہی کہا ؎

نگاہِ عشق ومستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

آپ کہیں گے نبی آخر تو ہے کہ آخری حدود تک رسائی ہے اور آخرت میں جب تمام نبی ساتھ چھوڑ دیں گے تو آخر کار آپ کی شفاعت کام آئے گی۔ لیکن یہ اوّل کیسے ہوئے ؟

آئیے دُنیا کے اوّلین انسان سے پوچھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ جب مجھے میری اولاد کی روحیں دکھائی گئیں تو میں نے ان میں ایک چمکتا ہوا نورانی شعلہ دیکھا۔ میں نے جب اس نور کے متعلق پوچھا تو جواب ملا۔ اے آدمؑ اگر یہ نور نہ ہوتا تو تو بھی نہ ہوتا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام: پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام کو نصیحت کی کہ بیٹا محمدؐ کی ذات پر دُرود بھیجا کرو۔ پوچھا آبا جان! وُہ محمدؐ کون ہیں۔ کہا محمدؐ وہ ہیں جن پر دُرود پڑھنے سے میری توبہ قبول ہوئی۔ پوچھا آپؐ نے انہیں کہاں دیکھا ہے۔ کہا بیٹا سب سے پہلے نور روحوں میں اسکی نورانی چمک دیکھی۔ پھر جنّت میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ جنّت کے درختوں کے تنوں پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا۔ تنوں کی شاخوں پر محمدؐ کا نام تھا۔ محلات کی تختیوں پر محمدؐ کا نام تھا۔ جنّت کے ستونوں پر محمدؐ کا نام تھا۔ حوروں کے سینوں پر محمدؐ کا نام تھا۔ غلمان کی جبینوں پر محمدؐ کا نام تھا۔ پرندوں کے پروں پر محمدؐ کا نام تھا۔ پیالوں کے خول پر محمدؐ کا نام تھا۔ اور کوثر کے حوض پر محمدؐ کا نام تھا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور: محترم سامعین! سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ نبیؐ تھا تو اس کا نام بھی تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا نام بھی نہ ہوتا۔ نام اُسی کا ہوتا ہے جس کا وجود ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ رب اپنے اس محبوب کی تخلیق آدم سے بھی پہلے کر چکا تھا۔ ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق روایتوں کو کچھ لوگ من گھڑت قصے کہانیوں کی صف میں شمار کرلیں۔

آئیے ہم خود اپنے نبیؐ سے پوچھ لیتے ہیں:۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں ایک دفعہ حضورؐ کو بغور دیکھ رہا تھا، کہ حضورؐ نے چہرۂ انور اُٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اور پوچھا! جابرؓ کیا سوچ رہے ہو؟ میں نے برجستہ کہا حضورؐ خبر نہیں اللہ نے آپکو بنایا کس وقت تھا؟ سُنیئے اس وقت نبیؐ نے کیا فرمایا؟ ہر تاریخ غلط ہوسکتی ہے ہر بیان غلط ہوسکتا ہے۔ ہر تقریر غلط ہوسکتی ہے لیکن میرے نبیؐ کی حدیث کبھی غلط نہیں ہوسکتی۔

فرمایا "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی" اے جابرؓ تو پوچھتا ہے میں کس وقت تھا؟ اُس وقت نہ حیوانات تھے نہ نباتات، نہ جنّات تھے نہ جمادات، نہ منقیات تھے، نہ تجلیات۔

اُس وقت نہ شجر تھے نہ ثمر، نہ شمس تھا نہ قمر، نہ زمین تھی نہ آسمان نہ فلک تھا نہ ملک۔ اُس وقت نہ دماغ تھا نہ دھیان۔ نہ جان تھی نہ جہان۔ اس وقت نہ ارواح تھیں، نہ اجسام تھے۔ نہ ماہیت تھی، نہ اصلیت تھی، نہ خلقت تھی۔ نہ سکون تھا۔ نہ قصبہ تھا نہ بستی تھی۔ نہ عدم تھا نہ ہستی تھی۔ نہ عشق تھا نہ مستی تھی۔ فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی۔ کہ اس وقت ہر طرف یا رَبّ کا ظہور تھا یا محمد کا نُور تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کایا پلٹ دی: فلسفۂ معراج کو سمجھنے سے پہلے صاحبِ معراج کو سمجھنا ضروری ہے۔ ہماری تمہاری حیثیت ہی کیا ہے؟ کہ ہم معراج کے واقعات کو اپنی عقل کے ترازو میں تولیں۔ نبیؐ کی حیثیت، وقعت، مرتبہ، درجہ اور شان و فضیلت ربِ لم یزل نے روزِ اوّل سے طے کر دی تھی۔ اس نبیؐ کو رب نے تمام رموزِ کائنات سے شناسا تو پہلے سے کر دیا تھا۔ اب معراج کے موقعہ پر کائنات کی ہدایت کے لئے رب نے مزید بھید اپنے محبوبؐ کے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔ آج کچھ لوگ کہتے ہیں حضورؐ کے پاس اتنا علم تھا جتنا علم صرف انسانوں کے لئے کافی ہوتا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں حضورؐ کے پاس اتنا علم تھا جتنا لوحِ محفوظ کی تختی میں محفوظ تھا۔ کچھ کہتے ہیں اتنا علم تھا جتنا قرآن میں موجود تھا۔ کچھ کہتے ہیں حضورؐ کے پاس اتنا علم تھا جتنا جبرائیل نے القا کر دیا۔ کوئی کہتا ہے۔ حضورؐ کے پاس اتنا علم تھا جتنا پچھلی الہامی کتابوں اور صحیفوں میں موجود تھا۔ میں کہتا ہوں یہ اِتنے۔ اُتنے۔ جتنے اور کتنے کی بحث ہی کیوں؟ ہمارے دماغ چھوٹے ہیں۔ ہماری عقلیں محدود ہیں۔ ہماری فکر کم ہے۔ ہماری رسائی وہاں تک نہیں جہاں تک یہ نبیؐ پہنچا۔ یہ وہاں گیا جہاں کچھ نہ تھا۔ جہاں تنہائی تھی۔ جہاں خلوت تھی۔ جہاں یا یہ مصطفےٰؐ تھا یا وُہ خُدا تھا۔ اب ہمیں کیا خبر کہ اُس دینے والے نے اسے کیا دیا۔ اور اِس لینے والے نے اُس سے کیا لیا۔ ہمیں تو اتنی خبر ہے کہ جب یہ واپس آیا تو پھر سے

یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی ✿ عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

پھر اس نے آن کی آن میں کایا پلٹ دی۔ عرب کے لوگ خونخوار تھے، غمخوار بنا دیئے۔ چور تھے محافظ بنا دیئے۔ شرابی تھے نمازی بنا دیئے۔ بدکردار تھے جانثار بنا دیئے۔ غریب تھے نصیب بنا دیئے۔

ختمِ نبوت کی دلیل: ہمارے نزدیک واقعہ معراج بھی ہمارے نبیؐ کی ختمِ نبوت کی مضبوط دلیل ہے۔ گھر میں باپ مٹھائی لے کر آیا۔ ماں نے سب بچوں کو مٹھائی تقسیم کر دی۔ اور چھوٹے بچے کے لئے علیحدہ ایک رومال میں تھوڑی سی مٹھائی بچا کر رکھ لی۔ کیونکہ ماں جانتی ہے۔ کہ چھوٹا ہے یہ پھر آئے گا۔ پھر مٹھائی مانگے گا تھوڑی دیر کے بعد وہ بچہ پھر آتا ہے۔ ماں اُسے پیار کرتی ہے۔ تمام باقی ماندہ مٹھائی بھی دیتی ہے اور ساتھ اُس کے سامنے رومال جھاڑ کر بھی دکھا دیتی ہے۔ کہ دیکھو منے! اب مٹھائی ساری کی ساری ختم ہو گئی ہے۔

ہر نبی اپنے اپنے حصے کی نبوت سے سرفراز ہوتا گیا۔ آخر میں حضورؐ کی باری آئی نبوت کا تاج ان کے سر پر بھی سجایا گیا لیکن ہمارے نبیؐ تھے محبوب نبیؐ انہیں پھر آسمانوں پہ بلایا گیا۔ ان کے ساتھ پیار کیا گیا۔ پھر نبوت کی تمام گٹھڑی کھول کر رکھ دی گئی۔ نبوت کی تمام نعمت ان کے حوالے کر دی گئی اور پھر رب نے اس نبیؐ کے سامنے نبوت کا رومال جھاڑ کر دکھایا کہ پیارے اب نبوۃ کی تمام مٹھائی ختم ہو گئی۔ اب تیرے بعد نہ میرے پاس نبوت ہو گی نہ کسی کو ملے گی۔

تصدیق پہلے: معراج کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت، دوزخ، فرشتے، حور و غلمان اور کوثر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔ ہم اگر دیکھنا بھی چاہیں تو نہیں دیکھ سکتے۔ آپ لاکھ دُوربینیں لگا کر دیکھیں

جنت اور دوزخ، حور و غلمان اور فرشتے آپکو کہیں نظر نہیں آئیں گے۔ جن چیزوں کا دیکھنا ہمارے بس میں نہیں نبیؐ کو وہ چیزیں بُلا کر دکھائی گئیں۔ ان چیزوں کا نام رب نے اسی لئے "غائب" رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں ہیں تو سہی لیکن لوگوں کی نظروں سے انہیں غائب رکھا گیا ہے۔ اور کہا گیا ہے "اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" کہ رب کے پیارے وہی ہیں جو "غائب" کو مانتے ہیں۔ ایمان کی تعریف بھی یہی ہے۔ ہم ایمان مفصل اور ایمان مجمل میں تمام غائب چیزوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان لانا اور ماننا ایک ہی چیز ہے۔ البتہ ایمان کے سلسلے میں ماننے کا انداز یہ ہے کہ "اِقرارٌ بِاللسان وَتصدیقٌ بِالقلب" کہ زبان سے اقرار کیا جائے اور دل سے اسکی تصدیق کی جائے۔ ہم معراج کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں اور دل سے اس کی سچائی کے قائل ہیں اور اسکی تصدیق کرتے ہیں ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ ہم معراج کا واقعہ سُنتے ہیں پہلے، اور اسکی تصدیق کرتے ہیں بعد میں۔ لیکن قربان جائیں اس صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان پر وہ معراج کا واقعہ سنتے ہیں بعد میں اور اسکی تصدیق کرتے ہیں پہلے۔

دونوں جہانوں کا سردار: جب سردارِ دوجہاں حضور پُر نور علیہ السلام نے مکہ والوں کو اپنے معراج کی خبر سنائی تو ابوجہل کے پیٹ میں پھر درد ہوا اُس نے موقع غنیمت جانا۔ ابھی حضرت صدیق اکبر کو معراج النبی کی خبر نہ تھی۔ ابوجہل دوڑ دوڑا صدیق اکبرؓ کے دروازے پر گیا۔ حضرت ابوبکرؓ باہر آئے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ کہا اے ابوبکرؓ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں راتوں رات آسمان پر گیا ہوں، سیر کی ہے اور راتوں رات واپس بھی آ گیا ہوں تو کیا تم اس کی بات کو مانے گا۔ کہا نہیں۔ ابوجہل نے پھر پوچھا اے ابوبکر! اگر کوئی کہے آسمانوں پر گیا ہوں اور سیر کر کے واپس آ گیا ہوں تو کیا تو مانے گا۔ کہا نہیں۔ ابوجہل نے تیسری دفعہ پھر پوچھا اے ابوبکر وہی عبدالمطلب کا پوتا جسے تو نبی سمجھتا ہے جسے دانا و بینا سمجھتا ہے۔ جس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ جس کے دین پر رہتا ہے جس کے قربان جاتا ہے۔

آج وہی کہہ رہا ہے۔ کہ میں آسماں کی سیر کر آیا ہوں۔ کہا ابوجہل! اگر وہ کہتا ہے تو سچ کہتا ہے۔ کہا ابو بکر! ابھی تو میں نے پوچھا تھا کہ اگر کوئی کہے تو مانے گا تو نے کہا نہیں؟ کہا ابوجہل! کچھ ہوش کر وہ نبی کوئی نہیں۔ وہ تو نبیوں کا نبی ہے وہ تو میرا یار ہے وہ تو میرا پیار ہے۔ وہ تو میرا وفادار ہے۔ وہ تو غمگسار ہے۔ وہ تو رب کا دلدار ہے۔ وہ تو دونوں جہانوں کا سردار ہے۔

شانِ صدیق رضی اللہ عنہ : حضرت ابو بکرؓ نے واقعہ معراج کی تصدیق کی تو رب نے انہیں "صدیق" کا لقب عطا کیا۔ جس شخص کو خطاب دینے والا خود اللہ ہو، وہ کتنا خوش نصیب ہو گا! حضرت صدیق اکبر کی خوش نصیبی صرف یہی نہیں بلکہ اسکی خوش بختی کا ایک رنگ اور بھی ہے۔ آج کوئی شخص اگر اپنی بیٹی کو کسی تحصیلدار یا کمشنر یا وزیر یا سفیر کے ہاں بیاہ دے تو لوگ کہتے ہیں یہ شخص بڑا بخت والا ہے کیونکہ اسے ایک اچھا داماد مِل گیا۔ میرا صدیقؓ کتنے بخت والا ہے کہ اسے نبیؐ جیسا داماد مِل گیا۔ اچھا سسر وہی ہوتا ہے جو اپنے داماد سے بیٹوں کی طرح پیار کرے اور اچھا داماد وہی ہوتا ہے جو سسر کی باپ کی طرح عزت کرے۔ صدیقؓ نے ہمیشہ نبیؐ سے والہانہ پیار کیا اور میرے نبیؐ نے ہمیشہ صدیقؓ کو عزت بخشی۔ اِس عزت کی حد یہ ہے کہ نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں اپنے سامنے مصلے امامت پر صدیق اکبرؓ کو کھڑا کر دیا۔

کہتے ہیں نماز میں خُدا سے باتیں ہوتی ہیں۔ اُس وقت حالت یہ تھی کہ رسولِ خُداؐ اپنے خُدا سے کلام کر رہے تھے۔ صدیقؓ، رسولؐ کی اتباع کر رہے تھے اور پیچھے تمام صحابہ صدیقؓ کی اقتدار کر رہے تھے۔ اِن صحابہؓ کے وسیلہ سے ہمیں تمام شریعت ملی۔ گویا ہماری بات صحابؓ سے۔ صحابہ کی بات صدیقؓ سے۔ صدیق کی بات رسولؐ سے اور رسولؐ کی بات خُدا سے۔ خُدا ہمارا سب کچھ ہے۔ آپ میں سے ہر کوئی یہ چاہتا ہو گا کہ مجھے خُدا مِل جائے کیونکہ خُدا مِل جائے گا تو سب کچھ مِل جائے گا۔ لیکن خُدا سے ملاقات کی تمنا رکھنے والو! خوب یاد رکھو!

خُدا بغیر وسیلے کے نہیں مِلا کرتا۔ ہمارے دین میں خُدا شریعت محمدی کی پیروی کرنے سے ملتا ہے۔ ہم اصحابِ محمدؐ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہوئے تو شریعت کی بات بن گئی۔ صحابہ صدیقؓ سے جا کر ملے تو یاروں کی بارات بن گئی۔ صدیقؓ رسول سے جا کر ملے تو یاروں کی ملاقات بن گئی۔ اور رسولؐ خُدا سے جا کر ملے تو معراج کی رات بن گئی۔

تابِ نظارہ نہیں : قرآنِ پاک میں ایک جگہ حضرت موسیٰؑ کے معراج کا ذکر آیا ہے۔ فرمایا "قَالَ رَبِّ أَرِنِی" موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے نظارا۔ کہا کیوں؟ کہا "انظر الیک" میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہا "لن ترانی" تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ کہا اے پروردگار میں تجھے نہیں دیکھ سکتا، یا تو مجھے اپنے آپکو دکھا نہیں سکتا۔ جواب ملا موسیٰؑ! میں تو سمیعٌ بصیرٌ ہوں، میں تو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہوں۔ میں تو ہر کام پر قدرت رکھتا ہوں۔ میں تو اپنے آپکو تجھے دکھا سکتا ہوں لیکن تو مجھے دیکھ نہیں سکتا۔ کہا مولا! میں تجھے کیوں نہیں دیکھ سکتا۔ کہا ؎

تابِ نظارہ نہیں جلوہ کیا دیکھنے دو دل
اور ہی ہو جائیگا تصویر جو حیران ہو گا،

نگاہِ مصطفےٰؐ : اے موسیٰؑ میرے جلوے کی تجلی تیرے حوصلے کو مات کر جائے گی۔ تو اس جلوے کی تاب نہ لا سکے گا۔ پھر تو اس قدر حیران ہو جائے گا کہ تیری حالت اُس تصویر جیسی ہو گی جو نہ مردہ کہلاتی ہے نہ زندہ، نہ حرکت کر سکتی ہے، نہ بول سکتی ہے اور نہ اُسے لاش کہا جا سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ تھے طبیعت کے جلالی نبی۔ جوش میں آ گئے! واہ میرے اللہ! ہوں میں تیرا کلیم، ہوں میں تیرا پیغمبر، ہوں تیرا رسول اور تجھے دیکھ میں نہیں سکتا۔ اگر میں نہیں دیکھ سکتا۔ تو پھر اور کون دیکھ سکتا ہے؟ کہا ؎

اے موسیٰؑ نہ تو دیکھے نہ ختم انبیاء دیکھے ❊ مجھے دیکھے تو نگاہِ مصطفےٰؐ دیکھے!

کہا مولا! میں اگر نہیں دیکھ سکتا تو وہ مصطفٰے کیسے دیکھے گا؟ کہا موسیٰ وہ ایسے دیکھے گا جیسے آنکھ سے آنکھ ملا کر دیکھا جاتا ہے۔ وہ مجھے دیکھے گا میں اُسے دیکھوں گا۔ وہ مجھے ملے گا میں اُسے ملوں گا۔ پوچھا یاالٰہ العالمین! تجھے دیکھ کر میں اگر بے ہوش ہو جاؤں گا تو وہ مصطفٰے تجھے دیکھ کر کیا بیہوش نہ ہوگا؟ آواز آئی موسیٰ! نہیں وہ بالکل بے ہوش نہ ہوگا۔ نہ اُسے غشی آئے گی۔ نہ وہ گھبرائے گا۔ نہ اُسے کوئی خوف ہوگا۔ کیونکہ وہ تو روزِ اوّل سے میرے نور سے مانوس ہے۔

حدود : حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین پر رب کے نور کی ایک ہلکی سی تجلی دیکھی تو بے ہوش ہوگئے۔ اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وُہ کچھ دیکھا جو میرے تمہارے الفاظ کی قید میں نہیں آسکتا۔ بیان کی قوت اس کے بیان کرنے سے معذور ہے۔ لیکن ہم یہ قصہ اس لئے لے بیٹھے کہ دل مجبور ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی تاب صرف زمین کی حد تک ہے۔ اور ہمارے نبیؐ کی پہنچ آسمانوں تک ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے معجزہ دکھانے کے لئے رب نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ اس زمین پر پڑے ہوئے پتھر کو اپنا ڈنڈا مار۔ جب ڈنڈا پتھر پر پڑا تو فانفجرت اثنتا عشر عینا صاف و شفاف پانی کے بارہ چشمے پھوٹ نکلے لیکن جب باری آئی آمنہ کے لعل کی۔ جب باری آئی اس بے مثل و بے مثال کی۔ کہا میرے محبوب تیری حدود زمین کے حدود ارلعہ سے بہت آگے ہیں۔ اے میرے محبوب تجھے ڈنڈا اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔ تجھے پتھروں کی ضرورت نہیں۔ تجھے پتھر پر مار پیٹ کی ضرورت نہیں۔ میرے محبوب! بس تو صرف اپنے ہاتھ کی اُنگلی سے ذرا سا اشارہ کر دے تیرے اسی ہلکے سے اشارے پر آسمان کا چاند دو ٹکڑے ہو جائے گا۔ ہمارے نبی تمام نبیوں سے افضل۔ یہ نبیؐ تمام نبیوں سے اعلیٰ۔ یہ نبیؐ تمام پیغمبروں سے بڑھ کر شان والا۔ اس کے معجزات اور کمالات پچھلے تمام پیغمبروں سے اعلیٰ۔ علماء کے قول کے مطابق جتنے معجزات ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو دیے گئے وہ سب ہمارے رحمت للعالمین کو دیئے گئے۔ حضرت آدمؑ کی توبہ ایک

طرف۔ حضرت نوحؑ علیہ السلام کی تبلیغ ایک طرف۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے باہر آنا ایک طرف۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا خوابوں کی تعبیر بتانا ایک طرف۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یدِ بیضا اُٹھانا ایک طرف اور میرے نبیؐ کا چاند پر اُنگلی اُٹھانا ایک طرف۔

جس نبیؐ کی پہنچ آسمانوں کے بھی پار ہو۔ چاند تک اس کی رسائی کیسے نہ ہوگی؟ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ نبی وہاں گیا جہاں تک ہماری نظر جاتی ہے۔ کوئی کہتا ہے یہ وہاں گیا جہاں کائنات کی حدود ختم ہوتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے ساتویں آسمان تک گیا۔ میں کہتا ہوں یہ نبیؐ وہاں گیا جہاں کا تھا۔

ے وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اُسی کے جلوے اُسی سے ملنے اُسی سے اُسکی طرف گئے تھے

استقبال کی تیاریاں : یہ نبیؐ اُس کی طرف ویسے ہی نہیں چلے گئے بلکہ انہیں بُلایا گیا۔ بلانے سے پہلے رب نے حکم دیا، اے فرشتو! آج میرے آسمان کو سجا دو۔ آج ان راستوں پر چادریں بچھا دو۔ جنت کو خوب سے خوب تر بنا دو۔ جہنم کے دروازے آج بند کر دو۔ اور اے جنت کے وارونے! آج اپنا خاص مزین و آراستہ لباس پہن کر میری جنت کے دروازے پر آنے والے کے استقبال کے لئے تیار ہو جا۔ اے جبرائیلؑ اپنی عبادت و ریاضت اور تسبیح و تہلیل کو چھوڑ دے کہ اس سے زیادہ بڑی عبادت تیرے ذمہ لگانے والا ہوں۔ اے عزرائیلؑ تو جہاں بھی ہے موت سے اپنا ہاتھ روک لے۔ اے سورج اور چاند ستارو! جہاں ہو وہیں کے ہو رہو۔ خبردار، کوئی ہلنے نہ پائے۔ ربّ ذوالجلال کے اس حکم کے سامنے کسی کی کیا مجال تھی، سب کے سب رُک گئے۔ سورج کی کرنیں رُک گئیں۔ چاند کی تنویریں رُک گئیں۔ سمندر کی لہریں رُک گئیں۔ دریاؤں کی موجیں رُک گئیں۔ آبشاروں کی گھڑگھڑاہٹ رُک گئی۔ ہواؤں کی سرسراہٹ رُک گئی۔ سیاروں کی تملاہٹ رُک گئی۔ ستاروں کی جھلملاہٹ رُک گئی۔ ہر ایک کی تن تناہٹ رُک گئی۔ مکھیوں بھنبھناہٹ رُک گئی۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی حرکت پر پابندی

ہر بڑی سے بڑی گردش بند۔ پوری دھرتی کی نبض رُک گئی۔ زمانے کے حالات رُک گئے۔ دن اور رات رُک گئے۔ تمام تغیرات رُک گئے۔ سارے اوقات رُک گئے۔

پابندِ ادب : جب تمام کائنات پر عالم سکوت طاری ہو گیا۔ ربِّ کائنات نے جبرائیل کو بُلایا۔ جبرائیلؑ ہاتھ باندھے آیا۔ آتے ہی جبرائیل کو رب نے محبوب کے بُلانے کا حکم سُنایا۔ جبرائیلؑ نے جلدی کی۔ جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ رب نے جبرائیل کو پھر بُلایا۔ کہا جبرائیلؑ! بُلانے جا رہے ہو۔ کیسے بلاؤ گے؟ کہا اے پروردگار جیسے آپ فرماؤ گے۔ کہا دیکھو اس وقت میں کوئی اپنی مخلوقات کے لئے ہدایت کا کلام نہیں بھیج رہا اس وقت میں اپنے محبوب کو بُلانے کا پیغام بھیج رہا ہوں۔ اور ع عشق ہر حال میں پابند ادب ہوتا ہے

اے جبرائیلؑ! میرا محبوب اِس وقت اُمّ ہانیؓ کے گھر میں سو رہا ہے۔ آج اسے کچھ اس طرح جگانا کہ اس کے آرام میں خلل نہ آئے۔ کہا اے پروردگار! اگر بُلانا ضروری ہے تو پھر جگانا بھی ضروری ہے۔ کہا جبرائیل! اگر ایسا ہے تو جگانے کے انداز بھی تجھے میں سکھا دیتا ہوں۔ جب آج میرے محبوب کے پاس جانا تو اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دینا جب اس کی آنکھ کھُلے تو کہہ دینا آج رب بُلا رہا ہے۔

تلمیاں : حضرت جبرائیلؑ نے ایسا ہی کیا۔ دروازے کی کُنڈی نہیں کھٹکھٹائی۔ آواز نہیں دی ہاتھ سے پکڑ کر نہیں اُٹھایا۔ بلکہ آسمانوں سے اُترتے ہی آکر اس نبیؐ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ اب جبرائیلؑ کبھی قدموں کو پکڑتا ہے کبھی اِنہیں منہ سے لگاتا ہے۔ کبھی آنکھوں سے لگاتا ہے۔ کبھی دایاں پاؤں چومتا ہے، کبھی بایاں پاؤں چومتا ہے۔ کبھی دونوں پاؤں اپنی دونوں آنکھوں سے لگاتا ہے۔ کبھی انہیں چومتا ہے کبھی چاٹتا ہے۔ اتنے میں رسالت والی آنکھ کھُلتی ہے۔ کہا جبرائیل! کیا بات ہے؟ آج یہ انوکھے انداز سے پیار کر رہے ہو۔ اُدھر جبرائیل ہے کہ برابر پاؤں چومے جا رہا ہے۔ میرے نبیؐ نے اپنا پیر کھینچتے ہوئے کہا اے جبرائیل آخر آج

تمہیں ایسا کرنے سے مزا کیا آ رہا ہے۔ کہا ے

نہ جنّت میں دیکھا نہ جنّت کی کلیوں میں دیکھا ؛ مزا جو تجھ محمدؐ کی تلیوں میں دیکھا!

پیغام : پوچھا جبرائیل! آج کیسے آنا ہوا؟ کہا آیا نہیں ہوں، بھیجا گیا ہوں۔ کہا جبرائیل! تو ہمیشہ اُس رب کے بھیجنے سے ہی آتا ہے۔ لیکن آج اس بھیجے جانے کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہا پہلے تو آتا تھا جیسے بھی آتا تھا اپنی مرضی سے آتا تھا لیکن آج آنے میں بھی اُسی کی مرضی ہے اِس طرح جگانے میں بھی اُسی کی مرضی ہے۔ کیونکہ آج اُسے آپکو اپنا دیدار کرانے کی مرضی ہے۔ کہا جبرائیل! اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ کہا احکام پہلے آیا کرتے تھے۔ آج احکام نہیں آئے آج پیغام آیا ہے۔ پوچھا کیا پیغام ہے؟ کہا۔ مجھے تو رب نے صرف اتنا کہا ہے کہ جب میرے محبوب کی آنکھ کھُلے صرف اتنا کہہ دینا "آج رب بلا رہا ہے"۔

فرق : میرے محترم سامعین! ذرا اس چند لفظی پیغام پر غور کرو۔ "آج رب بُلا رہا ہے" میں محبت کا کتنا بڑا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ہر لفظ میں ملاقات کا شوق ہے۔ ہر لفظ میں وصال کی تمنا۔ کسی قاصد کو اس سے زیادہ مختصر مگر جامع محبت نامہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور پھر اُس وقت کو بھی یاد کرو جب حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا "رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ" اے رب مجھے نظر آ! اب آگے اُس رب کی مرضی وہ اُسے نظر آئے یا نہ آئے۔ لیکن یہاں کہا جا رہا ہے۔ "آج رب بُلا رہا ہے"۔ اب آگے اِس کی مرضی یہ جائے یا نہ جائے۔

حضرت جبرائیلؑ : اِس موقع پر میں ایک اور بات کی وضاحت بھی کرتا جاؤں۔ بعض لوگ کہتے ہیں جبرائیلؑ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اُستاد ہیں کیونکہ وہ اُنہیں آکر قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں، جبرائیل ہوں گے، دوسرے نبیوں کے اُستاد ہوں گے لیکن ہمارے نبیؐ کے اُستاد نہیں۔ سوچو! کبھی اُستاد بھی اپنے شاگرد کے پاؤں میں سر رکھا کرتا ہے۔ جب جبرائیلؑ پہلی مرتبہ وحی لے کر آئے تو کہا "اِقْرَأْ" پڑھ۔ کہا "مَا أَنَا بِقَارِئٍ"

میں نہیں پڑھتا، جبرائیلؑ نے پھر کہا "اِقرا" پڑھ۔ کہا "انا بالقاری" میں تم سے پڑھنے والا نہیں۔ جبرائیلؑ نے تیسری مرتبہ کہا اِقراء۔ پڑھ۔ آپنے پھر کہا "انا بالقاری" کہہ جو دیا نہیں پڑھتا۔ آخر جبرائیلؑ نے کہا "اقراء باسم ربک الذی خلق" پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا۔ اچھا وہ رب اگر پڑھاتا ہے تو پھر پڑھتا ہوں اِقرار باسم ربکَ الذی خلق ۝ خلق الانسان ما عَلق ۝ ہم اہلسنّت ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی کو تمام علم عطا کرنے والا خود اللہ ہے۔

جبرائیلؑ بے شک جلیل القدر فرشتہ ہے۔ تمام فرشتوں میں مقرب ترین فرشتہ ہے۔ حضرت جبرائیل خود فرماتے ہیں کہ میں نے چار دفعہ اپنی برق رفتاری دکھائی، پہلی دفعہ اس وقت کہ جب حضرت ابراہیمؑ آگ میں گرنے والے تھے۔ رسّی کٹ چکی تھی۔ میں سدرۃ سے زمین تک اتنی جلدی آیا کہ حضرت ابراہیمؑ ابھی پہاڑی سے آگ تک بھی نہ پہنچے تھے۔

دوسری دفعہ میں نے اس وقت بھی اپنی برق رفتاری دکھائی جب حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائی کنویں میں گرا رہے تھے۔ حضرت یوسفؑ کنویں کے کنارے سے نیچے بعد میں پہنچے، میں نے آسمانوں سے اُتر کر اُن کے لئے پانی پر جنّت کا تخت پہلے بچھا دیا۔

تیسری دفعہ فرماتے ہیں میں اس وقت تیزی سے زمین پر آیا جب حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کی گردن پر چھری چلا رہے تھے، میں جنّت سے دنبہ لے کر پہلے زمین پر پہنچا۔ اور حضرت ابراہیم کی چھری اسماعیلؑ کی گردن تک بعد میں پہنچی۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام فرماتے ہیں۔ چوتھی دفعہ مجھے اس وقت برق رفتاری کا حکم ہوا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُحد کی جنگ میں دانت مبارک شہید ہوا۔ مجھے رب نے حکم دیا اے جبرائیلؑ میرے محبوب کے منہ سے خون کا قطرہ گرا ہی چاہتا ہے۔ تُو جا اور اس خون کے قطرے کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے پَروں پر اُٹھا لے کہ اگر یہ خون کا قطرہ زمین پر گر گیا تو اس زمین کو میرے عذاب سے کوئی نہ بچا سکے گا۔ حضرت جبرائیلؑ اس قدر برق رفتار ہیں ان کی

شان اور مرتبہ صرف یہی نہیں بلکہ وُہ تمام کے تمام ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود حضرت جبرائیل علیہ السلام کی یہ حالت ہے کہ ہمارے نبیؐ کے قدموں میں گر گئے۔ غالباً رب نے جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا ہی اسی لئے تھا۔ تاکہ دُنیا والے اس نبیؐ کی شان کا مقابلہ جبرائیلؑ سے جب کرنے لگیں تو انہیں صاف معلوم ہو جائے کہ قدم کس کے ہیں اور سر کس کا ہے؟ ہمارے نبیؐ کو پڑھانے والا بھی اللہ ہے۔ سمجھانے والا بھی اللہ ہے۔ یہ نبی ہر کام اُس اللہ کی مرضی سے کرتا ہے۔ تبلیغ کے کام۔ ہدایت دینے کے طریقے۔ صُلح و آشتی کے معاہدے کرنا جنگ لڑنا۔ صحابہ کو معاملات بنانے کی تعلیم دینا، تو بڑے بڑے کام ہیں۔ یہ نبیؐ تو چھوٹے چھوٹے کام بھی اُس اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں کرتا ہے "یا ایہا المدثر قم فانذر وربک فکبر" وہ رب سُلائے تب یہ سوئے۔ وہ جگائے تب یہ جاگے۔ وہ اُٹھائے تب یہ اُٹھے۔ وہ بٹھائے تب یہ بیٹھے وہ چلائے تب یہ چلے۔ وہ بُلائے تب یہ بُراق پر چڑھ کے جائے۔

بُراق : یہ براق کیا ہے؟ آپ تصویروں میں دیکھتے ہیں۔ کہ ایک خوبصورت گھوڑا ہے اُس کے منہ پر ایک خوبصورت عورت کی تصویر ہے۔ اور اوپر لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ براق ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ بُراق ایسا نہیں۔ براق لفظ نکلا ہے برق سے۔ برق کے معانی ہیں بجلی۔ اب آپ خود سوچیں کہ کیا بجلی کی تصویر بنائی جا سکتی ہے۔ آپ بجلی کی تصویر نہیں بنا سکتے۔ آپ بجلی کو چھو نہیں سکتے۔ اگر آپ بجلی کو ہاتھ لگائیں گے تو وُہ آپکو کرنٹ مارے گی۔ براق نام ہے مجسّم بجلی کا۔ اگر ہمارے تمہارے جیسا کوئی براق پر چڑھتا تو وہیں جل کر راکھ ہو جاتا۔

نُورٌ علیٰ نُور : لیکن بجلی ہے نُور اور ہمارا نبی بھی نُور۔ نُور سے جب نُور مِل گیا تو نُور ہی نُور ہمارا نبیؐ ہمارے لئے نُور ہے۔ ہمارا نبی ہمارا محبوب ہے۔ دُنیا کے محبوبوں کی طرح نہیں ہے

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا ٭ حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

دُنیا کے محبوب تو بجلیاں گراتے پھرتے ہیں۔ اور یہ محبوب ایسا ہے کہ خود بجلی پر سوار ہو جاتا ہے۔ بجلی نور ہوتی ہے۔ براق ایک مجسّم نور تھا۔ ہمارا نبیؐ بھی نور مجسّم تھا۔ سواری نیچے ہوتی ہے سوار اوپر ہوتا ہے۔ نیچے براق ہے اوپر براق والا ہے۔ نیچے سواری ہے اوپر سوار ہے۔ سواری بھی نور ہے سوار بھی نور ہے۔ نیچے بھی نور ہے اوپر بھی نور ہے۔ نور کے اوپر نور ہے۔ اسی کا نام نورٌ علیٰ نور ہے۔

زمین کا رونا

حضورؐ براق پر سوار ہوئے۔ جبرائیلؑ ساتھ ہیں۔ پہلے مکّہ سے بیت المقدس پہنچے۔ بیت المقدس پہنچنے کا کیا راز تھا؟ سیدھا مکّے کی سرزمین سے نبیؐ آسمانوں پر کیوں نہ چلے گئے؟ اکثر لوگ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ بیت المقدس میں حضورؐ نے پیغمبروں کی امامت کرنی تھی۔ تاکہ حضورؐ کی تمام انبیاء پر افضلیت ثابت ہو جائے اور حضورؐ کی دوسرے تمام نبیوں سے ملاقات بھی ہو جائے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اگر حضورؐ بیت المقدس میں جا کر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو نماز نہ پڑھاتے تو کیا وہ افضل الانبیاء نہ ہوتے۔ آپ کہیں گے۔ نہیں اگر نماز نہ بھی پڑھاتے تب بھی سب سے افضل تھے۔ کیوں کہ تمام نبیوں نے آپ کے آنے کی خوشخبری دی اور اپنی اپنی اُمتوں کو واشگاف الفاظ میں ہمارے نبیؐ کی پیروی کرنے کی تلقین کی۔ اور اگر بیت المقدس میں جا کر صرف پیغمبروں سے ملاقات کرنا مقصد ہوتا تو یہ ملاقات بیت المقدس میں ہی کیوں ضروری تھی؟ آخر پہلے دوسرے تیسرے بلکہ ساتوں آسمانوں پر بھی تو مختلف پیغمبروں سے ملاقات ہوئی۔ اگر رب چاہتا تو سارے نبیوں کی ملاقات وہیں آسمانوں پر ہی کروا لیتا لیکن یہ امِّ ہانی کے گھر سے بیت المقدس تک اور مکّے سے لے کر معراج تک نبیؐ کو لے کر جانے میں کیا مصلحت تھی؟ مجھے تو ایسے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضورؐ براق پر پا بہ رکاب ہوئے۔ جبرائیلؑ نے براق کا رُخ آسمانوں کی طرف کیا۔ لگام ہاتھ میں پکڑی، جبرائیلؑ ابھی لگام کو جھٹکا دے کر

اُڑنے ہی والے تھے کہ زمین نے رو کر جبرائیلؑ کے قدموں کو پکڑا۔ زمین براق کے قدموں سے لپٹ گئی۔ زمین کا غبار اُڑ اُڑ کر نبیؐ کے قدموں کو اپنے سینے سے لگانے کے لئے بے تاب ہو گیا۔ جبرائیلؑ نے گڑگڑاتی ہوئی زمین کو دلاسہ دے کر رونے کا سبب پوچھا۔ زمین نے سسکیاں لے لے کر اپنی دہائی سُنائی۔ کہ اے جبرائیل! تو رب سے ملانے کے لئے اس ہستی کو آسمان پر لئے جا رہا ہے جو ایک جہان کا نہیں دونوں جہانوں کا آقا ہے۔ اگر یہاں سے سیدھا تُو نے براق کا رُخ آسمان کی طرف کیا تو کل کو آسمان مجھ زمین کو حقیر جانے گا۔ اور کہے گا۔ اے زمین آقائے دوجہان کی سواری تو مجھ ساتوں آسمانوں سے ہو کر گزری۔ نبیؐ کی سواری میرے کندھوں سے ہو کر گئی۔ اے جبرائیلؑ اس وقت میرے پاس جواب نہ ہو گا۔ پوچھا اے زمین اب تو کیا چاہتی ہے؟ کہا میں یہی چاہتی ہوں کہ آسمانوں پر جانے سے قبل نبیِ معظّم کی سواری کچھ فاصلے تک میری کمر کو لتاڑتی ہوئی جائے۔ تمام نبیؑ بیت المقدس میں تھے۔ اس لئے جبرائیلؑ نے براق کا رُخ اس طرف کو کر لیا۔ زمین کو بھی اطمینان ہوا۔ مقتدی بیت المقدس میں منتظر تھے کہ امام بھی پہنچ گیا۔ جبرائیلؑ نے میرے نبیؐ کا ہاتھ پکڑ کر مصلّیٰ امامت پر کھڑا کر دیا۔

اعتراض کیسا؟

میرے معزز سننے والو!

اس موقع پر غور کرو۔ تمام کے تمام انبیاء موجود ہیں۔ جب جبرائیلؑ حضورؐ کو مصلّے امامت پر کھڑا کرنے لگے تو آپ سچ بتائیے کیا کسی نبیؑ نے ہمارے نبیؐ کی امامت پر اعتراض کیا؟ حضرت آدم علیہ السلام سب میں بزرگ تھے، اعتراض کر سکتے تھے کہ میں عمر میں سب سے بڑا ہوں امامت میرا حق ہے۔ حضرت ابراہیم کہہ سکتے تھے کہ میں رب کا خلیل ہوں امامت میرا حق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہنے کو کہہ سکتے تھے کہ روح اللہ ہوں میری خلقت بغیر باپ کے ہے اس لئے امامت میرا حق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہہ سکتے تھے کہ میں موسیٰ کلیم اللہ ہوں، مجھے رب نے اپنے نور کا جلوہ دکھایا۔ میری قوم کو من و سلویٰ اور شیر و حلوہ کھلایا۔ میں نے بہت

کرم کہا یا اس لئے امامت میرا حق ہے۔ لیکن نہیں۔ کسی نبیؑ نے اعتراض نہیں کیا۔ ارے! جب جبرائیلؑ میرے نبی کا ہاتھ پکڑ کر مصلّٰے امامت پر کھڑا کرے تو کوئی نبیؑ اعتراض نہ کرے۔ اور اگر نبیؑ میرے صدیقؓ کو پکڑ کر مصلّٰے امامت پر کھڑا کرے تو کوئی اعتراض کرے؟

آسمان کی طرف : نماز کے بعد حضرت جبرائیلؑ نے حضورؐ کی خدمت میں تین پیالے پیش کئے ایک میں پانی تھا دوسرے میں شراب طہورا اور تیسرے میں دودھ۔ آپؐ نے دودھ کو پسند کیا۔ یہاں بیت المقدس سے نبیؐ آسمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی اور واپسی میں ہمارے ہاں دیر سویر ہو سکتی ہے مگر نبیؐ کا یہ جانا اور آنا سب دیر سویر اور مکان و زمان کے قید سے آزاد تھا۔ یہ تو میرے بیان کرنے میں دیر لگ رہی ہے ورنہ نبیؐ کے آسمانوں پر پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگی۔ پلک جھپکنے سے پہلے اگر زمین پہ تھا، تو ابھی پلک جھپکنے بھی نہ پائی تھی کہ وہ آسمان پہ پہنچ گیا۔ پہلے آسمان کے دروازے کھل گئے۔ نبیؐ فرشتوں کے استقبال میں آسمانوں میں داخل ہوئے۔ یہ آسمان جو اس وقت ہماری نگاہ میں اتنا اونچا نظر آتا ہے کہ اگر ہم اسے دیکھیں تو آسمان کے فخر کے سامنے ہماری ٹوپی یا ہماری پگڑی نیچے گر جائے۔ یہ آسمان جو اس وقت کی کے فخر کو برداشت نہیں کر سکتا، اُس وقت میرے نبیؐ کے قدموں کو لپٹا ہوا تھا۔ اس پہلے آسمان پر آپؐ کیا دیکھتے ہیں؟ کہ ایک سفید ریش بزرگ بیٹھے ہیں۔ کبھی ہنستے ہیں اور کبھی روتے ہیں ان کی دائیں طرف کچھ سفید جانور ہیں جو خوشبوؤں میں مست خوشی میں جھوم رہے ہیں۔ اور بائیں طرف کچھ سیاہ جانور ہیں جن کا دماغ بدبو کی وجہ سے پھٹا جا رہا ہے وہ اس بدبو سے بہت پریشان ہیں۔ لیکن انہیں اس مصیبت سے نجات کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی ہے۔ پوچھا جبرائیلؑ! یہ کیا ہے؟ فرمایا حضورؐ! یہ بزرگ آدمؑ ہیں۔ جب یہ دائیں طرف اپنی نیک اولاد کی روحوں کو دیکھتے ہیں۔ تو خوشی سے ہنس دیتے ہیں۔ اور جب بائیں طرف بُری اولاد کو دیکھتے ہیں۔ تو انہیں رونا آ جاتا ہے۔ حضورؐ آگے بڑھے۔ حضرت آدمؑ استقبال کے لئے کھڑے ہوئے۔

حضورؐ نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور ساتھ ہی سلام بھی کہا۔ اس لئے سلام نہیں کہا کہ حضرت آدم میرے نبیؐ سے افضل تھے بلکہ اس لئے پہلے سلام کیا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ بندہ چاہے کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو، سلام ہمیشہ آنے والا کہا کرتا ہے۔

نمکین حُسن : پہلے آسمان سے حضورؐ دوسرے آسمان پر گئے۔ وہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی فرمایا میرے بھائی یوسفؑ کا چہرہ ایسے تھا جیسے چودھویں کا چاند ہو۔ صحابہؓ نے پوچھا حضورؐ! پھر آپؐ؟ فرمایا اَنَا مَلِیْحٌ وَاَخِیْ یُوْسُفُ صَبِیْحٌ۔ میرا حُسن نمکین ہے اور یوسفؑ کا حُسن میٹھا۔ آپ نمکین چیز کھاتے جائیں آپ کا جی کبھی نمکین چیز سے نہیں اکتائے گا۔ لیکن میٹھا کھانا چاہئے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو چند نوالوں کے بعد اس کھانے کو چھوڑ پھر نمکین چیز کی طرف دل کرتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کی نبوت میٹھی ضرور تھی۔ لیکن یہ میٹھا کب تک چلتا؟ آخر دُنیا پھر نمکین حُسن کی طرف آئی۔ اب قیامت تک اس نبیؐ کا جمال عاشقانِ باصفا کے لئے منبع وجد و سرور رہے گا

الاٹمنٹ : تیسرے آسمان سے حضورؐ چوتھے آسمان پر گئے۔ وہاں حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا اے ادریسؑ! آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔ اللہ نے آپکو زندگی ہی میں جنّت کی طرف بھیج دیا۔ حضرت ادریسؑ مسکرائے اور فرمایا حضورؐ! مجھے جنّت کی طرف جانے اور جنّت کے خوش کُن مناظر دیکھنے کی سعادت ربّ نے ضرور بخشی لیکن میرا ٹھکانہ یہی چوتھا آسمان ہے۔ میں جب بھی جنّت میں جاتا ہوں جس محل میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا ہوں۔ آواز آتی ہے۔ ادریسؑ! اس محل میں نہ جاؤ۔ پوچھتا ہوں کیوں؟ جواب آتا ہے۔ یہ محل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاں امتی کا ہے۔ حضورؐ نے پوچھا ادریسؑ! پھر اس بات سے آپکو پریشانی تو نہیں ہوتی؟ کہا میں نے ایک دفعہ گھبرا کر جنّت کے داروغہ سے پوچھا تھا۔ کہ اے جنّت کے داروغہ مجھے بتا تو سہی اس جنّت میں کہیں میرا پلاٹ بھی

ہے۔ تو داروغہ جنت نے کہا تھا اے ادریسؑ اس جنت میں تیرا پلاٹ ہے ضرور مگر وہ ابھی تک تیرے نام الاٹ نہیں۔ پوچھا وہ الاٹ کب ہوگا؟ کہا الاٹ کرنے والا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب چاہے گا۔

اے میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیو! نبی کے دامن میں آنے سے تم کہاں تک جا پہنچے؟ نبی نے تمہیں کیا کیا دے دیا۔ ایک طرف تو آواز آتی ہے یہ محل محمدؐ کے فلاں اُمتی کا ہے ایک طرف ریزرویشن کی ٹکٹ لئے کھڑے ہیں۔ اور دوسرے طرف ادریس نبیؑ ہو کے ابھی الاٹمنٹ کی درخواست لئے کھڑے ہیں۔

فرشتوں کا طواف: حضورؐ اس چوتھے آسمان سے پانچویں آسمان پر گئے۔ وہاں حضرت حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ چھٹے آسمان سے ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ یہ جگہ نُور سے بھرپور ہے۔ ایک بُزرگ سفید ریش یہاں جلوہ فرما ہیں۔ کعبہ کی مانند ایک کمرہ بنا ہُوا ہے۔ فرشتوں کی آمد آمد ہے۔ تکبیرات و تسبیحات کی بلند آوازیں ہیں۔ پوچھا جبرائیل یہ کیا ہے؟ کہا حضورؐ! یہ ساتواں آسمان ہے۔ جہاں آسمانوں کی گنتی ختم ہوگئی ہے۔ یہ بُزرگ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ انہیں اپنے کعبہ سے ــــــ بچھڑ جانے کا غم تھا۔ اس لئے یہ کمرہ اللہ پاک نے انہیں کعبہ کی یاد تازہ کرنے کے لئے دیا ہے۔ یہ آسمانوں کا کعبہ ہے۔ اسکا نام بیت المعمور ہے۔ یہ عین زمین کے کعبے کے اوپر ہے۔ یہاں فرشتے آکر طواف کرتے ہیں۔ فرشتوں کا طواف ہر وقت جاری رہتا ہے۔ اور جو فرشتہ ایک دفعہ طواف کر لیتا ہے۔ پھر دوسرے طواف کی باری قیامت تک نہیں آتی۔ پوچھا جبرائیل! یہ بیت المعمور عین کعبہ کے اوپر کیوں بنایا گیا ہے؟ کہا "معلوم نہیں" حضورؐ جبرائیلؑ کے اس جواب پر مسکرا دیئے گویا دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں اے جبرائیلؑ! تمام نبیوں کا صحبت یافتہ ہونے

کے باوجود تیری عقل اتنا بھی کام نہیں کرتی کہ یہ بیت المعمور کعبے کے بالکل اوپر اس لئے بنایا گیا ہے کہ اگر خدانخواستہ اس کا طواف کرتے کرتے کوئی فرشتہ گر جائے تو اُس کے طواف میں فرق نہ آئے۔ اگر بیت المعمور کے طواف سے جائے تو کعبہ کا طواف شروع کردے۔

آگے وہ جائے: ساتویں آسمان سے اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مقام کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ جسے "سدرہ" کہتے ہیں۔ یہ جبرائیلؑ کے پہنچنے کا آخری مقام ہے۔ زمینوں اور آسمانوں کے پار خدا کے جلوؤں کے جلو میں نبیؐ جبرائیلؑ کے ہمراہ جب یہاں سے آگے جانے لگے تو جبرائیلؑ رُکے اور حضورؐ کا ہاتھ چھوڑ کر آگے تن تنہا جانے کو کہا۔ پوچھا جبرائیل تم رُک کیوں گئے؟ کہا حضورؐ یہ میرا آخری مقام ہے۔ کہا جبرائیلؑ آج تو میرے ساتھ ہے۔ آج چلا آ۔ کہا حضورؐ آپکی نوازش کا شکریہ۔ لیکن میں وہاں جا نہیں سکتا۔ پوچھا۔ جبرائیل تو کیوں وہاں نہیں جا سکتا۔ کہا آگے میرے پر جل جائیں گے۔ پوچھا کیوں جل جائیں گے؟ کہا آگے نُور ہے کہا جبرائیل تو بھی تو نُور ہے۔ کہا آگے وہی جائے، جس کا اُتنا نُور ہے۔

اُدھار چکا دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اب آگے اکیلے روانہ ہونے لگے۔ آگے جانے سے پہلے خدا جانے نبیؐ کے دل میں کیا آئی کہ پھر مُڑ کر آواز دی جبرائیل! کہا جی حضورؐ! کہا تجھے یاد ہے تو نے ابراہیمؑ سے آگ میں پڑتے وقت کیا کہا تھا۔ کہا حضورؐ! مَیں نے انہیں یہی کہا تھا کہ اے ابراہیمؑ! آگ قریب ہے۔ جو پیغام رب کے نام دینا ہو مجھے دے دو کیوں کہ مَیں رب کے اتنا قریب ہوں کہ جہاں میں جا سکتا ہوں وہاں کوئی نہیں جا سکتا۔ کہا اچھا جبرائیل تو نے ابراہیمؑ سے کہا تھا "پیغام دے کہ مَیں وہاں جا سکتا ہوں، جہاں کوئی نہیں جا سکتا" جبرائیل! میرا دل کرتا ہے آج اپنے دادے کا اُدھار چکائے جاؤں۔ کوئی تیرا رب کے نام پیغام ہو تو مجھے دے کہ میں آج وہاں جا رہا ہوں، جہاں تو بھی نہیں جا سکتا۔

حسین امتزاج : میرے اور آپ کے نبی سدرہ کے پار تن تنہا گئے ۔ اب نبی اُس وادی میں سفر کر رہے ہیں جہاں نُور کے گُمچوں اور تجلیوں کے ظہور کے سوا کچھ نہیں ۔ پورے آسمانی سفر میں صرف یہ ایک مقام ہے ۔ جہاں آپ نے اپنے آپ کو تنہا محسوس کیا ۔ جب کوئی ساتھی ساتھ نہ ہو تو مونجھ آنے لگتی ہے ۔ یہ مونجھ " سرائیکی " زبان کا لفظ ہے ۔ اس موقعہ پر اس سے بہتر لفظ مجھے نظر نہیں آتا ۔ " غمگین ہونا ، اُداس ہونا ، " افسردہ ہونا " یہ سب الفاظ بھاری ہیں ۔ مونجھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اُداسی کی ایک نہایت لطیف سی قلق محسوس کرنا ۔ یہاں حضورؐ کو کچھ مونجھ ہوئی تو فوراً رب نے یارِ کو یارِ غار کی آواز سُنائی ۔ حضرت ابو بکرؓ کے لہجے میں آواز آئی : یا محمد قِفْ فَاِنَّ رَبَّکَ یُصَلِّی ۔ اے محمدؐ ! مطمئن ہو جا کہ یہاں تیرا رب تجھ پر دُرود پڑھ رہا ہے ۔ معلوم ہوا جب نبیؐ کے دل پر اُداسی آنے لگتی ہے اُس وقت یا صدیقؓ اِس نبیؐ کے گُن گاتا ہے یا رب اس کے گیت گاتا ہے ۔ نبیؐ کے اِن دونوں ساتھیوں کا یہاں کتنا حسین امتزاج ہے ، کہ دُرود پڑھنے میں ربِ اکبر ہے اور لہجے میں صدیقِ اکبرؓ ہے ۔

عرش کی شان : میرے نبیؐ آگے بڑھتے گئے ، تمام پردے ہٹتے گئے ۔ دربارِ لم یزل کو جب قریب دیکھا تو دل میں آئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جلوہ دیکھنے گئے تھے تو جوتے اُتارنے کا حکم ملا تھا ۔ یہ جگہ تو طور سے بھی کہیں زیادہ متبرک ہے ۔ یہاں کوئی ایک جلوہ نہیں یہاں تو رب اپنے سارے نُور کے ساتھ پوری طرح ظہور میں آنے والا ہے ۔ یہ سوچ کر جھکے تاکہ اپنے جُوتے اُتار دیں ۔ ابھی اپنے جوتے اُتارنے کے لئے جُھکے ہی تھے کہ آواز آئی میرے محبوب ! میرے پاس جوتے سمیت ہی آجاؤ ۔ نبیؐ کے ہاتھ جہاں تھے وہیں رُک گئے ۔ پوچھا اے پروردگار موسیٰؑ کو تو جوتے اُتارنے کا حکم دیا تھا ۔ جواب آیا ۔ پیارے موسیٰؑ میں اور تجھ میں یہی تو فرق ہے ، کہ موسیٰؑ طور کے پہاڑ پر آئے تو جوتے اُتار کے آئے اور تو میرے پاس آئے تو جوتوں کے ساتھ آئے ۔ پوچھا اے میرے پروردگار اس کی وجہ کیا ہے ؟

کہا اے محبوب میں اپنی باتیں اور مصلحتیں کسی کو بتایا تو نہیں کرتا لیکن اگر تو پوچھتا ہے تو بتائے دیتا ہوں ۔ اے میرے محبوب میں نے موسیٰؑ سے کہا تھا موسیٰ ! جوتے اُتار کر آؤ کیونکہ طور پہاڑ پر میرے جلوے کی ایک جھلک آنیوالی ہے ۔ جب تمہارے ننگے پیر اس طور کی مٹی پر آئیں گے ، اور اس جلوے والی مٹی تیرے پاؤں سے لگے گی تو اے موسیٰؑ تیری شان بڑھ جائے گی ۔ اب اے میرے محبوب تجھے کہتا ہوں جوتوں کے ساتھ آ کیوں کہ تیرے جوتوں کی مٹی میرے عرش کے ساتھ لگے گی ، تو میرے عرش کی شان بڑھ جائے گی ۔

اُمت کی رہائی : الامر فوق الادب کے تحت حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جوتوں سمیت آگے بڑھے ۔ انوار و تجلیاتِ ربِ ذوالمنن اور نبی کے ظاہری بدن کے درمیان اب معمولی حجاب بھی ہٹنے لگے ۔ ابھی آخری پردے کے پار دیدارِ پروردگار کی جھلک نظر آ رہی تھی کہ نبیؐ نے عاجزی کے ساتھ آدابِ خداوندی بجا لانے کے لئے اپنا سر سجدے میں ڈال دیا ۔ کملی والے کی زلفیں سجدے میں بکھر گئیں ۔ خُدا کو اس ادا پہ پیار آ گیا یَدُاللہ آگے بڑھا ۔ آخری پردے کو خود ہٹا کر خُدا نے ہاتھ نبیؐ کے سر پر رکھ دیا ۔ شاید اس لئے کہ دُنیا کو معلوم ہو جائے کہ اس نبی کے سر پہ خُدا کا ہاتھ ہے ۔ خُدا نے آہستہ سے بالوں کو لے کر سر کو اُٹھانا چاہا تاکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے ... لیکن سر نے برابر سجدے میں رہنے پہ اصرار کیا ہے

یہ کہہ کر خُدا نے اِک لٹ نبیؐ کی اُٹھائی
کہ پیارے کیا مانگتی ہے تیرے گیسوؤں کی سیاہی
یہ سُن کر کہا مصطفےٰؐ نے اے میرے الٰہی !!
میرے گیسوؤں کی سیاہی سیاہ بخت اُمت کی مانگ آئی

جو تیرے پاس نہیں : جب نبیؐ نے سر سجدے سے سر اٹھایا ۔ اسوقت آنکھوں میں دیدارِ

پروردگار تھا۔ یہ اُمت کا غمخوار تھا۔ وُہ ربِ غفار تھا۔ اَب کیا پردہ؟ کیا حجاب؟ کیا تکلف؟ یہ اُس کا یار تھا وُہ اِس کا یار تھا۔ جب بے تکلف دوستوں میں ملاقات ہوتی ہے تو بعض اوقات سلام دُعا بھی بھول جاتی ہے۔ یہاں بھی یہی کچھ ہُوا۔ رب نے دیکھتے ہی کہا اے میرے محبوب! آئے ہو میرے لئے تحفہ کیا لائے ہو؟ کہا اے میرے مولا! مَیں تیرے لئے وہ چیز لایا ہوں جو تیرے پاس بھی نہیں ہے۔ اے میرے محبوب! میں تو ربِ کائنات ہوں۔ میں تو نذیرؔ خبیرؔ ہوں۔ میں تو عَلیٰ کُلِّ شَیئٍ قَدِیرٌ ہوں۔ میں تو ہر چیز پہ طاقت و قدرت رکھتا ہوں۔ ایسی کونسی چیز ہے۔ جو میری طاقت سے بالا ہے۔ ایسی کونسی چیز ہے جو میرے پاس لائے ہو اور میرے پاس ہے نہیں۔ کہا، التحیاتُ لِلّٰہِ والصلوٰۃُ وَالطیبات: اے میرے رب میں تیرے پاس اپنے بدن سے کی ہوئی اور زبان سے دہرائی ہوئی عبادتوں کے ڈھیر لایا ہوں۔ تیرے پاس جسم نہیں۔ تو کسی کے عبادت کرتا نہیں۔ تیرے پاس کوئی کی ہوئی عبادت نہیں۔ اس لئے مَیں تیرے پاس وہ چیز لایا ہوں جو تیرے پاس نہیں۔"

عنوان بنادو: یہ سنتے ہی آواز آئی والسلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اے نبی تجھ پر سلامتی ہو، فرمایا: والسلام علینا وعلیٰ عباداللہ الصالحین۔ اے خُدا یا بے شک مجھ پر تیری رحمت برکت اور سلامتی ضرور ہے لیکن یہ سلامتی میری اُمت کے نیک لوگوں پر بھی ہونی چاہیئے۔ مسلمانو! اس موقع پر غور کرو۔ یہ وُہ موقعہ ہے جب دونوں محب و محبوب مصروفِ گفتگو ہیں۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ جونہی رب نے نبیؐ کی سلامتی کی بات کی، نبیؐ نے اپنی امت کی سلامتی کا قصہ چھیڑ دیا۔ یہ تھی یار کی یار کے ساتھ ابتدائی بات چیت۔ یہ الفاظ رب کو اتنے پسند آئے کہ اور دگر کے فرشتوں کو فخر سے کہا۔ او فرشتو! سُن رہے ہو ہماری گفتگو۔ ہر فرشتہ پکار اُٹھا۔ اشہدان لا الٰہ الا اللہ واشہدانّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ اے الٰہی! میں گواہی دیتا ہوں تُو اللہ ہے۔ یہ عبداللہ

ہے۔ تو اللہ ہے یہ رسول اللہ ہے۔ رب نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ جبرائیل! یہ ساری باتیں اس لوح پر لکھ دے جس پر تمام وحی درج کرتا ہے۔ جبرائیل فوراً حکم کی بجا آوری کے لئے اپنی خاص لوح کی طرف آئے۔ جتنی اواحی پیغمبروں پر آئی تھیں ان کے بعد جبرائیل نے اس کلام کو لکھنا شروع کیا۔ آواز آئی جبرائیل! کیا کر رہے ہو؟ یہ کوئی سبق ہے؟ یہ تعلیم نہیں۔ یہ احکام نہیں، یہ کتاب نہیں۔ یہ صحیفہ نہیں۔ یہ عشق کی باتیں ہیں۔ انہیں سب اواحی میں شامل نہ کرو۔ بلکہ ان سب اواحی کا عنوان بنادو۔ سب سے اوپر جلی حروف سے یہی گفتگو لکھ دو۔ جبرائیل موٹے حرفوں سے لکھ بھی رہے ہیں اور کہہ بھی رہے ہیں۔ اے مولا کریم! اس بات چیت کی اہمیت بجا، لیکن یہ گفتگو تو محب اور محبوب کے درمیان ہو چکی۔ نبیٔ آخر الزمان کو تو یہ معلوم ہو چکا۔ اب اِن الفاظ کی اس نبیؐ پر تو وحی لے جانے کا فائدہ نہیں۔ اور اس کے بعد کسی اور نے نبی بننا نہیں۔ پھر یہ الفاظ میں کس پیغمبر تک پہنچاؤں گا۔ کہا جبرائیل! یہ اس لئے لکھوا رہا ہوں۔ تاکہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے اعلان ہو جائے، کہ جو بندہ مجھے منانا چاہے جو مجھے خوش کرنا چاہے۔ جو میری عبادت کرنا چاہے، جو میری نماز پڑھنا چاہے

التحیات کا مطلب: جو مجھے بات سنانا چاہے چاہے وہ لاکھ مطہر و پاک و صاف بنتا ہے۔ لاکھ عابد و زاہد بنتا رہے لاکھ مصلّے بچھاتا رہے۔ لاکھ قبلہ رو ہو کے تکبیر و تہلیل پڑھتا ہے۔ لاکھ سبحان اور لاکھ الحمد پڑھتا رہے۔ لاکھ سورتیں ملاتا رہے۔ لاکھ رکوع اور لاکھ سجود کرتا ہے۔ جب تک اپنی نماز کے آخر میں مجھے میرے محبوب کے ساتھ کی ہوئی یہ باتیں نہیں سنوائے گا اس وقت تک اس کی بات نہیں سنوں گا۔ آج ہم نماز کے قعدے میں التحیات پڑھتے ہیں کبھی آپ نے سوچا کہ التحیات پڑھنے کا کیا مطلب ہے نماز کی ابتدا میں ہم تکبیر پڑھتے ہیں۔ یہ کبریائی کا اعلان ہے۔ پھر سبحانک اللہ پڑھتے ہیں۔ یہ اُس اللہ کی تعریف و توصیف ہے۔ پھر الحمد پڑھتے ہیں کہ وہ دُعا ہے۔ قرآن کی کوئی سورت

ملاتے ہیں۔ کہ قرآن ہدایت ہے۔ پھر رکوع کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی عظمت کا اقرار ہے۔ پھر سجدہ کرتے ہیں کہ جہاں یہ سجدے کرنے والے کی عاجزی کا اظہار ہے وہاں رب کی الوہیت کا اقرار ہے۔ نماز کے ہر فعل کا کوئی نہ کوئی مطلب ہے۔ لیکن التحیات پڑھنے کا سوا اس کے کوئی مطلب نہیں۔ کہ رب اس کے بغیر پچھلی تمام باتیں سنتا نہیں۔

تبادلۂ خیالات : اس ملاقات میں اللہ اور رسولؐ میں کوئی فاصلہ نہیں۔ کوئی پردہ نہیں۔ کوئی حجاب نہیں، کوئی نقاب نہیں۔ کوئی وسیلہ نہیں۔ کوئی واسطہ نہیں،

کہا اے میرے محبوب اس وقت تیرے اور میرے درمیان کوئی فرق نہیں۔ تو میرے قریب ہے میں تیرے قریب ہوں۔ تو میرے پاس ہے، میں تیرے پاس ہوں۔ تو مجھے جانتا ہے میں تجھے جانتا ہوں تو مجھ پہ ظاہر ہے، میں تجھ پہ ظاہر ہوں۔ تو مجھ سے دور نہیں میں تجھ سے دور نہیں۔ تو مجھ سے مخفی نہیں۔ میں تجھ سے مخفی نہیں۔ تجھ میں اور مجھ میں اب کوئی فرق نہیں۔ تو مجھ سے پرے نہیں، میں تجھ سے پرے نہیں، تو مجھ سے جدا نہیں، میں تجھ سے جدا نہیں۔ فرق اگر ہے تو یہی کہ میں مصطفےٰ نہیں اور تو خدا نہیں۔

کہا اے میرے پروردگار میں ہوں تیرا شکر گزار۔ کہ تو نے تمام زمینوں کے بھی پار۔ سات آسمانوں کے بھی پار۔ سدرہ کے بھی پار۔ پار کے بھی پار۔ مکان کے بھی پار۔ لامکان کے بھی پار مجھے کرایا اپنا دیدار۔ کہا اے میرے محبوب اگر تیرا میرا نہ ہوتا پیار۔ نہ ہوتی یہ جنت کی بہار، نہ ہوتا حوروں کا سنگھار۔ نہ ہوتے یہ رموز نہ ہوتے یہ اسرار۔ نہ ہوتے یہ اشجار نہ ہوتے یہ اثمار

نہ ہوتیں یہ کہانیاں نہ ہوتے یہ اخبار ؛ نہ ہوتے یہ فرشتے، نہ ہوتا یہ انکا استغفار!
نہ ہوتا جبرائیل نہ ہوتی یہ وحیٔ الٰہی کی تار ؛ نہ ہوتی بجلیاں نہ ہوتے یہ شرار!
نہ ہوتیں مسجدیں نہ ہوتے انکے مینار ؛ نہ ہوتی خلقت کی پکار نہ ہوتی رحمت کی بوچھار
نہ ہوتا دلیوں کا وجود نہ ہوتی نبیوں کی قطار ؛ نہ ہوتے طور نہ ہوتے انوار!

نہ ہوتے اوزان نہ ہوتے اوزار! ؛ نہ ہوتے شعور نہ ہوتے شعار
نہ زمینوں کے گلزار، نہ آسمانوں کے نکھار ؛ کیا کبار اور کیا صغار!

پیارے! پہلے تجھے دیا قرار پھر انہیں کیا تیار
تجھ سے کیا پیار ان کا ہوا اظہار
تجھ سے نہ ہوتا پیار یہ تھے سب بے کار

کہا اے میرے آقا و مالک! تو نے مجھے بہت عزت بخشی۔ تو نے مجھے اپنے اتنے قریب بلایا کہ میں اب دنیا و مافیہا کی ہر چیز سے اوپر ہوں۔ تو نے مجھے یہ بلندی بخشی۔ کہا پیارے! تو تو ہے ہی بلند۔ یہاں تو حال یہ ہے۔ "ورفعنالک ذکرک" کہ اگر کسی بات کا تذکرہ بھی کرتا ہے تو۔ تو تیرے اس ذکر کو بلند کر دیتا ہوں میں۔

پیارے! دنیا سے برتاؤ کرتا ہے تو تجھے خلق عظیم دیتا ہوں میں۔ سوتا ہے تو، تیرے دل کو جگاتا ہوں میں۔ محبوب! دھوپ میں چلتا ہے تو، تیرے اوپر رحمت کا بادل چلاتا ہوں میں جن گلیوں سے گزرتا ہے تو، ان گلیوں میں جنت کی خوشبوئیں گراتا ہوں میں۔ انگلی اٹھاتا ہے تو، چاند کے دو ٹکڑے بناتا ہوں میں۔ پیارے ام ہانی کے گھر سو جاتا ہے تو، تجھے عرش پہ بلا لیتا ہوں میں۔ عرش پہ آجاتا ہے تو، تجھ سے باتیں کر لیتا ہوں میں۔ باتوں باتوں میں شفاعت کر دیتا ہے تو، بخشش کر دیتا ہوں میں۔

<u>**راز و نیاز**</u> : میرے مکرم سامعین! میں آپکو نہیں بتا سکتا کہ اس ملاقات میں کیا خلوت کی باتیں ہوئی۔ اگر ہمیں سب باتیں معلوم ہو جاتیں تو خدا اور رسولؐ کی یہ خلوت خلوت نہ رہتی۔ میں آپکو نہیں بتا سکتا کہ اس بات چیت میں خدا نے رسولؐ سے کیا باتیں کیں اور رسولؐ نے خدا سے کیا باتیں کیں، اگر ہمیں یہ باتیں معلوم ہو جاتیں تو ہمارے محدود ذہن ان باتوں کا فکری وزن برداشت نہ کر سکتے۔ ان باتوں کو سن کر ہماری عقل جواب دے جاتی۔ ہمارا تصور ہمارا

ساتھ چھوڑ جاتا۔ اس طرح ہم یہ باتیں سُن کر بُت بن کے رہ جاتے۔ میں آپکو نہیں بتا سکتا کہ اس ملاقات میں خُدا نے رسولؐ کو کیا دیا اور رسولؐ نے خُدا کو کیا دیا زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے، اگر رسولؐ نے اپنی عبادتوں کا نذرانہ دیا تو خُدا نے اسے ہماری نمازوں کی التحیات بنادیا اور اگر خُدا نے السلام علیک ایہاالنبی کہہ دیا تو رسولؐ نے اسے ہمارا دین اسلام بنادیا۔ ان کے ساتھ میں آپکو یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ اس ملاقات میں کتنا وقت صرف ہوا؟ کیوں کہ اس وقت تو خود وقت کو بھی اپنے وقت کی خبر نہیں تھی۔ یہ بھی نہیں بتایا جا سکتا کہ نبی نے اس ملاقات کے لئے کتنا فاصلہ طے کیا؟ کیونکہ اس ملاقات کے لئے رب نے فاصلوں سے فاصلوں کا فیصلہ کرنے کا حق چھین لیا تھا۔ ہم اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو یہ کہ، خُدا اور رسولؐ کے درمیان اس ملاقات میں راز ونیاز یوں چلتا رہا کہ خُدا اپنے راز بتاتا رہا اور رسولؐ اپنا نیاز دکھاتا رہا۔

حوروں کی تقسیم : میرے محترم سامعین! میرے اور آپ کے رسولؐ اس راز ونیاز کے بعد جب واپسی کے لئے تیار ہوئے۔ مُڑ کر دیکھا تو حوریں ایک قطار میں کھڑی مسکراتی نظر آئیں۔ رب نے کہا اے میرے محبوب! اُمّت ہے تیری، جنّت ہے میری جنّت کا خالق ہوں میں، پر جنّت کا مالک ہے تُو۔ جنّت بنانے والا ہوں میں پر جنّت میں لے کر جانیوالا ہے تو۔ کوثر بنانے والا ہوں میں، کوثر پلانے والا ہے تُو۔ حوروں کو بنانے والا ہوں میں پر ان کی تقسیم کرنے والا ہے تُو۔

میرے محبوب! یہ حوریں تیرے پاس حاضر ہیں۔ یہ چاہتی ہیں، کہ ان کی تقسیم تُو ابھی سے کرتا جا۔ میرے نبی نے قدم آگے بڑھائے، ہر حُور کے سر پر ہاتھ رکھتے جاتے ہیں۔ نام لیتے جاتے ہیں کہ یہ حُور میرے ابوبکر صدیقؓ کی ہے۔ یہ میرے فاروقِ اعظمؓ کی ہے۔ یہ عثمان غنیؓ کی ہے۔ یہ حُور علی المرتضیٰؓ کی ہے۔ یہ زید ابن حارثہؓ کی ہے۔ یہ جعفر طیارؓ کی ہے۔ یہ معاذ ابن جبلؓ کی ہے۔ یہ عبدالرحمن بن عوفؓ کی ہے۔ یہ ابو عبیدہؓ کی ہے۔ یہ سعد بن معاذؓ کی ہے۔ یہ طلحہؓ کی ہے۔

یہ زُبیرؓ کی ہے، یہ حذیفہ یمانیؓ کی ہے۔ یہ عمار ابن یاسرؓ کی ہے۔ یہ ابوذر غفاریؓ کی ہے۔ یہ ابودرداءؓ کی ہے، یہ سلمان فارسیؓ کی ہے، یہ سعد بن ابی وقاصؓ کی ہے۔ اور آخر میں جو حُور تمام حوروں کی سردار تھی، فرمایا یہ میرے کالے بلالؓ کی ہے۔ اس تقسیم کے بعد نبیؐ واپسی کے لئے آگے بڑھے تو پیچھے سے اس سردار حُور نے نبیؐ کا پلّو تھام لیا۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی۔ اے نبی آخرالزماںؐ، تُو زمین و زماں کا مالک ہے تُو کون و مکاں کا مالک ہے۔ تُو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ تُو جنّت و رضوان کا مالک ہے تُو حور و غلمان کا مالک ہے۔ تُو سارے جہان کا مالک ہے۔ مجھے رب نے حوروں کا سردار بنایا۔ تجھے رب نے دونوں جہانوں کا سردار بنایا۔ میں کنیز ہوں تو سرتاج ہے۔ میں لونڈی ہوں، تو مولا ہے۔ میں باندی ہوں، تو آقا ہے۔ میں اگر بات کروں تو میرا حوصلہ ہوگا۔ تو اگر بات کرے تو تقدیر کا فیصلہ ہوگا۔ میری کیا مجال کہ میں اعتراض کروں لیکن مجھے اس تقسیم پر حیرانی ضرور ہے کہ آپنے کسی حُور کو ابوبکرؓ جیسا خوبصورت مرد دیا۔ کسی کو عمرؓ جیسا کڑیل جوان دیا۔ کسی کو عثمانؓ جیسا طاقتور انسان دیا۔ کسی کو علیؓ جیسا گبرو جوان دیا۔ اور میں ہوں بھی حوروں کی سردار اور مجھے بندہ بھی ایسا دیا کہ جس کا سر بڑا ہے۔ جس کی آنکھیں چھوٹی ہیں۔ جس کے ہونٹ موٹے ہیں جس کے دانت نکلے ہوئے ہیں جو ذات کا عجمی ہے جو رنگ کا کالا ہے۔ فرمایا حور! ٹھیک ہے۔ بلالؓ رنگ کا کالا ہے۔ مگر رب کا پیارا ہے۔ لیکن حُور نے پھر کہا اے خدا کے رسولؐ! میں حُور ہوں، تم حضور ہو میں حوروں کی حور ہوں۔ میں حورِ علیٰ حور ہوں۔ تم نورٌ علےٰ نور ہو۔ دیکھو تو سہی، میرے حسن کو دیکھو، میرے شباب کو دیکھو۔ میری جوانی کو دیکھو۔ میری رعنائی کو دیکھو۔ میرے جسم کو دیکھو، میری آن کو دیکھو، میری جان کو دیکھو۔ میری ادا کو دیکھو۔ میری حیا کو دیکھو، میرے سلیقے کو دیکھو۔ میرے رنگ کو دیکھو۔ میری صورت کو دیکھو۔ میری نفاست کو دیکھو۔ میری نزاکت کو دیکھو۔ میری آواز کو دیکھو۔ میرے انداز کو دیکھو۔

فرمایا اے حور! چُپ کر۔ تو اگر ناز میں بڑھ کر ہے تو میرا بلال نیاز میں بڑھ کر ہے۔

تو اگر آن میں بڑھ کر ہے تو بلالؓ شان میں بڑھ کر ہے۔ تو اگر اپنے سلیقے میں بڑھ کر ہے، تو بلال اپنے طریقے میں بڑھ کر ہے۔ تو اگر رنگ میں بڑھ کر ہے تو بلال ڈھنگ میں بڑھ کر ہے تو ادا میں بڑھ کر ہے تو بلال رضا میں بڑھ کر ہے۔ تو حیا میں بڑھ کر ہے، بلال وفا میں بڑھ کر ہے۔ تو نفاست میں بڑھ کر ہے، بلال ریاضت میں بڑھ کر ہے۔ تو نزاکت میں بڑھ کر ہے، بلال شرافت میں بڑھ کر ہے۔ تو جسامت میں بڑھ کر ہے بلال عبادت میں بڑھ کر ہے۔ تو جان میں بڑھ کر ہے بلال ایمان میں بڑھ کر ہے۔ اس پر حُور مسکرائی اور یوں نبیؐ تسلیم کر دل کے آئے کر تمام صحابہ اگر موتی ہیں تو بلال ان میں لعل ہیں۔

کوئی اوقات نہیں؛ محترم سامعین!

معراج صرف معراج ہی نہیں۔ معراج معجزہ بھی ہے۔ سب کچھ پلک جھپکنے میں ہوا۔ جب حضورؐ واپس تشریف لائے تو بستر گرم تھا۔ اور وضو کا پانی جاری تھا۔ یہ بتانے کے لئے کہ خدا اور اس کے محبوب کے درمیان زمان و مکان کی کوئی اوقات نہیں۔
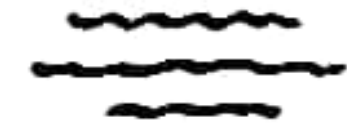
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں

تحریک نظامِ مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب صدر، گرامی قدر اور میرے محترم سامعین!

نظام مصطفٰےؐ کیا ہے؟: ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا رب رحمان ہے، ہماری کتاب قرآن ہے اور ہمارا نبیؐ آقائے دوجہان ہے۔ اس نبیؐ کو اگر آسمان والے پیار سے احمد مجتبیٰ کہتے ہیں تو ہم زمین والے اسے محمد مصطفٰےؐ کہتے ہیں۔ اس کے اقوال ہمارے لئے مقدس کلام اور اس کے اعمال ہمارے لئے مکمل نظام ہیں۔ اور اسی چیز کو ہم نظامِ مصطفٰےؐ کہتے ہیں۔ اس نظام کو اسلامی نظام بھی کہا جاتا ہے۔ اس کو شریعت محمدیہ بھی کہا جاتا ہے۔ دینِ الٰہی بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم اسے نظامِ مصطفٰےؐ اس لئے کہتے ہیں کہ جب مصطفٰےؐ کا نام آتا ہے تو دُنیا کے دوسرے تمام نجات دہندوں کی دکانداریاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ اس آفتابِ رسالت کے سامنے دوسروں کے چراغ بجھنے لگتے ہیں۔ رفعتوں اور بلندیوں کے اس پہاڑ کے سامنے دوسروں کے کارنامے ریت کے ٹیلے نظر آتے ہیں۔ اس کی بصیرتوں کے سامنے دوسروں کی دانش حیران نظر آتی ہے۔ اس کی راہ نمائی کے سامنے دوسروں کی راہنمایاں بھٹکتی نظر آتی ہیں۔ اس کے کردار کے سامنے دوسروں کے کردار مضحکہ خیز نظر آتے ہیں۔ اس کی زندگی کے سامنے دوسروں کی زندگیاں اندھیر نظر آتی ہیں۔ غرض یہ کہ جب ہمارے ذہن کی سکرین پر مصطفٰےؐ کا نام آتا ہے تو اس پردے سے دوسرے تمام نام حرفِ غلط کی طرح مٹتے نظر آتے ہیں۔

پاکستان کی ضرورت: میرے مسلمان بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ مسلمانانِ پاک و ہند نے صرف اس نبیؐ کی غلامی اور فرمانبرداری کی خاطر انگریز اور ہندو

کی غلامی کا جوا اُتار پھینکا تھا۔ انہوں نے پاکستان کا مطلب کیا "لا الہ الا اللہ" کا نعرہ لگایا اور دُنیا کو بتا دیا کہ دُنیا والو! ہم خُدا اور رسول کی اطاعت کے علاوہ ہر ایک کی اطاعت سے بیزار ہیں۔" گویا اُس وقت مسلمانوں نے یہ اعلان کر دیا کہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ ان کی زندگی کا پہلا اُصول ہے۔ اُن کا یہ فیصلہ تھا کہ رسالت کے دامن میں سماج کی نجات ہے اِس اُصول اور نظریے کو منوانے کے لئے برِ صغیر کے مسلمانوں نے جو قربانیاں دیں اُن کی تفصیل کے لئے تاریخ عاجز ہے۔ خُدا جانے کتنوں کے بچے بچھڑ گئے۔ کتنوں کے گھر لُٹ گئے۔ کتنی بیٹیوں کی عصمتیں لٹ گئیں! کتنوں کی گردنیں کٹ گئیں؟ بے حد و بے حساب قربانیاں دی گئیں۔ محض اس لئے کہ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں پاکستان میں نبیؐ کے سبز جھنڈے تلے امن و سکون کا جینا مل جائیگا۔ وہ ٹھکانہ مِل جائے گا۔ جہاں خوف و خطر نہ ہوگا۔ وہ عدالتیں مِل جائیں گی جہاں جھوٹی شہادتیں اور ناانصافیاں نہ ہوں گی۔ وہ تھانے مِل جائیں گے۔ جہاں زیادتیاں نہ ہوں گی۔ وہ دفاتر مِل جائیں گے جہاں بدعنوانیاں نہ ہوں گی۔ وہ شہر مِل جائیں گے جہاں غنڈہ گردیاں نہ ہوں گی۔ وہ قصبے مِل جائیں گے جہاں چوریاں چکاریاں نہ ہونگی۔ وہ ملک مِل جائے گا جہاں بُرائیاں اور بدمعاشیاں نہ ہوں گی۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے ؎

جن جھروکوں سے تمنا تھی کہ گل برسیں گے
وہاں سے آئے تو چمکتے ہوئے خنجر آئے

لوگوں کے ارمانوں کو کچل دیا گیا۔ تمناؤں پر پانی پھیر دیا گیا۔ آرزوؤں کو ملیا میٹ کر دیا گیا۔ انصاف کی قیمت لگا دی گئی۔ بدعنوانیوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ غنڈوں کی پشت پناہی کی گئی۔ چوریاں کی گئیں۔ اور چوریاں کرائی گئیں۔ خوب لوٹ مار مچائی گئی۔ قوم نے جہاں تک ہو سکا یہ ظلم برداشت کیا لیکن جب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو آپ نے دیکھا کہ ملک کے وزیرِ ملک کے اسیر ہو گئے۔ "دما دم مست قلندر" پھر جیل کے اندر ہو گئے۔ اِن لوگوں نے قوم کے جذبات کو ٹھنڈا دیکھ کر سمجھا کہ قوم مر گئی ہے۔ لیکن جب یہ سوئی ہوئی قوم جاگی تو پھر ان کے تاج و تخت،

اقتدار و حکومت، ٹھاٹھ باٹھ۔ کرسیاں، محلے، وزارتیں سب سے

کھُلی آنکھ تو نہ خبر رہی کہ وُہ خواب تھا کہ خیال تھا

نبی کا سہارا : یہ نتیجہ تھا محمد مصطفےٰؐ کے نظام سے روگردانی کا۔ یہ انجام تھا محمد عربیؐ کے سبق کو بھلانے کا۔ یہ تحفہ تھا ملک میں سوشلزم چلانے کا اگر نگاہِ عبرت ہو تو ہر آنے والے کو سوچ لینا چاہیئے کہ جو بھی یہاں سوشلزم چلائے گا۔ وہ اس ملک میں اپنی حکومت نہیں چلا سکے گا۔ قوم نے نظامِ مصطفےٰؐ کی تحریک چلا کر ثابت کر دیا کہ اب اس ملک میں سوشلزم آوے ہی آوے نہیں بلکہ یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاوے ہی جاوے ہے۔ سوشلزم کی ہی صرف بات نہیں، ہم مسلمان ہیں، ہم اس ملک میں کوئی بھی ازم نہیں آنے دیں گے۔ ہر مسلمان اسلام چاہتا ہے۔ "کلّ نفسٍ ذائقۃُ الموت" ہر مسلمان نے ایک دِن مرنا ہے۔ ہر مسلمان کو قیامت کے دن کیلئے شفاعتِ مصطفےٰؐ کی اُمید ہوگی۔ جہاں جو بھی مسلمان شفاعتِ مصطفےٰؐ کا طلبگار ہوگا۔ وہ نظامِ مصطفےٰؐ کا علمبردار ہوگا۔

ہم مانتے ہیں، ہم گناہگار ہیں۔ ہم خطاکار ہیں۔ لیکن اپنے نبیؐ کی شفاعت کے امیدوار ہیں۔ اگر اس نبی کا سہارا نہ ہوتا، آج ہمارا کہیں گزارہ نہ ہوتا۔ اگر نبی کا سہارا نہ ہوتا، آج کوئی چارہ نہ ہوتا۔ اگر نبی کا سہارا نہ ہوتا آج پاکستانی جھنڈے پر چاند تارا نہ ہوتا۔ ہمیں نبی کا سہارا ملا تو ہم مسلمان بن گئے۔ جب مسلمان بن گئے تو الگ قوم بن گئے۔ جب الگ قوم بن گئے تو الگ ملک بن گیا۔ جب الگ ملک بن گیا، تو الگ جھنڈا بن گیا۔ جب الگ جھنڈا بن گیا۔ تو اس پر چاند ستارہ بن گیا۔

فیصلے کا اعلان : ہمارے پاکستانی جھنڈے کا رنگ سبز ہے۔ آج بھی سرکاری عمارات پر یہ جھنڈا لہرا لہرا کر بتا رہا ہے کہ دُنیا والو! یہ سبز گنبد والے کے غلاموں کا ملک ہے۔ اور یہ جھنڈا یہ بھی بتا رہا ہے، کہ دُنیا والو! اب سبز گنبد والے کے غلام اِس ملک کو چاند تاروں کی عظمتوں کا رازدار بنا کے دم لیں گے۔ ہمارے ملک کا جھنڈا ہمارے ملک کے

دستور کا عکاس ہے۔ ہمارے مُلک کا جھنڈا ہمارے مُلک کا سائن بورڈ ہے۔ یہ جھنڈا ہماری خواہشات کا اظہار ہے۔ یہ جھنڈا ہماری امنگوں کا ترجمان ہے۔ یہ جھنڈا ہمارے فیصلے کا اعلان ہے۔ اس مُلک کے نظام کا فیصلہ اس مُلک کی تخلیق کے ساتھ ہو چکا ہے۔ بلکہ اس کے نظام کا فیصلہ اس کی تخلیق سے بھی قبل ہو چکا ہے۔ اور قائداعظم تو اس فیصلے کو اور بھی پیچھے لے جاتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :۔

"پاکستان کی بنیاد اس وقت رکھ دی گئی تھی جب ہندوستان میں پہلا شخص مسلمان ہوا تھا" گویا اُسوقت اُس نے اعلان کر دیا تھا کہ اب میں اگر یہاں زندہ رہوں گا۔ تو اسلام کے ساتھ زندہ رہونگا۔ اور مجھ سے اگر یہ دولت چھیننے کی کوشش کی گئی تو میں موت کو ترجیح دونگا"

برِصغیر کے اس پہلے مسلمان کا اعلان اور فیصلہ آج ہم پھر دہراتے ہیں۔ کہ :۔

ہم مسلمان ہیں اور یہ ہمارا اپنا ملک ہے۔ ہم یہاں اسلام کے مطابق زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ اگر یہاں اسلام ہے تو ہم بھی ہیں۔ اگر اسلام نہیں تو پھر ہم بھی نہیں"

ناخُدا کے بغیر : ہمارے یہاں اب بھی کچھ طاقتیں سوشلزم کو لانا چاہتی ہیں۔ میں ان طاقتوں کو مسلمانانِ پاکستان کی طرف سے تنبیہہ کرنا چاہتا ہوں، کہ یاد رکھو! تم سوشلزم کی بات کرتے ہو۔ جب تک ہم زندہ ہیں، ہم اس مُلک میں سوشلزم تو کیا سوشلزم کی سین کا پہلا شوشہ بھی نہیں آنے دیں گے۔ یہ مُلک کسی کے باپ کی جاگیر نہیں، اس مُلک کے خمیر میں ہمارے اسلاف کی ہڈیاں ہیں۔ اس کی زمین میں شہیدوں کا خون ہے۔ تم کتنا ہی زور لگا لو پاکستان کو اسلام سے جُدا نہیں کر سکتے۔ پاکستان کا استحکام اسلام سے ہے۔ پاکستان کی بقا اسلام سے ہے۔ اس کی ابتدا اسلام سے ہے۔ اس کا قیام اسلام سے ہے۔ اس کو دوام اسلام سے ہے۔ اسلام کے بغیر پاکستان کو چلانے والے دماغ میں رکھیں! یہ مُلک اسلام کی عدم موجودگی میں اُسی طرح چلے گا جس طرح کشتی ناخُدا کے بغیر چلا کرتی ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ اوّل تو یہ مُلک اسلام کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اور اگر اسے اسلام کے بغیر رکھا گیا تو یہ ویسے ہوگا

جیسے ایک شجر تو ہو مگر اُس کا ثمر نہ ہو۔ پھُول تو ہو مگر خوشبو نہ ہو۔ عقیدہ تو ہو مگر عمل نہ ہو۔ پیالہ ہو مگر پانی نہ ہو۔ الفاظ ہوں مگر معانی نہ ہوں۔ جسم ہو اور روح نہ ہو۔ کشتی ہو اور نوح نہ ہو۔

حقیقت : الفاظ نہ ہوں تو معانی کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ روح نہ ہو تو جسم کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر اسلام نہ ہو تو پھر پاکستان کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی۔ ہم پاکستان کو ایک زندہ جاوید حقیقت دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اس کے پاک مشن کو عالمگیر صداقت کے رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اس مُلک کی جڑوں پر کلہاڑے چلانے والوں کو کبھی معاف نہیں کریں گے۔ اس مُلک کا مقدر نظامِ مصطفےٰؐ ہے۔ اس مُلک کی تقدیر نظامِ مصطفےٰؐ ہے۔ اس مُلک کا عنوان نظامِ مصطفےٰؐ ہے۔ اس کے بغیر اس مُلک کا تصوّر نہیں۔ اسلام کا تصوّر اس مُلک سے وہی ہے، جو حق کا تعلق حقیقت سے ہے۔ جو آنکھ کا تعلق بصارت سے ہے۔ جو زبان کا تعلق حلاوت سے ہے۔ جو کان کا تعلق سماعت سے ہے۔ جس آنکھ میں بصارت نہ ہو، وُہ آنکھ، آنکھ نہیں، جس کان میں سماعت نہ ہو وہ کان کان نہیں۔ اور جس پاکستان میں اسلام نہ ہو وہ پاکستان، پاکستان نہیں۔

پاکستان کی لذت : یہ چیز آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ جب اسلام کو نظرانداز کر کے سوشلسٹ طبلچیوں نے "اِدھر ہم، اُدھر تم" کا نعرہ لگایا تو یہ پاکستان وہ پاکستان نہ رہا۔ آپ نے دیکھا کہ مشرقی پاکستان جو آبادی میں ہم سے بڑا تھا۔ ہمارا بڑا بھائی تھا، ہم سے جُدا ہو گیا۔ ہم اب چاہتے ہیں کہ ہم دوبارہ آپس میں مل جائیں۔ اِدھر اور اُدھر کے فاصلے ختم ہو جائیں۔ ہم اُن سے جا ملیں، وہ ہم سے آملیں۔

اب انشاءاللہ پاکستان کو اندھا، لُولا، اور لنگڑا بنانے کی سازشیں کامیاب نہ ہونگی۔

پاکستان ہمارا پاکستان ہے۔ یہ ہماری جان ہے۔ صحیح و سالم جان، زندہ و پائندہ جان۔ اگر بلوچستان ہمارا بایاں بازو ہے تو سرحد ہمارا دایاں بازو ہے۔ اگر سندھ ہمارا دماغ ہے تو پنجاب ہمارا دل

ہے۔ پاکستان ایک جان ہے اور اس کی لذت اس کی روح سے ہے جیسے قرأت کی لذت قرآن سے ہے، جیسے جنت کی لذت حور و غلمان سے ہے، ویسے پاکستان کی لذت نظریہ پاکستان سے ہے۔

کس کی خاطر؟ یوپی دی پی بلکہ سارے انڈیا سے آنے والے مہاجرین سے پوچھو! انہیں کیا چیز پاکستان کھینچ لائی تھی؟ کیا اس ملک کی سڑکیں اور ریلیں انہیں پسند آگئی تھیں؟ کیا انہیں اس ملک کی نہروں اور دریاؤں کی روانی میں دلچسپی تھی؟ کیا انہیں یہاں کی کھیتیوں اور فصلوں سے پیار تھا؟ کیا یہاں کے جنگل انہیں پسند تھے؟ کیا وہ یہاں صرف مری، زیارت، چمن، سوات، کالام اور کاغان کے مناظر دیکھنا چاہتے تھے؟ کیا وہ یہاں صرف کارخانوں سے اُٹھنے والے دھوئیں دیکھنے آئے تھے؟ کیا یہاں کی دوڑتی ہوئی کاروں اور اُڑتے ہوئے ہوائی جہازوں نے انہیں یہاں آباد ہونے پر مجبور کیا تھا؟ کیا یہاں کی عمارات اسقدر دل پسند تھیں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تاریخی عمارات اُدھر ہندوستان میں اس سے کہیں زیادہ تھیں۔ کارخانے، ریلیں، سڑکیں، کھیتیاں، نہریں، یہ سب وہاں موجود تھیں اور یہاں سے کہیں زیادہ تھیں۔ لیکن مہاجرین یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لٹتے پٹتے اور کٹتے کٹاتے پاکستان کی سرزمین پر آپہنچے، انہوں نے ایسا دربدر ہونا کیوں قبول کیا؟ یہ قربانیاں کیوں دیں؟ تکلیفیں کیوں اٹھائیں؟ یہ مصیبتیں کیوں جھیلیں؟ انہوں نے یہ سب کچھ صرف روٹی کپڑے اور مکان کے لئے برداشت نہیں کیا۔ انہوں نے یہ سب کچھ اپنے ایمان کی خاطر برداشت کیا۔ وہ چاہتے تھے، انہیں اُمید تھی کہ اس "لا الہ الا اللہ" والے پاکستان میں انہیں، رزق حلال سے دولت ملے گی۔ زندگی کو عزت ملیگی۔ بندگی کو لذت ملیگی۔ اور اسکے بدلے آخرت میں جنت ملیگی۔ لاٹوں اور فرنگیوں کو چھوڑ کر محمد عربی کی غلامی میں آنا چاہیے اور یہ ہر مسلمان کی

تمنا ہوتی ہے کہ روز حشر مدنیؐ اُس کا ہاتھ پکڑ کر فرمادیں کہ اے پروردگار یہ میرا سچا غلام ہے۔"

مولائے کُل: ہم اپنے رسولؐ کی غلامی کی حامی بھرتے ہیں، اس لئے نہیں کہ اس رسولؐ کو ہم جیسوں کی ضرورت ہے بلکہ اس لئے کہ ہمیں اُس مدینے والے آقا کی

ضرورت ہے۔ ہمیں اُس بادشاہوں کے بادشاہ کی ضرورت ہے۔ ہمیں اُس تاجداروں کے تاجدار کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس رحمت للعالمین کی ضرورت ہے۔ ہم اگر اس نبیؐ کی غلامی نہ بھی کریں تو اس کی شخصیت میں فرق نہیں آتا۔ سارا جہان اس کا غلام ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا تابعدار ہے۔ یہ سورج کو حکم دے تو وُہ واپس لوٹ آئے، چاند کو اشارہ کرے تو دو ٹکڑے ہو جائے ہواؤں کو حکم دے تو وہ پیغام رسانی کریں۔ دریاؤں کو اس کا پیغام ملے تو وُہ اپنا رُخ پھیر دیں۔ جانوروں کو یہ نظر آئے تو سلام میں گھٹنے ٹیک دیں۔ پتھروں کے سامنے سے اس کا گزر ہو تو وہ درود و سلام سے اس کا استقبال کریں۔ درختوں کو حکم دے تو بھاگتے آجائیں۔ بھلا ایسے نامور آقا کو ہم جیسے کمتر انسانوں کی غلامی کی کیا حاجت ہو سکتی ہے۔ ہم اگر اسکا حکم نہ بھی مانیں تو جس طرح خدا کی خدائی میں فرق نہیں آئے گا، اُسی طرح اس مصطفٰےؐ کی مصطفائی میں فرق نہیں آئے گا۔ یہ تو ہر ایک کا نبیؐ ہے۔ ہر مخلوق کا نبیؐ، ہر زمانے کا نبیؐ، ہر جہان کا نبیؐ۔ آسمانوں کے اُفق کا نبیؐ، سمندروں کے عمق کا نبیؐ، پہاڑوں کی بلندیوں کا نبی، غاروں کی گہرائیوں کا نبیؐ۔ موسموں کے تغیرات کا نبیؐ، دنیا کے حالات کا نبیؐ، مخفیات کا نبیؐ، تجلیات کا نبیؐ، موجودات کا نبیؐ، معدومات کا نبی، ابتداء کا نبیؐ۔ انتہا کا نبیؐ، اوّل کا نبیؐ، آخر کا نبیؐ، ظاہر کا نبیؐ، باطن کا نبیؐ ہے

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

ہم اس نبیؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں، یا نہ کریں، اسکی نبوت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔ ہم تو صرف اس کی اسلئے غلامی کرنا چاہتے ہیں۔ کہ تاریخ نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ جو بھی اس کا غلام بن گیا وہ پھر ساری دُنیا کا امام بن گیا۔ غریب تھا تو نصیب بن گئے۔ خونخوار تھا تو غم گسار بن۔ محکوم تھا تو تاجدار بن گیا۔ ابوبکر تھا تو صدیق اکبرؓ بن گیا۔ عمرؓ تھا

تو فاروقِ اعظمؓ بن گیا۔ عثمانؓ تھا تو عثمانِ غنیؓ بن گیا۔ علیؓ تھا تو حیدرِ کرارؓ بن گیا۔ ہر شے پہلے اگر کچھ نہ تھی تو پھر سب کچھ بن گئی۔ سوئی تھی، سونا بن گئی۔ قطرہ تھا دریا بن گیا۔ بوند تھی سمندر بن گیا۔ ذرہ تھا ستارہ بن گیا۔ یہ سب فیض تھا ؎

وُہ دانائے سُبل، ختم الرُسل، مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

نبیؐ کے صدقے : سچ تو یہ ہے کہ ہمیں جو عزت ملی نبیؐ کے صدقے ملی۔ اگر ہم مسلمان نہ ہوتے تو اس مُلک کی مسجدیں، ممبر اور محراب ہمیں کب نصیب ہوتے؟ پھر تو ہم ہندو لالوں کے پاس اچھوت بن کر رہ جاتے۔ اُن کے آگے ہاتھ جوڑتے اور انہیں کی رام رام کرتے۔ یہ نبیؐ کا صدقہ ہے کہ آج ہم مندر کے پُجاری نہیں، دین کے حواری ہیں۔ پاکستان کو بھی جو عزّت اور شان و شوکت ملے گی۔ اسی نبیؐ کے صدقے ملے گی۔ اسی کے دین کے صدقے ملے گی اسی کی شریعت کے صدقے ملے گی۔ ہمارے دِلوں میں اگر اس مُلک کا احترام ہے تو وُہ بھی اسی لئے ہے کہ اس مُلک کی بنیادوں میں ماؤ ولین کے چہیتوں کا نہیں، محمد عربیؐ کے دیوانوں کا خون ہے۔

پاک پاکستان : ہم اپنے شہیدوں کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں؟ تحریکِ پاکستان میں دی گئی قربانیوں کو کیسے بُھلایا جا سکتا ہے؟ اُن شہیدوں کی آرزوؤں اور تمناؤں کا احترام پاکستان کے باسیوں کو ہر قیمت پر کرنا ہوگا۔ ہم تحریکِ پاکستان میں کام آنیوالے مجاہدوں کے عظیم جہاد کی قسم کھا کر کہتے ہیں۔ ہمیں اس ملک کا اونچے سے اونچا تھیٹر پسند نہیں ہمیں اس مُلک کا اونچے سے اونچا مسجد کا مینارہ پسند ہے۔ ہمیں لاہور میں شاہی عمارات پسند نہیں، ہمیں شاہی مسجد پسند ہے۔ ہمیں یہاں کی آوارہ گردی پسند نہیں، ہمیں یہاں داتا کی نگری پسند ہے۔ ہمیں ملتان میں گانے بجانے والے ڈھولک پسند نہیں، ہمیں خدا کی طرف بُلانے والے پیر بہاول حقؒ پسند ہیں۔ ہم پاکستان میں پاک چیزوں کو پسند اور

ناپاک چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ پاکستان کی سرزمین کو لاکھوں شہیدوں کے پاک خون سے سینچا گیا ہے پاکستان اُن کی قربانیوں کا ثمر ہے۔ یہ اسلام کا مضبوط قلعہ ہے۔ یہ عالمِ اسلام کے مسلمانوں کی تمناؤں کا مرکز ہے۔ یہ مسجدوں کا فخر ہے۔ یہ اولیاء اللہ کا گھر ہے۔ یہ پاک ہے۔ یہ پاکستان ہے۔ پاک لوگوں کا ملک ہے۔ پاکیزہ زندگی کا مظہر ہے۔ پاک و صاف نظام کی پیداوار یعنے یہ نظامِ اسلام ہے۔

اتحاد : قیامِ پاکستان کے بعد یہاں اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کی گئی۔ خدا کا شکر ہے۔ اس مقصد کے لئے مشترکہ کوششیں جاری ہیں۔ لوگ کہتے ہیں جناب! نظامِ مصطفیٰؐ کے لئے سب ایک کیوں نہیں ہو جاتے؟ یہ بات اپنی جگہ نہایت اہم ہے لیکن جو کام آہستہ آہستہ کیا جائے وہ دیرپا اور مستقل ہوتا ہے۔ جو کام عُجلت میں کیا جائے اس کے نتائج بھی عارضی ہوتے ہیں۔ آج اگر اتحاد کی ضرورت کو سمجھا گیا ہے تو انشاء اللہ کل انضمام کی ضرورت کو بھی سمجھا جائے گا۔ آپ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مسلمانوں کے اتحاد کو پہلی مرتبہ پاکستان میں پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اس سے قبل کسی مسلمان مُلک میں کبھی اتحادِ اسلامی کا یہ جذبہ نہیں دیکھا گیا۔ اس مُلک میں یہی اتحاد ہی اسلامی نظام کے قیام کا پیش خیمہ ہے۔ یہ اتحاد اسلامی اقدار اور اسلامی روح کے عین مطابق ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے "تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں"۔ ایک دوسری حدیث میں حضورؐ نے مسلمانوں کو ایک دیوار کی مانند بتایا ہے اور ہمارے ہاں یہی چیز اتحاد میں نمایاں نظر آتی ہے۔ پاکستان میں گروہ مختلف ہیں مگر مقصد ایک ہے۔ نام مختلف ہیں، مگر کام ایک ہے۔ اعضاء مختلف ہیں مگر جسم ایک ہے۔ انگلیاں مختلف ہیں ہاتھ ایک ہے اینٹیں مختلف ہیں دیوار ایک ہے۔ لفظ مختلف ہیں مدعا ایک ہے۔ ستارے مختلف ہیں، کہکشاں ایک ہے۔ شاخیں مختلف ہیں درخت ایک ہے۔ لڑیاں مختلف ہیں ہار ایک ہے

یہ لوگ مختلف ہو کر بھی ایک ہیں۔ سرزمین عرب میں مختلف قبائل مل کر اگر ایک عظیم قوم بن گئے تھے تو پاکستان میں مختلف گروپ بھی مل کر ایک عظیم قوت بن رہے ہیں۔ تحریکِ اسلامی مسلسل عروج کی طرف گامزن۔ پوری قوم اسلامی نظام کا احیاء چاہتی ہے۔ اسلام کے لئے پوری قوم نے ہر موقع پر قربانیاں دیں۔

خون کی قسطیں : اسلام پر زندہ رہنے کی خاطر پاکستان کا نعرہ لگا کر اس قوم نے اپنے خون کی پہلی قسط پیش کی۔ ختمِ نبوت کی تحریک میں دوسری قسط پیش کی۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں سینوں پر بم باندھ کر تیسری قسط پیش کی۔ تحریکِ نظامِ مصطفےٰ میں قوم نے سڑکوں پر خون کی چوتھی قسط پیش کی۔ نظامِ مصطفےٰ کو تسلیم کرانے کے لئے قوم نے قربانیاں دینے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ باطل قوتیں اگر خون کی کچھ اور قسطیں بھی چاہتی ہیں تو ہم وہ اُدھار بھی چکانے کے لئے تیار ہیں۔ قوم اب بیدار ہو چکی ہے۔ ایک دیوار ہو چکی ہے۔ اب ہم اس ملک کی طرف کسی کو میلی آنکھ نہیں اٹھانے دیں گے۔ اگر کسی نے اس کی طرف میلی آنکھ اٹھائی تو یا ہمارے ناخن نہیں ہونگے یا اُس کی آنکھ نہیں ہوگی۔

سروں کی قیمت : پاکستان کا نوجوان طبقہ اب اسلامی طاقتوں کا ہراول دستہ بن چکا ہے۔ ہم پاکستان کو قائم و دائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اس ملک میں اسلام کو جاری و ساری دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسلام کے سوا کسی دوسرے نظریے کو ہم ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ یہاں ہر ازم فیل ہو چکا ہے۔ سوشلزم کی بات کرنے والے احمقوں کی جنت سے نکلیں۔ سوشلزم یہاں دم دے چکا۔ کمیونزم یہاں سے چل بسا۔ یہاں اب اسلام کے سوا کسی دوسرے ازم کا آنا ایسے ناممکن ہے جیسے سورج کا مغرب سے چڑھنا اور مشرق میں ڈوبنا ناممکن ہے۔ سوشلزم یہاں اپنی موت آپ مر چکا ہے۔ اب اُسے بُلانے کی ضرورت نہیں، اب اُس کی ارتھی اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ اب اُسے جگانے کی ضرورت

نہیں، اب اُسے جلانے کی ضرورت ہے۔ باطل نظریات کے حامی بے شک اپنے نظریات کو اپنے ذہنوں میں پروان چڑھاتے پھریں لیکن ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا خیال دل سے نکال دیں۔ ہم کسی قیمت پر اُن کی دال نہیں گلنے دیں گے۔ ہم صاف صاف کہے دیتے ہیں۔ ہم محمد مصطفےٰ کے علاوہ کسی کو یہاں کا راہبر و راہنما نہیں بننے دیں گے۔ ہم اسلام کے علاوہ کوئی نظام یہاں نہیں چلنے دیں گے۔ ہم قرآن کے خلاف کوئی دستور یہاں نہیں بننے دیں گے۔ اگر کچھ لوگ اسلام اور مصطفےٰ کے نظام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام یہاں لانا چاہتے ہیں تو انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس کے لئے انہیں ہماری لاشوں سے گزر کر آنا ہوگا۔ ہمارے نزدیک نظامِ مصطفےٰ کی قیمت ہمارے سروں سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم اپنی جان دے سکتے ہیں مگر اپنا ایمان نہیں دے سکتے۔

موجوں کا اضطراب : یہ جذبات کی بات نہیں۔ یہ ہمارے نظریے کی بات ہے۔ یہ ہمارے نظام کی بات ہے۔ یہ ہمارے قانون کی بات ہے۔ یہ ہمارے اُصول کی بات ہے۔ یہ ہمارے رسولؐ کی بات ہے۔ یہ ہمارے اُس خزانے کی بات ہے۔ جس کے ہر سکے کی قیمت دُنیا کے سونے چاندی کے ڈھیروں سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ تو ایک بحرِ بیکراں کی بات ہے۔ یہ سمندر خاموش تھا، باطل قوتوں نے اسے چھیڑ کر اسکی موجوں میں اضطراب پیدا کر لیا ہے۔ اب قدم منزل کی طرف اُٹھ چکا ہے۔ شاید علامہ اقبالؒ نے بھی اِسی لئے کہا تھا ہے

خُدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے!
کہ ترے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

مسلمان نوجوان کے دل میں اسلام کے لئے اضطراب پیدا ہو چکا ہے۔ ہمیں طوفان سے آشنائی ہو گئی ہے۔ یہ اضطراب بڑھتا جائے گا۔ یہ اضطراب ایک ناقابلِ تسخیر چٹان بن جائیگا۔ جو بھی اس سے ٹکرائے گا اُس کا اپنا سر کچلا جائے گا۔ ہم اپنے نظریے کی خاطر ہر درآمد شدہ نظریے سے جنگ لڑیں گے دوسرے نظریات اس ملک کے لئے چور اور ڈاکو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں یہاں سے نکلنا ہوگا

ہم طاقت اور قوت کے زور سے انہیں نکال باہر کریں گے۔ ..

قومی نظام : آج کی دُنیا میں کسی قوم پر اُسکی مرضی کے خلاف کوئی نظام نافذ نہیں کیا جاسکتا یہ ایک بین الاقوامی ضابطہ ہے۔ ہر قوم کو اپنی پسند کا نظام اختیار کرنے کی کھلی آزادی ہونی چاہیئے۔ ہم دوسروں کے اِس حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ روسی قوم نے اگر اپنے لئے سوشلزم اور کمونزم کو پسند کیا ہے تو اس کی اپنی پسند ہے۔ وہ اپنی تہذیب کو آپ جانتے ہیں، اپنی تاریخ کو سمجھتے ہیں۔ اپنے رسوم ورواج سے واقف ہیں۔ وہ اپنے جغرافیائی حالات کو خود بہتر جانتے ہیں۔ وہ جو نظام اُن کی مرضی آئے پسند کریں، ہمارا ان پر کوئی جبر نہیں۔ اِسی طرح امریکہ کے حالات ہیں۔ وہاں کے لوگوں کے اپنے خیالات ہیں۔ وہاں کے اپنے طور طریقے ہیں۔ وہ اگر سرمایہ دارانہ نظام کے حامی ہیں تو اپنے مُلک میں بے شک اسے چلاتے رہیں۔ وہ اُن کا قومی نظام ہے۔ ہماری اُن سے کوئی لڑائی نہیں۔ جب ہم دوسروں پر اپنی مرضی نہیں ٹھونستے تو کوئی ہم پر اپنی مرضی کا نظام کیوں چلائے؟ ہم پاکستانی ہیں ہماری اپنی الگ ایک تاریخ ہے۔ ہمارے پاس اپنی ایک مثالی تہذیب ہے۔ ہمارے پاس تمدن کا عظیم سرمایہ ہے۔ ہمارے اسلاف کے اپنے کارنامے ہیں۔ ہمارے جذبات وخیالات کا ایک روحانی معیار ہے۔ ہماری قوم نے اپنے اس عظیم ورثے کو ہمیشہ قربانیاں دے کر سرسبز وشاداب رکھا ہے۔ ہم اپنی پسند، اپنی خواہشات اور اپنی امنگوں کے مطابق اپنا ایک الگ نظام چاہتے ہیں اور وہ نظام ہے ؎

ایک پیامبر، ایک پیام ایک نماز اور ایک امام
ایک صحیفہ، ایک کلام ایک خُدا اور ایک نظام

اسلام، اسلام، اسلام

گھر کی شان : اسلام پاکستان کے لئے ہے اور پاکستان اسلام کے لئے ہے۔ اگر اسلام

نہ ہوتا، یہ پاکستان نہ ہوتا، اور اگر پاکستان نہ ہوتا، ہم یہاں اسلام کی بات نہ کر سکتے۔ یہ مُلک اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے بنا۔ اسلام کے چاہنے والے اس کے باشندے، اسلام کے داعی اس کے مبلغ۔ اسلام کے مجاہد اس کے نوجوان۔ اسلام اس گھر کی شان۔ یہ ہمارا گھر۔ ہم گھر والے اپنے گھر میں کون کسی کی مانتا ہے؟ جو لوگ اس گھر کی شان کو، اس ملک کے مزاج کو، اس مُلک کے حالات کو اور اس مُلک کی تاریخ کو نہیں سمجھتے۔ جن کی طبیعت کو اس مُلک کی آب وہوا راس نہیں آتی یا دوسرے لفظوں میں جن لوگوں کا گزارہ اس گھر میں نہیں ہوتا۔ وُہ بے شک اپنے لئے کوئی دوسرا گھر تلاش کریں۔ کہیں اور چلے جائیں۔ کہیں اور جا کر اپنا مُلک بنائیں۔ وہاں اپنا جو نظام مرضی چلائیں، ہمیں وہاں اُن سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّین" کسی کے دین کے معاملے میں اس پر کوئی سختی نہیں۔ دین کیا ہے؟ لوگوں کی زبان میں جس چیز کو ضابطہ حیات یا نظامِ زندگی یا دستور یا آئین کہا جاتا ہے شریعت کی زبان میں اُسے دین کہا جاتا ہے۔ ہر مُلک کا اپنا دین یا آئین ہوتا ہے۔ کسی کو کسی کے دین میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ خارجہ پالیسی کا کتنا بہترین اصول ہے؟ ہم کسی کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے، کوئی ہمارے معاملات بھی مداخلت نہ کرے۔ جب ہم دوسرے ملکوں کے لئے ان کے آئین یا دین کے معاملے میں اُن کی آزادی کو تسلیم کرتے ہیں تو ہمارے مُلک میں بھی ہمارے دین یا آئین کے معاملے میں ہماری آزادی کو تسلیم کرنا ہوگا۔

مسجد کی حفاظت : ہم اگر دوسروں کے حقوق مانتے ہیں تو اپنے حقوق منوانا بھی جانتے ہیں۔ اگر ہم دوسروں کی آزادی کو مانتے ہیں تو اپنی آزادی کو منوانا بھی جانتے ہیں۔ ہماری آئینی آزادی ایک مسئلہ ہے۔ ہمارا آئین ہمارا ترجمان ہوگا، ہمارا ایمان ہوگا، ہمارا قرآن ہوگا۔ جب قرآن پاک کو سرکاری طور پر آئین تسلیم کیا جائے گا اور اس پر نیک نیتی سے عمل کیا جائے گا تو پھر آپ یقین رکھیں کوئی بھی ماں کا لال پاکستان میں آئینی

بحران پیدا نہیں کر سکے گا۔ کوئی بھی اسمبلی کو چلنے سے نہیں روک سکے گا۔ جس اسمبلی میں قرآن کے مطابق قانون بنیں گے وہ اسمبلی ہمارے نزدیک مسجد سے کم نہیں ہوگی۔ اس کی سیٹیں ہمارے نزدیک مصلوں سے کم نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ نظامِ مصطفیٰ کے عہد میں اگر اسمبلی کے اجلاس کے دوران نماز کا وقت آیا تو ویں اسمبلی ہال میں اذان بھی ہوگی اور وہیں جماعت بھی ہوگی۔ جو لوگ ایسی اسمبلیوں کی اینٹ سے اینٹ بجانے کی بات کرتے ہیں۔ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ جو مسلمان جس مسجد میں عبادت کرنا جانتا ہے وہ اُس مسجد کی حفاظت کرنا بھی جانتا ہے۔ جو لوگ اسمبلی کے اندر آذان دینے سے گریز نہیں کریں گے وہ لوگ اُس اسمبلی کے لئے جان دینے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ پاکستان کی تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ ہماری قوم ہمیشہ ایسے لوگوں کی ہمنوائی کرتی چلی آئی ہے۔ جنہوں نے اسلام کا علم سربلند رکھا۔ قوم جن لوگوں کو مجلسِ مشاورت میں بھیجے گی، اُن کے لئے دست و بازو بھی بنے گی۔

ہماری قوم : یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ ہماری قوم نے ہمیشہ اسلامی اقدار کی حفاظت کا حق ادا کیا۔ ہماری قوم سیاستدانوں کی رہبری کرتی رہی۔ شعائرِ اسلامی کے لئے اس وقت تک جو تھوڑا بہت کام ہوا ہے وہ قوم کی محنتِ شاقہ اور عملِ پیہم کا نتیجہ ہے۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا، شراب و جوئے پر پابندی اور جمعۃ المبارک کی چھٹی وغیرہ، یہ سب قومی مطالبات تھے اور انہیں منوانے کے لئے قوم نے اپنا زور صرف کیا۔ ان کاموں کے لئے کوئی بھی لیڈر اگر اپنے لئے کریڈٹ چاہے گا تو یہ قومی جدوجہد کا بدترین استحصال ہوگا۔ قوم نے اپنی قوت کے بل بوتے پر یہ چیزیں منوائیں۔ جب جمعۃ المبارک کی سرکاری تعطیل نہیں ہوا کرتی تھی اُس وقت بھی پاکستان کے اکثر شہروں میں جمعہ کے دن تمام بازار بند ہوا کرتے تھے۔ صرف سرکاری دفاتر کے علاوہ باقی ملک میں جمعہ کی تعطیل ہی ہوا کرتی تھی۔ گویا قوم اس سارے عرصے میں حکومت کی طرف سے دی گئی اتوار کی تعطیل کو نامنظور کرتی رہی اور ہر جمعہ ایک احتجاجی دن بن کر سامنے آتا رہا۔ کاروباری حلقے اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جس دن بنک اور سرکاری دفاتر بند ہوں

اُس دن کاروبار پر کیا اثر پڑتا ہے۔ پوری قوم ہر اتوار کو پورے تیس سال تک اپنا کاروباری خسارہ برداشت کرتی رہی۔ لیکن اُس نے اپنی ملی اور تاریخی روایات کو نہیں چھوڑا۔ اتنی طویل جدوجہد کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ اتنے عرصے تک پاکستان کے باشندوں نے اپنے قومی تشخص کی جو مثال پیش کی، کیا اُسے محض اتفاق کہا جا سکتا ہے؟..... نہیں۔ ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قوم نے شروع دن سے جس نظام کا فیصلہ کیا تھا وہ اب تک اُسی فیصلے پر قائم ہے۔ حکمران مسلسل روڑے اٹکاتے رہے ہیں۔ مفاد پرست عناصر اَب تک ٹال مٹول سے کام لیتے رہے ہیں۔ منافق لوگ اَب تک اسلام کے معاملے میں دوغلی پالیسی پر چلتے رہے ہیں۔ لیکن اَب ایسا معلوم ہوتا ہے، قوم منافقوں کو پہچان چکی ہے۔ اب وہ مزید دھوکہ کھانے کے لئے تیار نہیں۔ اَب وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر ہر کام کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنی طاقت کے زور سے سب کچھ منوانا چاہتی ہے۔ یہ بات جہاں قابلِ تحسین ہے۔ وہاں قومی مطالبات کے سامنے بند باندھنے والوں کے لئے خطرے کا الارم بھی ہے۔ طاقت و قوت کا یہ رُجحان جہاں جانے والوں کے لئے عبرت آمیز ہے، وہاں آنے والوں کے لئے خبردار کرنے کی ایک زبردست آواز بھی ہے۔ اَب جس نے بھی نظامِ مصطفےٰ کے وعدے سے انحراف کیا اُس کا حشر پہلوں سے مختلف نہ ہوگا۔ قوم کے مزاج کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قوم اُن لوگوں کو ہرگز پسند نہیں کرتی جو دوسروں کے مُہرے بن کر حکومت کریں۔ قوم اُن لوگوں کو پسند کرتی ہے جو اللہ کے پیارے بن کر حکومت کریں۔

سچا خادم : خُدا کا پیارا وہ ہوگا جسے خدا کی مخلوق سے پیار ہوگا۔ خُدا کی مخلوق سے اُس شخص کو پیار ہوگا جو خُدا کے علاوہ ہر ایک کی اطاعت سے بیزار ہوگا۔

ع

خُدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے

میں اُس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

خُدا کے بندوں سے اُسے پیار ہوتا ہے جو ذاتی مفادات پر خلقِ خُدا کو ترجیح دے۔ اپنے

ٹھاٹھ باٹھ، اپنے غلغلے اور اپنے طنطنے کو چھوڑ کر بنے لوث کارکن کی حیثیت سے کاروبارِ حکومت چلائے اپنی ذمہ داری کو سمجھے اور خلقِ خدا کے دُکھ سُکھ میں شریک ہو۔ دوسرے نظاموں میں قوم کا حاکم قوم کا ہیرو ہوتا ہے لیکن نظام مصطفےٰ میں قوم کا حکمران قوم کا پالٹے خان نہیں قوم کا سچا خادم ہوتا ہے :۔ سیّد القَوم خادِ مھُم۔

حضرت عمر رضؓ ایک دن اپنی پیٹھ پر آٹا اُٹھا کر ایک غریب خاندان کو بیت المال سے وظیفہ دینے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک صحابی ملے۔ عرض کی اے امیر المومنین! آپ ہمیں حکم دیں، یہ آٹا ہم اُٹھا کر پہنچا دیتے ہیں۔ فرمایا رضؓ اے میرے دوست تم آج کے دن تو یہ بوجھ اُٹھا لوگے لیکن کل قیامت کے دن میرا بوجھ کون اُٹھائے گا؟

خُدا خوفی کے ساتھ خدمتِ خلق کا یہ جذبہ ہی کسی سربراہ کو کامیابی کی راہ پر چلا سکتا ہے۔ خُدا کا خوف اس کے دِل میں پیدا ہوتا ہے جس کے دِل میں ہمدردی اور خدمتِ خلق کا جذبہ ہوتا ہے۔ لوٹنے والے بھلا قوم کو کیا دے سکتے ہیں؟ لینے والے قوم کو کیا دے سکتے ہیں؟ دوسرے مُلکوں میں قوم کا پیسہ اُٹھا کر لے جانے والے قومی خزانے کی حفاظت کیسے کر سکتے ہیں؟ ہم چوروں کو محافظ کیسے کہہ سکتے ہیں؟

حَد ہو گئی: تیس سال تک اس مُلک کو لٹیروں نے خوب لوٹا۔ جس کا جہاں ہاتھ پہنچا اُس نے وہیں ہاتھ مارا۔ جس کا ہاتھ قومی خزانے میں سائیکل اور سکوٹر تک پہنچا، اُس نے وہ ہتیایا، جس کا ہاتھ ریلوے کے انجن تک پہنچا اُس نے وہ چُرایا، جس کا ہاتھ ڈپو تک پہنچا اُس نے وہاں تک ہاتھ پھیلایا۔ جس کا ہاتھ سیلاب زدوں کے لئے آنے والی امداد تک اور غیر ممالک سے آنے والے زرمبادلے تک پہنچے اُس نے وہاں تک ہاتھ لمبے کئے۔ ہاتھوں کی اس صفائی کو کون تسلیم نہ کرے گا۔ ع

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھُلا

لیکن اس دھوکے کی پہچان بعض اوقات اس لئے نہیں ہوتی کہ ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

کرتے کچھ ہیں، بتاتے کچھ ہیں۔ ہوتا کچھ ہے، دکھاتے کچھ ہیں۔ مفاد اپنا ہوتا ہے، نام قوم کا ہوتا ہے۔ اَب تک یہی ہوا۔ ہوتے تھے اُن کے ذاتی مفادات اور نام رکھا جاتا تھا قومی اصلاحات ہوتی تھی وزیروں کی لوٹ مار، نام رکھا جاتا تھا سرکاری اخراجات۔ بکتے تھے خرافات، نام ہوتا تھا ارشادات۔ ہونٹوں سے لگتے تھے شراب کے جام، زبان پہ ہوتا تھا عوام ہی عوام۔ غریبوں کو لوٹنے کی نیت ہوئی تو غریب کے ساتھ رہنے کی بات۔ امیر کو نوازنے کی نیت ہوئی تو امیر کی چمڑی اُدھیڑنے کی بات۔ اپنا اقتدار بچانے کی فکر ہوئی تو تحفظ امن عامہ کی بات۔ صوبائی تعصب پھیلانے کا ارادہ ہوا تو علاقائی سالمیت کی بات۔ منافقت اور تضاد کی یہ حد! جس مُلک کے حاکموں کے یہ اعمال ہوں، اُس مُلک کے احوال کیا ہوں گے!

نیت کا اثر: یہ خُدا کا ایک اٹل قانون ہے کہ جس مُلک کے حکمران صداقت اور عدل و انصاف سے عاری ہوں گے اُس مُلک پر رحمتوں اور برکتوں کے دروازے بھی بند ہوں گے۔ جب تک مُلک کے حاکموں کی نیت ٹھیک نہیں ہوگی اُس وقت تک مُلک کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہوگی۔

آپ نے بادشاہ انوشیرواں عادل کا نام تو ضرور سُنا ہوگا۔ اِسے عادل اس لئے کہا جاتا تھا کہ یہ انصاف سے کام لیتا تھا۔ یہ بادشاہ ایک دفعہ اپنے مُلک کے کسی جنگل میں کہیں شکار کھیل رہا تھا۔ کہ ایک ہرن نظر آیا۔ گھوڑا پیچھے دوڑایا۔ لیکن ہرن کہیں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ انوشیرواں اپنا راستہ بھول گیا۔ گرمی کے دن تھے۔ پیاس کی شدت تھی۔ جنگل بیابان تھا۔ بادشاہ اِدھر اُدھر دوڑتا پھرا۔ آخر دُور ایک باغ نظر آیا۔ جا کر دیکھا، یہ انار کا باغ تھا۔ ایک غلام اس کی حفاظت پر مامور تھا۔ انوشیرواں نے جا کر کہا۔ "بھائی! میں بہت دُور سے آرہا ہوں

راستہ بھول گیا ہوں، مجھے راستہ بھی بتاؤ اور ایک گلاس پانی بھی پلاؤ" غلام لڑکے نے اس کو کسی دوسرے ملک کا مسافر سمجھ کر سائے کے نیچے بٹھایا۔ پھر ایک انار کا رس نچوڑ کر گلاس میں پیش کیا انوشیرواں نے یہ رس پیا۔ بڑا لطف آیا، پی کر کہنے لگا "بھائی! تمہارے باغ کا رس نہایت میٹھا اور خوشبودار ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اُس لڑکے نے جواب دیا "جناب! ہمارے ملک کے بادشاہ کا نام انوشیرواں ہے۔ وہ نیک اور انصاف ہے۔ عادل کے نام سے مشہور ہے اس لئے ہمارے ملک کے باغات کا رس بہت میٹھا ہے۔" انوشیرواں یہ سن کر خاموش رہا۔ پھر کہا "اچھا! ایک گلاس مجھے اور بھی پلا دو تو مہربانی ہوگی۔" لڑکا دوسرا انار نچوڑنے کے لئے گیا۔ تو انوشیرواں کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس باغ کو شاہی ملکیت میں لے لیا جائے کہ جب بھی اس طرف آنے کا اتفاق ہو، سب درباری اس کے ٹھنڈے، میٹھے اور خوشبودار رس سے مستفیذ ہوں۔" اتنے میں لڑکا دوسرا گلاس لے کر آگیا۔ انوشیروان نے یہ گلاس پیا۔ مگر اس انار کے رس میں نہ وہ شیرینی تھی نہ مٹھاس۔ نہ وہ خوشبو تھی نہ لذت۔ انوشیرواں لڑکے سے پوچھنے لگے "بھائی! کیا ہوا؟ اس انار میں پہلے والے انار کی طرح نہیں"۔ اُس لڑکے نے جواب دیا۔ "جناب اگر ایسا ہے تو پھر معلوم ہوتا ہے ہمارے بادشاہ کی نیت بدل گئی ہے۔"

حاصلِ بھی لاحاصل : معلوم ہوا جس ملک کے بادشاہ کی نیت بدل جاتی ہے اُس ملک کے پھلوں کی لذت بھی بدل جاتی ہے۔ جس ملک کے حاکم کی نیت ٹھیک نہیں ہوتی۔ اُس ملک میں پھل ضرور ہوتے ہیں۔ مگر ان میں شیرینی نہیں ہوتی۔ وہاں کھیت ضرور ہوتے ہیں مگر ان میں کھیتیاں نہیں ہوتیں۔ وہاں کارخانے ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں پیداوار نہیں ہوتی۔ دوکاندار ضرور ہوتے ہیں مگر اُن کی دوکانداری نہیں ہوتی۔ جہاں انصاف نہ ہو اُس ملک میں بازار ضرور ہوتے ہیں مگر وہاں تجارت کا مزہ نہیں ہوتا۔ جس ملک میں انصاف نہ ہو اُس ملک میں سکول ضرور ہوتے ہیں مگر ان میں تعلیم نہیں ہوتی۔ اور اگر وہاں تعلیم بھی ہو تو لڑکوں کے

پاس علم نہیں ہوتا۔ اور اگر علم بھی ہو تو ان کے پاس حلم نہیں ہوتا۔ اور اگر حلم بھی ہو تو ان میں حوصلہ نہیں ہوتا۔ اور اگر حوصلہ بھی ہو تو ان میں قوتِ فیصلہ نہیں ہوتی۔ جہاں انصاف نہ ہو وہاں ہسپتال ضرور ہوتے ہیں لیکن ان میں علاج نہیں ہوتا۔ اور اگر ان میں علاج بھی ہو تو وہاں دوا نہیں ہوتی۔ اور اگر وہاں دوا بھی ہو تو اس دوا میں شفا نہیں ہوتی۔ جس ملک میں عدل و انصاف کا قحط ہو وہاں چیزیں ضرور ہوتی ہیں مگر ان چیزوں میں برکت نہیں ہوتی۔ وہاں ہر قسم کی صلاحیت ہوتی ہے مگر کسی قسم کی افادیت نہیں ہوتی۔ ہر قسم کی نعمت ہوتی ہے مگر وہاں کسی قسم کی رحمت نہیں ہوتی۔ وہاں سب کچھ حاصل ہوتا ہے، مگر پھر بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ وہاں کا حکمران عادل نہیں ہوتا۔

عدل کی اہمیّت

عدل ایک بہت بڑی چیز ہے۔ یہ جتنی بڑی چیز ہے اُتنی ہی ضروری چیز ہے۔

محترم سامعین! آپ "عدل" کے لفظ پر غور کریں۔ اس کا پہلا حرف "ع" ہے۔ جب عدل سے اس عین کو الگ کریں تو باقی "دِل" رہ جاتا ہے۔ "عدل" خود بتا رہا ہے کہ میرا تعلق عین دِل سے ہے۔ جس حاکم کے دِل میں خدا کا خوف نہ ہوگا اُس حاکم کی حکومت میں عدل بھی نہیں ہوگا۔ جس حاکم کی حکومت میں عدل نہیں ہوگا اُس کے دِل میں خدا خوفی بھی نہیں ہوگی۔ جس حاکم کے دل میں خُدا خوفی نہ ہوگی۔ اُس کی حکومت کا حکومتِ الٰہیہ سے کوئی تعلق بھی نہیں ہوگا۔ ایک شخص حاکم ہو مگر عادل نہ ہو، ایسا شخص لاکھ اپنے اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتا رہے وہ اولی الامر نہیں وہ خُدا کا باغی ہے۔ اِسی لئے تو فقہانے کافر مگر عادل بادشاہ کو مسلمان مگر ظالم بادشاہ پر ترجیح دی ہے۔ عدل و انصاف کی اہمیت نظامِ مصطفیٰ میں مسلّم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی پوری تریسٹھ سالہ زندگی عدل و انصاف کا مرقع ہے۔ حضورؐ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ محفوظ ہے۔ کوئی بھی شخص آپؐ کی زندگی سے کوئی معمولی سا واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کر سکتا جس سے انصاف کی نفی ہوتی ہو۔

آنکھوں کی ٹھنڈک : آپؐ نے تو بعثت سے قبل بھی عدل و انصاف کی وُہ مثالیں قائم کیں کہ دُنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ آپکو یاد ہے جب کعبۃ اللہ کی تعمیر کا مسئلہ آیا اور معاملہ حجرِ اسود کو اُٹھا کر اس کی جگہ رکھنے کا آیا تو قبائلِ عرب کی خونخواری انہیں جھانک جھانک کر دیکھنے لگی۔ اُس وقت صبح سویرے کعبۃ اللہ میں آنکلنے والی ہستی کون تھی؟ اُس وقت عدل و انصاف کا یہ خوگر جنگ و جدل کو روکنے کے لئے امن و سکون کا آفتاب بن کر طلوع ہُوا۔ وہاں انصاف کی چادر بچھائی گئی۔ اُس وقت عادل ہاتھوں نے حجرِ اسود کو اٹھا کر انصاف کی چادر پر رکھ دیا۔ اُن عربوں نے اس عدل و انصاف کو پہچانا۔ اسے قبول کیا۔ پھر اُنہوں نے اس فیصلے کو اپنے ہاتھوں سے تھام لیا۔ جب یہ عدل و انصاف عروج پر پہنچا تو حجرِ اسود بھی اپنے مقام پر پہنچ گیا۔ بعثت سے قبل جس کے عدالتی فیصلوں کا یہ عالم ہے۔ بعثت کے بعد اُس کے عدل و انصاف کا کیا عالم ہوگا؟ اِس وقت اگر میں حضورؐ کی زندگی سے عدل و انصاف کی مثالیں بیان کرنے لگوں تو تمہاری یہ راتیں ختم ہو جائیں لیکن میرے نبیؐ کی باتیں ختم ہونے میں نہ آئیں۔ یہ نبیؐ مجسّم عدل۔ ہر ایک کے لئے عادل۔ بندوں کی تو کیا بات ہے پرندے اور چرندے بھی اس عادل کے پاس انصاف کی بھیک مانگنے کے لئے آئے۔

خوش کُن وادی : عدل و انصاف کا ایسا عظیم بادشاہ تمہیں پوری دُنیا میں ڈھونڈے سے نہیں ملے گا۔ دُنیا کے ہر مصنّف کی زندگی میں تمہیں کہیں نہ کہیں غلطیوں اور زیادتیوں کی نشانیاں ضرور ملیں گی لیکن ہمارے نبیؐ کی زندگی میں تمہیں کہیں لغزش

کا کوئی پتھر نظر نہیں آئے گا۔ کہیں غلطی کا کوئی ڈھیلا نظر نہیں آئے گا۔ کہیں زیادتی کا کوئی گڑھا نظر نہیں آئے گا۔ کہیں ظلم کی کوئی جھکی نظر نہیں آئے گی۔ یہاں اگر نظر آئیں گے تو ہر طرف انصاف کے خوبصورت پہاڑ نظر آئیں گے۔ ایفائے عہد کے وسیع باغات نظر آئیں گے۔ حق و صداقت کی خوش کُن وادیاں نظر آئیں گی۔ ان وادیوں میں امانت و دیانت کے جھومتے ہوئے درخت نظر آئیں گے۔ اِن درختوں میں خوش خلقی کی چہچہاہٹ سُنائی دے گی۔ پھر ایسے ہی باغ میں خیر و برکت کے پھل ملیں گے۔ بھلا ایسے پھلوں میں شیرینی اور لذت کیسے نہیں ہوگی؟ عدل و انصاف کی وادیوں میں امن و سلامتی کیسے نہ ہوگی؟

انقلاب

رسُولؐ کا انقلاب : نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات سے جن لوگوں نے عدل و انصاف کے ساتھ رہنا سیکھ لیا، خُدا کی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے ان پر کھُل گئے۔ آسمان نے اگر ان پر موتی برسائے تو زمین نے اپنے خزانے ان کے پاؤں میں اُگل دیئے۔ وہ پہلے اگر محکوم تھے تو پھر ساری دُنیا کے آقا بن گئے۔ پہلے اگر غلام تھے تو پھر ساری دُنیا کے امام بن گئے۔ نبیؐ کے نظامِ عدل نے وہ انقلاب برپا کیا کہ لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں۔ بندگیاں بدل گئیں۔ عادتیں بدل گئیں۔ عبادتیں بدل گئیں۔ ہر رواج بدل گیا۔ ہر مزاج بدل گیا۔ ہر راج بدل گیا۔ ہر تاج بدل گیا۔ سارا کا سارا سماج بدل گیا۔ ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

تباہی کا علاج : کیا آج تک دنیا کے کسی مُصلح نے زمین پر کوئی ایسا انقلاب پیدا کیا؟ ہمارے رسولؐ کے انقلاب کے بعد ہمیں ہر انقلاب ایک فراڈ نظر آتا ہے دوسرے تمام نام نہاد انقلابیوں نے بھیس بدل بدل کر خُدا کی مخلوق پر ظلم کیا۔ چہرے بدل بدل کر انسانیت کا خون کیا۔ جال بدل بدل کر انسانوں کا شکار کیا۔ نقاب بدل بدل کر انسانی عزت کو تار تار کیا۔ تہذیب و تمدن کے سینے میں خنجر گھونپے۔ آزادیوں کو قتل کیا۔ اخلاق برباد کئے۔ شرافت کو گرایا گیا۔ شرارت کو اُٹھایا گیا۔ حیا کو دفنایا گیا۔ بے حیائی کو نچایا گیا۔ سادگی اور وقار کا مذاق اڑایا گیا۔ عریانی و فحاشی کو پروان چڑھایا گیا۔ ہر اچھائی کو مٹایا گیا اور ہر بُرائی کو پھیلایا گیا۔ اِن کارناموں کو انقلابی اقدامات کا نام دیا گیا۔ اِن کا پراپیگنڈہ کیا گیا اور ان پر فخر کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرہ فساد کی لپیٹ میں آگیا۔ بلندیاں دُور ہوتی گئیں اور پستیاں قریب ہوتی گئیں۔ بداعتمادی بڑھتی گئی اور اعتماد خلوص اور محبت و شفقت گھٹتی گئیں۔ لالچ، بغض، کینہ اور حسد اپنی ان گنت برائیوں کے ساتھ انسانوں سے چمٹنے لگے۔ انسان انسان کا دشمن بن گیا۔ آج انسانیت سسکیاں لے رہی ہے۔ اہلِ درد حضرات اس تباہی کا علاج چاہتے ہیں۔ دُنیا کے دوسرے تمام ڈاکٹروں نے انسانیت کو بسترِ مرگ پر لا ڈالا ہے۔ آؤ! اُس عظیم ڈاکٹر کی چوکھٹ پر چلیں جس نے آج سے چودہ سو برس پہلے انسانیت کو نئی روح بخشی۔ جس نے خونخواروں کو غمخوار بنایا۔ جس نے غلاموں کو تاجدار بنایا۔ جس نے مظلوم عورتوں کو اموال کا وارث بنایا۔ جس نے یتیموں کو سہارا دیا۔ جس نے بیواؤں کو آسرا دیا۔ جس نے بھٹکے ہوؤں کو راستہ دیا۔ جس نے گمراہوں کو ہدایت دی۔ جس نے امتیازات مٹا دیئے۔ جس نے جانی دشمنوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ جس نے نفرت کے کانٹے اکھیڑ پھینکے۔ جو سراپا محبت بن کر آیا۔ جو سراپا عزت بن کر آیا۔ جو سراپا عدل بن کر آیا۔ جو سراپا حق بن کر آیا۔ جو سراپا رحمت بن کر آیا۔ جس نے جائز و ناجائز کا فرق بتایا۔ جس نے حلال و حرام میں تمیز سکھائی۔ جس نے غلط اور صحیح کی پہچان کرائی۔ جس نے کھوٹے

اور کھرے کو الگ کر دکھایا۔ وُہی ہمارا راہبر ہے۔ اُسی کی شریعت ہمارا دستور ہے۔ اُسی کا طریقہ ہمارا منشور ہے۔ اُسی کے فیصلے ہماری عدالت ہیں۔ اُسی کے قانون ہماری دلیل ہیں۔ اُسی کے پیرو ہمارے وکیل ہیں۔

راہبرِ کامل : ہماری وکالت صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو ہمارے نبیؐ کی غلامی کا دم بھرتے ہیں۔ جن لوگوں کو اس نبیؐ سے کوئی تعلق نہیں، ہمارا بھی اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ جو لوگ خود راہبرِ کامل ہونے کا دعوے کرتے ہیں، جو خود منزلِ مقصود تک پہنچانے کی بات کرتے ہیں، اُن کی رہبری اور ان کی منزل انہیں مُبارک ہو۔ ہم صرف اسکی راہنمائی قبول کریں گے جو ہمیں مدینے پہنچا کر خود پیچھے ہٹ جائے۔ پھر جیسے ہم امتی ہوں ویسے وہ امتی ہو۔ جیسے مدینے کی سرکار کے ہم غلام ہوں ویسے وہ غلام ہو۔ جیسے ہم اُس دربار کے بھکاری ہوں ویسے وہ بھکاری ہو۔ جیسے ہم دامن پھیلائیں ویسے وہ دامن پھیلائے۔ جیسے ہم چوکھٹ پر گریں ویسے وُہ گرے۔ جیسے ہم روئیں ویسے وہ روئے۔ جیسے ہم دعائیں کریں ویسے وہ کرے۔ پھر جیسے ہم جھولیاں بھریں ویسے وہ بھرے۔ خزانہ ایک ہو، لینے والے سب ہوں۔ چشمہ ایک ہو، پیاسے سب ہوں۔ ہادی ایک ہو طالب سب ہوں۔ اس ہادی کے مقابلے میں کسی کو ہادی بننے کی جرأت نہ ہو۔ اس نبیؐ کی محبت کے مقابلے میں کوئی ہمارے لئے محبت نہ بن سکے۔

میرے دوستو اور بھائیو!

سوچو! غور کرو! سمجھو! اس نبیؐ کے نظام اور اس نبیؐ کے اصول و قواعد کے مقابل میں کسی کی دانش اور فکر کیا حیثیت رکھتی ہے؟ ہم سب طالب ہیں اور وہ مطلوب ہے۔ وُہ دینے والا ہے، ہم لینے والے ہیں۔ اُس کے پاس رشد و ہدایت کے سرچشمے ہیں اور ہمارے پاس گمراہیوں کی لغزشیں۔ وہ خطاؤں سے پاک اور ہم خطاؤں کے پُتلے۔ ہماری عقل محدود اور اُس کا علم بحرِ بیکراں۔ ہم گناہ گار اور وُہ رب کا یار۔ ہم کمتر اور وہ بہتر۔ ہم ادنیٰ

اور وہ اعلیٰ۔ دُنیا بھر کے بادشاہوں کے تاج اُس کے نعلین تک نہ پہنچ سکیں ہم اُس کی عزت، اُس کی شان، اُس کے مرتبے، اُس کے درجے، اُس کے رتبے تک تو کیا، ہم اُس کی خاکِ پا تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ چہ جائیکہ ہم میں سے کوئی اس کے مقابلے میں اپنی راہنمائی کا دعوے دار ہو۔

آپ دیکھتے نہیں؟ ہم خدا کے گھر میں آئیں تو اپنے جوتے اُتار کر آئیں اور یہ نبیؐ خدا کے پاس جائے تو جوتوں کے ساتھ جائے۔ ہم دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں تو عبادت ہو، یہ نبیؐ ہاتھ اُٹھائے تو شفاعت ہو۔ آج کا کوئی لیڈر بولے تو یہ اُس کی طرف سے اخباری بیان ہوتا ہے، اور ہمارا رسولؐ بولے تو یہ رب کی طرف سے قرآن ہوتا ہے۔ ہم بولیں تو بات ہو، یہ رسولؐ بولے تو حدیث ہو۔ ہم اپنا طریقہ بتائیں تو بدعت ہو، یہ اپنا طریقہ بتائے تو سنت ہو۔ ہم قانون بنائیں تو اسمیں شدت ہو، یہ قانون بنائے تو سب کے لئے حجت ہو۔ ہم مُرید بنائیں تو مِنّت ہو اور یہ مرید بنائے تو جنت ہو۔ ہم میں سے کوئی عبادت و ریاضت اور مراقبت و مناقبت کے مراحل طے کر کے پیر و مرشد ولی و قطب اور ابدال کے مراتب تک بھی جا پہنچے تو رسولؐ کے مقابلے میں اس کی حیثیت کچھ نہیں ہوتی، چہ جائے کہ کوئی اور کٹ پونجا اٹھ کر رسولؐ کی شریعت کے مقابلے میں اپنے قانون بنائے۔

نوشتۂ دیوار : رسولؐ کے نام لیوا پاکستان کے باشندے ہیں۔ اُن کے نزدیک اپنے رسولؐ کے نام کے علاوہ کسی کا نام قطعاً کوئی کشش نہیں رکھتا چاہے اپنے نام کے ساتھ کوئی خطابات اور القابات کی کتنی لمبی فہرست ہی کیوں نہ لگا دے چاہے مُلک بھر میں اپنی بڑی بڑی تصویریں ہی کیوں نہ لگا دے۔ چاہے ریڈیو اور ٹی۔وی سارا دن اُس کے نام کا وظیفہ ہی کیوں نہ پڑھتے رہیں۔ چاہے اخبارات ہر روز اُس کے نام کے قصیدے ہی کیوں نہ چھاپتے رہیں۔ قوم صرف اُس رہبرِ کاملؐ کا نام چوم کر آنکھوں سے لگائے گی جس کا نام ہمارے لئے آنکھوں کا نور ہے۔ جس کا نام ہمارے لئے دِل کا

سرور ہے۔ جو سراپا روشنی ہے۔ جو سراپا ہدایت ہے۔ جو سراپا نور ہے۔ جو نور سے بھرپور ہے۔ جو نورٌ علےٰ نور ہے۔ جس کے ہم غلام ہیں اور جو ہمارا حضورؐ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قوم کے اس مزاج کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہاں جس نے بھی مُصطفیٰؐ کا نام لیا، قوم دیوانہ وار اس کے پیچھے ہو گئی۔ گولیاں کھائیں۔ لاٹھیاں کھائیں۔ جلوس نکالے۔ جانیں دیں۔ ہر قسم کی قربانیاں دیں، لیکن قوم نے رسولؐ کے سبز پرچم سے کبھی بے وفائی نہ کی۔ ایسی صورت میں پاکستان کے حکمرانوں کا مستقبل بتانا نہ تو کسی نجومی کا رَمل ہو گا نہ کسی بابصیرت کی پیشین گوئی بلکہ یہ تو ایک نوشتۂ دیوار ہے۔ یہ تو ایک آئینہ ہے۔ یہ نورِ روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اس مُلک میں جو حکمران نظامِ مصطفیٰؐ کو صحیح معنوں میں نافذ کرے گا، قوم اُس کے جوتوں کو اپنے سر کا تاج بنائے گی، اور جو حکمران اس نظام سے روگردانی کرے گا، قوم اپنی روایت کے مطابق اُسے بھی جوتے مار بھگائے گی۔

امیرِ کارواں : نظامِ مُصطفیٰؐ میں امارت پھولوں کی سیج نہیں ہوا کرتی، اِس نظام میں امارت خُدا کی طرف سے ایک امانت ہوا کرتی ہے۔ ذمہ داریوں کا بوجھ اور انسانی کوتاہیوں کے اندیشے اِس امیر کے لئے کانٹوں کا بستر ہوتے ہیں۔ وہ دن رات اپنے فرائض کی بجا آوری میں بے چین رہتا ہے۔ وہ اگر ایک طرف خُدا کی گرفت سے ڈرتا ہے تو دوسری طرف مخلوقِ خدا کے احتساب کے لئے بھی تیار رہتا ہے۔ وہ طاقتور ہوتے ہوئے بھی خُدا سے خوف کھاتا ہے۔ وہ کمزور ہوتے ہوئے بھی غریبوں کے حقوق کے لئے طاقتور بن جاتا ہے۔ تاریخِ اسلام میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ خلفاء راشدین اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف صحابہ کرامؓ کے ہر سوال کا جواب دیا بلکہ گاہے گاہے خود کو اُن کے سامنے احتساب کے لئے پیش بھی کیا۔ اگرچہ ہر معاملہ میں خلیفۃ المسلمین کی رائے حتمی اور سب کے لئے قابلِ قبول ہوتی تھی پھر بھی اِسلام کے اِن روشن ستاروں نے

مشاورت سے کام لیا۔ اگر کوئی بہتر رائے سامنے آئی تو اُسے بلا کسی تذبذب کے قبول کیا۔ حضورؐ نے خود کئی مرتبہ حضرت عمرؓ کی رائے تسلیم کی۔ جنگِ خندق جو اُحد کی جنگ کے بعد اسلام اور کفر کے درمیان فیصلہ کُن معرکہ تھا، اِس میں حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر عمل کیا گیا۔

اسلام میں خود نمائی اور انانیت کا کوئی جواز نہیں۔ ہمارے ہاں ہمیشہ ایک شخص کی تو ابدید پر بھروسہ کیا گیا۔ اسمبلیاں بنائی ضرور گئیں مگر ان اسمبلیوں میں کسی کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ اکثریت کو ہمیشہ اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ اپنی قیادت کو چمکانے کے لئے ہزاروں پاپڑ بیلے گئے۔ جو بھی ایک دفعہ اقتدار پر آیا اُس نے اِسے باپ کی جاگیر سمجھ لیا۔ خود کو مختارِ کل بنا لیا۔ اقتدار کی بدحواسی میں اپنی ذات کو مُلک کی بقا سمجھ لیا۔ سب جانتے ہیں کہ آنے والے آکر جاتے رہے اور اُن کے جانے سے مُلک کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑا۔ کسی مُلک کا وجود کسی ایک شخص سے وابستہ نہیں ہوتا، قومیں اپنے مُلک کی خود وارث ہوا کرتی ہیں۔ پاکستانی قوم اپنے مُلک کی آپ مالک ہے۔ یہ اپنی مرضی سے ایک شخص کو مُلک کا انتظام و انصرام چلانے کے لئے منتخب کرتی ہے۔ اِس کا قومی خزانے سے باقاعدہ معاوضہ مقرر ہوتا ہے۔ یہ قوم کا ملازم ہوتا ہے۔ یہ قوم کا تنخواہ دار ہوتا ہے۔ یہ خادم ہوتا ہے، اِس لئے اسے خدمت کے جذبے ہی سے کام کرنا چاہیئے۔ قوم جس شخص کے ذمہ مُلک کی خدمت کا فرضِ اوّلین سونپتی ہے وُہ اگر پورے مُلک کا مالک بننے لگے تو یہ ایک طے شُدہ اُصول ہے کہ ہر مالک اپنے بددیانت ملازم کو فوراً چھٹی کرا دیتا ہے۔ قوم نے اگر ماضی میں کچھ لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو یہ اُس کا بنیادی حق ہے۔

نظامِ مصطفےٰؐ اپنی قوم کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نظام میں جو بھی حکمران آئے گا اُسے اپنی مطلق الانانیت کو بحرالکاہل میں غرق کر کے آنا ہوگا۔ اسلام میں امیر اپنی خودنمائی میں گم نہیں ہوگا، وہ گلیوں میں گھوم گھوم کر عوام کی خبرگیری کرنے والا ہوگا۔ وہ بوڑھوں

کی آنکھ کا تارا ہوگا۔ نظامِ مصطفےٰؐ میں امیرِ پاکستان ہر طرح سے قوم کا خادم ہوگا۔ اُس کے سر میں رعونت نہ ہوگی۔ اُس کے چہرے پر غرور نہ ہوگا۔ اُس کے دماغ میں سازشیں نہ ہونگی۔ اُس کے بدن کو راحتیں لوٹنے کا شوق نہ ہوگا۔ اُس کی آنکھوں کو فحش ثقافتی شو دیکھنے کا شوق نہ ہوگا۔ اُس کے منہ کو شرابیں پینے کا شوق نہ ہوگا۔ اُس کی گردن کو اکڑنے کا شوق نہ ہوگا۔ اُس کے گلے کو غیر مُلکی قیمتی ٹائیاں لٹکانے کا شوق نہ ہوگا۔ اُس کے گلے میں اگر ہوگا تو محمدؐ کی غلامی کا طوق ہوگا۔

ہمارے نزدیک ہمارے مُلک کے مسائل کا علاج کسی کی تابعداری میں نہیں۔ ہمارے مسائل کا حل کسی کی نمبرداری میں نہیں۔ کسی کی جاگیرداری میں نہیں۔ کسی کی زمینداری میں نہیں ہمارے مسائل کا حل صرف اور صرف محمدؐ کی غلامی میں ہے ؎

محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

قوم کی چاہت : نظامِ مُصطفےٰؐ میں حاکم قوم کا خادم اور قوم حاکم کے لئے محتسب ہوا کرتی ہے۔ اس نظام میں ہر حاکم کو قوم کے سامنے جواب دینا ہوگا

قوم اُسے جس حال میں رکھنا چاہے اُسے اُس حال میں رہنا ہوگا۔ قوم اگر اُسے حاکم دیکھنا چاہے گی تو وہ حاکم ہوگا، اگر محکوم دیکھنا چاہے گی تو محکوم ہوگا۔ نظامِ مصطفےٰؐ میں کسی بھی شخص کو حکمرانی کا مستقل ٹھیکہ نہیں دیا جائے گا۔ قوم جس کے ذمہ جو فرض عائد کرے گی اُسے وہی نبھانا ہوگا۔ قوم جس سے جو کام لینا چاہے گی اُسے وہی کام کرنا ہوگا۔ قوم جسے عدالت پر دیکھنا چاہے گی، وہ جج ہوگا۔ قوم جسے کٹہرے میں دیکھنا چاہے گی وہ ملزم ہوگا۔ قوم جسے فوجی کونسل میں دیکھنا چاہے گی وہ کمانڈر ہوگا۔ قوم جسے عام لشکر میں دیکھنا چاہے گی، وہ سپاہی ہوگا۔ قوم جسے مشاورت میں دیکھنا چاہے گی وہ مشیر ہوگا۔ قوم جسے وزارت میں دیکھنا چاہے گی وہ وزیر ہوگا۔ قوم جسے امارت میں دیکھنا چاہے گی وُہ امیر ہوگا۔ اور قوم جسے جیل میں دیکھنا چاہے گی وہ اسیر ہوگا۔

سیاسی عمل : جس زمانے میں اسلام اپنی تمام جزئیات کے ساتھ سرزمین عرب پر رائج تھا اُس زمانے میں ووٹوں کا یہ جدید طریقہ نہ تھا۔ اُس دَور میں قبائل کے بزرگ اپنے قبیلوں کی نمائندگی کیا کرتے تھے۔ یہ بزرگ خلیفہ کی مشاورتی کمیٹی کے ممبر ہوا کرتے تھے۔ انہیں اَب بھی کبار صحابہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اِن کی آراء کا ہر حال میں احترام کیا جاتا تھا۔ یہی کبار صحابہؓ خلافت کے اُمور پر غور وخوض کیا کرتے تھے۔ یہی بزرگ پہلے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کیا کرتے تھے۔ انہیں کی منظوری سے مُلک کا امیر مقرر کیا جاتا تھا۔

آج کے دَور میں قبائل سسٹم نہیں، اس لئے لوگ اپنے نمائندے ووٹوں کے ذریعہ منتخب کرتے ہیں۔ یہی نمائندے قومی اسمبلی کے ممبر کہلاتے ہیں۔ پھر یہی ممبر اپنا ایک وزیرِ اعظم چنتے ہیں۔ یہی لوگ مُلکی معاملات کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ یہ سارا سیاسی عمل جدّت زمانہ اور ضرورتِ وقت کے مطابق اپنی شکل ضرور تبدیل کر چکا ہے لیکن اس انتخاب کو اسلام کی روح کے منافی نہیں کہا جا سکتا۔ اگر یہ اسلام کے منافی ہوتا تو علمائے کرام اس میں کبھی حصّہ نہ لیتے۔ آج کے دَور میں ووٹ کی وہی اہمیت ہے جو اُس دور میں بیعت کی اہمیت تھی۔ ہاں، اُس دَور میں جیسا اختلاف ہوا ویسا اختلاف اَب بھی ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد جس دَور میں کبار صحابہ کی آرار کو اہمیت نہ دی گئی، جمہور مسلمانوں نے اُس دَور کو خلافت کا دَور نہیں ملوکیت کا دَور کہا۔ آج بھی ہم اُس دَور کو جس میں قوم کے نمائندوں کی بات نہیں سُنی گئی، جس میں اسمبلی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی، جس میں ممبروں کی آرار کا کوئی احترام نہ کیا گیا، ہم اُس دَور کو قطعاً نظامِ مصطفےٰ کا دَور نہیں کہہ سکتے۔

یزیدی اور حسینیؓ : اِسی طرح بیعت لینے میں رضامندگی کے سوال پر جو کچھ اُس دَور میں ہوا وہی کچھ اس دَور میں بھی ہوا۔ شریعتِ اسلام

میں جس طرح جبر کا نکاح اور جبر کی طلاق حرام ہے، اُسی طرح جَبر کی بیعت بھی حرام ہے۔ حضرت حسینؓ نے جَبر کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور یزید نے زیاد کو حسینؓ سے جبر کی بیعت لینے کے احکامات جاری کر دیئے۔ اُس زمانے میں جو حق تھا، آج بھی وہی حق ہے۔ حق کو ہمیشہ حق کہا جائے گا۔ باطل کو ہمیشہ باطل کہا جائے گا۔ حسینؓ کی راہ پر چلنے والوں کو حسینی کہا جائیگا یزید کے طریقے پر چلنے والوں کو یزید کہا جائے گا۔

حسینؓ کی مجلسیں : میرے محترم سامعین!

آپ سب لازماً حسینؓ کے دفتر میں اپنا نام لکھوانا پسند کرینگے اس میں شیعہ سنی کی کوئی تمیز نہیں۔ حسینؓ سب کا حسینؓ ہے۔ حسینؓ صرف حسینؓ ہی نہیں، حسینؓ ہمارے دِل کا چین بھی ہے۔ اور سچ پوچھئے تو نبیؐ کے بعد جنکا ہم پر سب سے زیادہ احسان ہے وہ حضرت حسینؓ ہیں۔ اگر نبیؐ نہ ہوتا، دین بنتا نہ۔ اگر حسینؓ نہ ہوتا، دین بچتا نہ۔ اگر نبیؐ نہ ہوتا، ہمیں روزے کی خبر نہ ہوتی، اگر حسینؓ نہ ہوتا ہمیں روزے کی قدر نہ ہوتی۔ اگر نبیؐ نہ ہوتا کوئی ہمیں قرآن بتاتا نہ، اگر حسینؓ نہ ہوتا کوئی نیزے پہ چڑھ کر قرآن سناتا نہ۔ حسینؓ سب کے لیے محترم ہے۔ یہ بات غلط ہے کہ جب نظامِ مُصطفےٰؐ آئے گا تو حسینؓ کے نام کی مجلسیں نہ ہوں گی۔ حسینؓ کا ذکر تو سب کے عشق کو آب دیتا ہے۔ جس نظام میں حسینؓ کے ذکر پر پابندی ہوگی وہ کوئی اور نظام ہوگا۔ نظامِ مصطفےٰؐ میں ہر جگہ حسینؓ کا ذکر ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ ہر طبقہ الگ الگ حسینؓ کا ذِکر کریگا۔ کوئی اگر اپنی مجلس میں بیٹھ کر حسینؓ کو یاد کریگا تو کوئی اپنی مسجد میں بیٹھ کر حسینؓ کو یاد کرے گا۔ ہم سب حسینؓ کی شہادت کو بھی مانتے ہیں اور علیؓ کی شجاعت کو بھی مانتے ہیں۔ نظامِ مصطفےٰؐ میں حسینؓ اور علیؓ کو یاد کرنے سے کوئی نہ روک سکے گا۔ اس نظام میں جہاں جہاں مسجد ہوگی، وہاں صلوٰۃ وسلام ہوں گے، اور جہاں جہاں امام باڑے کی گلی ہوگی وہاں علی علیؑ ہوگی۔

نظامِ مصطفٰےؐ کی زینت: حسینؓ کی محبت اور یزید سے بیزاری ہم سب کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ ہم سب جہاں یزید کے سیاہ کارنامے بتاتے جائینگے، وہاں حسینؓ کے عظیم کارنامے بھی بتاتے جائیں گے۔ جہاں یزید کی دھاندلیاں بتائیں گے، وہاں حسین کی مہربانیاں بتائیں گے۔ جہاں یزید کی حرام کاریاں بتائیں گے وہاں حسینؓ کی عفت مآبیاں بتائیں گے۔ جہاں یزید کی جفاکاریاں بتائیں گے وہاں حسینؓ کی قربانیاں بتائیں گے۔ جہاں یزید کی ذلت بتائیں گے وہاں حسینؓ کی شرافت بتائیں گے۔ جہاں یزید کا ظلم بتائیں گے وہاں حسینؓ کا حلم بتائیں گے۔ جہاں یزید کا تکبر بتائیں گے وہاں حسینؓ کا صبر بتائیں گے۔ جہاں یزید کی قیود بتائیں گے وہاں حسینؓ کے سجود بتائیں گے۔ جہاں یزید کی ہجو پڑھیں گے وہاں حسینؓ کے مولود پڑھیں گے۔ جہاں یزید پر لعنت وہاں آقا حسینؓ پر درود پڑھیں گے۔

حسینؓ کی یاد منانے اور یوم حسینؓ کے جلسوں کی تقریبات تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ ہم تو حسینؓ کے خاندان کے ہر فرد کی یاد منانے کے حق میں ہیں۔ حسینؓ کی ماں ہو یا حسینؓ کا باپ۔ حسینؓ کے خالو ہوں یا حسینؓ کی خالائیں۔ حسینؓ کا بھائی ہو یا حسینؓ کی بھابیاں۔ حسینؓ کا نانا ہو یا حسین کی نانیاں، سب کا ذکر اور سب کی یاد نظامِ مصطفٰےؐ کی زینت ہے۔ ان کے تذکرے روکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

خلافت کا خاصہ: ہاں روکا جائے گا۔ بے ہودہ گانوں کی آواز کو روکا جائے گا ان شیطانی چرخوں کو روکا جائے گا۔ بے حیائی اور فحاشی کو روکا جائے گا۔ ملاوٹ اور چور بازاری کو روکا جائے گا۔ ان چیزوں پر پابندی ہوگی ان کا خاتمہ کیا جائے گا۔ فساد کی سرکوبی کی جائے گی۔ شیطانوں سے نمٹا جائے گا۔ مصطفٰےؐ کا نظام خلافت کا نظام ہے اور خلافت کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں ہمیشہ پہلے شیطانوں

کی خبر لی جاتی ہے۔ خدا نے اپنا پہلا خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا تو پہلے شیطان کو ٹھکرایا۔ اسی طرح رسولؐ نے اپنا پہلا خلیفہ بنایا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے پہلے زکوٰۃ نہ دینے والے شیطانوں سے ٹکر لی۔ شیطان کی یہ عادت ہے وہ خلافت والے نظام کے قائم ہوتے ہی بگڑ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ پھر آگے نظامِ خلافت کی بھی یہ عادت ہے کہ یہ قائم ہوتے ہی پہلے ان شیطانوں کی ٹھکائی کرتا ہے۔

مدینے کی ریل: جب ہماری پاک دھرتی پر نظامِ مصطفٰےؐ قائم ہوگا، تو اپنی نسلی روایات کے مطابق کچھ شیطان ضرور اسکی مخالفت کرنے کے لئے اٹھیں گے، اس صورت میں نظامِ مصطفٰےؐ قائم کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ بلا کسی حیل وحجت کے ان شیطان صفت انسانوں کا صفایا کر دیں۔ لائن صاف ہوگی تو گاڑی آگے چل سکے گی۔ اس ریل کے آگے آنے والی ہر رکاوٹ کو پہلے ہٹایا جائے گا۔ اب انشاءاللہ ہماری گاڑی ماسکو کی طرف نہیں مدینے کی طرف جائے گی۔ ہماری جدوجہد مدینے کی ریل ہے۔ یہ عشق کا کھیل ہے۔ یہ منصور کا فعل ہے۔ ہم سولی پر چڑھ جائیں گے لیکن اس گاڑی کو رُکنے نہیں دیں گے۔ اب جو بھی اس گاڑی کی راہ میں حائل ہوگا، کچلا جائے گا کوئی رو رعایت نہ ہوگی۔ کوئی چشم پوشی نہ ہوگی۔ ہر مجرم کو اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہوگی۔ تعزیراتِ اسلام نافذ ہوں گی۔ پاکستان ہر طرح سے پاک ہوگا۔ لٹیروں سے پاک، رسہ گیروں سے پاک چوروں اچکوں سے پاک، قاتلوں سے پاک، رہزنوں سے پاک، بدمعاشوں سے پاک، راشیوں سے پاک، بدعنوانوں سے پاک، غداروں سے پاک، رہزنوں سے پاک، جابروں سے پاک، زانیوں سے پاک، شرابیوں سے پاک۔ جب یہ ملک ان سب سے پاک ہوگا۔ پھر اس میں نہ کوئی قزاق ہوگا نہ کوئی سفاک ہوگا۔ بس پھر یہ وطن پاک ہوگا اور رب رزاق ہوگا۔ ؎

یہ کٹھن ساعتیں جب گزر جائیں گی
معیشت کی زلفیں سنور جائیں گی

منشور : جب پاکستان میں نظامِ مصطفےٰ اپنی تمام جزئیات کے ساتھ نافذ ہوگا، اُس وقت تمام شعبہ ہائے زندگی میں تبدیلیاں کی جائیں گی۔ نظامِ تعلیم بدلا جائے گا۔ اور نوکرشاہی کا نظام بدلا جائے گا۔ ناجائز آمدنی کا حساب ہوگا۔ بدعنوانیوں کا احتساب ہوگا۔ زکوٰۃ کا نظام رائج ہوگا۔ ہر ایک کے پاس کام ہوگا۔ کوئی بے روزگار ہوا اُسے بیت المال وظیفہ دے گا۔ جاگیریں وراثت میں تقسیم ہوں گی۔ عورتوں کو جائیداد کا مالک بنایا جائے گا۔ قاتلوں کو پھانسی چڑھایا جائے گا۔ پولیس کی دھاندلیاں ختم ہونگی۔ رشوت ستانیاں ختم ہونگی۔ ہر قسم کی کارستانیاں ختم ہوں گی۔ بلیک کا کاروبار بند ہوگا۔ طوائفوں کا کاروبار بند ہوگا۔ شراب اور جوئے و سٹے کا کاروبار بند ہوگا۔ ہر حرام کاروبار بند ہوگا۔ ملک میں کوئی شرارت نہ ہوگی۔ ظلم نہ ہوگا۔ انتشار، بے چینی اور بے اطمینانی نہ ہوگی۔ فراڈ، دھوکہ اور فریب نہ ہوگا۔ آبرو ریزیاں اور قتل و غارت نہ ہوگی۔ ہر طرف امن ہوگا۔ اُس وقت پورے پاکستان پر خُدا کی رحمتوں کی بارش ہوگی۔ ہر ایک ایمان کے نُور سے منور ہوگا۔ پاکستان کے جوان بدر کے معاذؓ اور معوذؓ کے پیروکار ثابت ہوں گے پاکستان کے بوڑھے ابوبکرؓ و عمرؓ کے جانثار ہوں گے۔ پاکستان کے فوجی دینِ مصطفوی کے علمبردار ہوں گے۔ پاکستان کی لڑائی مجاہد کا جہاد ہوگا۔ پاکستان کا نعرہ مُسلم کی تکبیر ہوگا۔ پاکستان کا دستور قرآن ہوگا اور پاکستان کا حاکم صاحبِ ایمان ہوگا۔

ایک اعتراض : محترم سامعین ! ہمارے مُلک میں کچھ لوگ جنہیں نظامِ مصطفےٰ کے نام سے چڑ ہے، اسلام کا نام آتے ہی جنہیں بخار چڑھنے لگتا ہے۔ یہ لوگ سادہ لوح دیہاتیوں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ یہ بات پھیلائی گئی کہ جناب علماء کو سیاست سے کیا کام ؟ انہیں اپنے مدرسوں اور مسجدوں میں رہنا چاہیئے۔ یہ وعظ کریں۔ نمازیں پڑھیں۔ عبادت کریں۔ اللہ اللہ کریں۔ دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں سے کوئی بھلائی کی صورت نکال دیگا۔ اس کے لئے اس زور شور اور ٹکراؤ کی کیا ضرورت ہے ؟

ایمان : جناب والا ! ہمارا دین صرف عبادات تک محدود نہیں۔ اس میں معاملات طے کرنے کے سب اُصول موجود ہیں۔ جب دُنیا کے معاملات دینِ محمدی سے ہٹ کر طے کئے جائیں، جب مسلمانوں کے معاملات مصطفےٰ کی ہدایات کے خلاف طے کئے جائیں، جب مسلمانوں کے فیصلے نبیؐ کے قانون کو چھوڑ کر کئے جائیں تو شریعت کے مطابق اُس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ناموسِ رسالت کے لئے سراپا احتجاج بن جائیں۔ اپنے نبیؐ کی حمایت میں آواز نکالیں، ختمِ نبوت کے حق میں ہاتھ اُٹھائیں اور اپنے نبیؐ کی حقانیت کو تسلیم کرانے کے لئے سر بکف ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں۔ نبیؐ کے دین کے لئے آواز اُٹھانا ویسے ہی عبادت ہے جیسے نماز کا پڑھنا عبادت ہے۔ بلکہ نبیؐ کی محبت تمام عبادات سے افضل عبادت ہے۔ اس عبادت کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اپنی جگہ اہم ہیں۔ نماز دین کا ستون ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ نماز کافر اور مسلم کے درمیان فرق کی علامت ہے۔ نماز یادِ الٰہی ہے۔ نماز باطن کی صفائی ہے۔ اور روزہ ـــ روزہ ڈھال ہے۔ روزہ خُدا کا ہے، خُدا روزے کا ہے۔ خُدا روزے کی جزا ہے۔ روزے کی جزا خود خُدا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ صاحبِ نصاب پر فرض ہے۔ زکوٰۃ دولت کا زنگ ہے۔ زکوٰۃ غریبی کا علاج ہے۔ زکوٰۃ مفلسوں کا حق ہے اسی طرح حج ہے۔ صاحبِ استعداد لوگوں پر فرض ہے۔ حج اطاعت کا سبق ہے۔ حج مومن کی تربیت ہے۔ حج اسلام کی شان ہے۔ یہ سب عبادات ہمارے لئے مغفرت کا ذریعہ ہیں۔ نجات کا سامان ہیں۔ رُوح کی تسکین ہیں۔ دِل کا قرار ہیں۔ مگر بقول مولانا ظفر علی خان ؎

نماز اچھی، روزہ اچھا، زکوٰۃ اچھی ! ؎ مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں خواجہ یثربؐ کی عزت پر ؎ خُدا شاہد ہے کامل مرا ایماں ہو نہیں سکتا

اپنی مدد آپ : باقی یہ سمجھنا کہ دعاؤں سے اسلامی نظام قائم ہو جائے گا۔ یہ ایک

سراسر نادانی ہے۔ اگر صرف دعاؤں سے یہ کام ہو جاتا تو حضورؐ سے زیادہ کس کی دُعا قبول ہو سکتی ہے؟ اگر صرف دعاؤں سے نظامِ مصطفےٰ قائم ہو جاتا تو خود مصطفےٰ غارِ حرا میں بیٹھ کر دُعا کر دیتے اور پوری دُنیا میں اسلام قائم ہو جاتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے جدوجہد کی۔ ہر قسم کی قربانی دی۔ اس مقصد کے لئے تلوار بھی اُٹھانی پڑی تو اٹھائی۔ تب جا کر کہیں اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اسی طرح پچھلے تمام انبیاء کرتے رہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے خلاف آواز بلند کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے نمرود سے ٹکر لی۔ اگر خدائی نظام اور بھلائی کے نظام کے لئے صرف دُعاؤں کا نسخہ کارگر ہوتا تو ان انبیاء کو اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

رب دعاؤں کو سنتا ہے۔ ضرور سنتا ہے۔ مگر سننے سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ دُعا کرنے والے نے کچھ تدبیر بھی کی ہے یا نہیں۔ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ ہر بیماری کی دوا ہے۔ ہر مشکل کا علاج ہے۔ اگر علاج کرنے کی کوشش کرو گے تو شفا ملے گی۔ اگر اپنی مدد آپ نہ کی تو خُدا بھی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ اگر تدبیر نہ کی تو تقدیر بھی تمہارا ساتھ نہ دے گی۔

تقدیرِ الٰہی : یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ سب تقدیر کا کھیل ہے، جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہی تقدیر کا فیصلہ ہوگا، اس لئے ہماری تمہاری کوششیں فضول ہیں۔

یاد رکھو! تقدیر پنجرہ نہیں، ہم پرندے نہیں۔ یہ جیل نہیں، ہم قیدی نہیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ تقدیر ہماری نگاہوں کے مطابق پھیلتی اور سمٹتی ہے ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تقدیریں بنتی بھی ہیں اور بگڑتی بھی ہیں۔ یہ ہمارا اپنا کام ہے کہ ہم تقدیر کو بنائیں یا بگاڑیں۔ فرض کیا ہم بیمار ہیں، اگر ڈاکٹر کی تجاویز پر عمل کریں گے تو صحت یاب ہوں گے۔ اگر بدپرہیزی اور بے احتیاطی کریں گے تو اور بیمار ہوں گے۔ اگر تقدیر کا لکھا نہیں ٹل سکتا تو بیمار ہونے پر

کبھی حکیم اور ڈاکٹر کے پاس مت جائیے۔ جو کچھ تقدیر میں ہوگا وہ ہوگا، خواہ مخواہ دوائی اور ڈاکٹر کی فیس کیوں ضائع کرتے ہو؟ ایک آدمی اپنی جسمانی اور انفرادی بیماری کے بارے میں تو یہ رائے رکھتا ہے کہ دوائی اور احتیاطی تدابیر سے وُہ اپنی بیماری سے چھٹکارا حاصل کرے گا لیکن اجتماعی اور معاشرتی بیماریوں کے بارے میں اُس کی رائے ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے خُدا کی مرضی سے ہو رہا ہے اس لئے اس کا کوئی علاج نہیں۔ یہ سوچ مایوس ذہنوں کی پیداوار ہے۔ اور مایوسی و نا اُمیدی کفر کی علامات ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قوموں کے نشیب و فراز میں جہاں خوشی و مسرت اور فتح و کامرانی کے واقعات سامنے آتے ہیں وہاں کچھ المیہ حادثات بھی رونما ہوتے ہیں لیکن مُردہ قوموں اور زندہ قوموں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ مُردہ قومیں اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈال کر تقدیر کا رونا روتی ہیں اور زندہ قومیں اپنی ماضی کی ناکامیوں پر عبرت آمیز نظریں ڈالتی ہیں۔ اپنے ماضی سے سبق سیکھتی ہیں اور مستقبل کے لئے خوب سے خوب تر کی فکر کرتی ہیں۔ اُن کی یہی روش اُن کے دلوں کو گرمائے رکھتی ہے اور اُن کے بگڑے ہوئے کام بھی بنتے چلے جاتے ہیں ؎

جب بگڑ جاتی ہیں تقدیریں سنور جاتا ہے دِل
حادثوں کی آگ میں جل کر نکھر جاتا ہے دِل

حادثات زندگی کا لازمہ ہیں۔ تقدیر بنانی ہے تو حادثات کا مقابلہ لازمی ہے۔ اپنی زندگی کو حادثات اور تغیرات کے دھاروں میں بے بس چھوڑ دینا مسلمان کی شان کے خلاف ہے مسلمان حالات کے رُخ کو بدلنے کے لئے ہے، حالات کی رو میں بہہ جانے کے لئے نہیں۔ کتنا غلط فقرہ ہے؟ ؎

چلو تم اُدھر کو ہو جدھر رُخ ہوا کا

اگر ہوا کے رُخ پر چلو گے تو تمہاری حیثیت آندھیوں میں اُڑنے والے اُن تنکوں کے سوا کچھ نہ ہو گی جن کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ کبھی اس جھاڑی سے ٹکراتے ہیں تو کبھی اُس جھاڑی سے

ٹکراتے ہیں۔ لیکن اگر ہوا کے رُخ کے مقابلے میں تم صراطِ مستقیم منتخب کروگے تو ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لئے

بات صرف ہمت اور طاقت کی ہے۔ حق وصداقت سب سے بڑی طاقت ہے۔ جن لوگوں کے پاس یہ طاقت نہیں وہ ہوا کے رُخ کو خُدا کی تقدیر کہتے ہیں اور جو حق وصداقت کے علمبردار ہوتے ہیں وہ خود تقدیر کے گھوڑے کے شاہ سوار ہوتے ہیں ؎

کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیر مسلمان

مومن ہے تو خود تابع ہے تقدیرِ الٰہی

~~~~

وما علینا الا البلاغ المبین
~~~~